۷۸۶

شانِ حبیب الرحمٰن ﷺ

من

آیات القرآن

از تصنیف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں صاحب مدظلہ

خطیب جامع مسجد چوک پاکستان

گجرات



فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

الحمد للہ کہ رسالہ مبارکہ سوتوں کو جگانے والا، روتوں کو ہنسانے والا
محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی شان بتانے والا

مسمّٰی بہ

شانِ حبیب الرّحمان

مِنْ

آیاتِ القرآن



از افادات

حضرت مولانا الحاج المفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی، بدایونی مدظلہ
مدرس مدرسہ خدام الرّسول گجرات

ناشر
سید محمد حسن جیلانی قادری نوری دربار قادریہ سادے چک شریف ضلع گجرات

دار الاشاعت جماعت نوری
بازار داتا صاحب لاہور

(مطبوعہ ... گلزار عالم پریس لاہور) مشق نوشنویس گوندلانوالہ قیمت پانچ روپے صرف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمِ

حمد اُسی پروردگارِ عالم کو لائق ہے، جس نے امرِ کُن سے تمام جہان پیدا فرمایا، اور ایک مُشتِ خاک سے انسان بنایا۔ اور اُس کو لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ کا تاج پہنایا۔ سبحان اللہ کیسا رحیم و کریم اور کارساز ہے جس نے اپنے فضل سے ہم پر نعمتوں کے دریا بہا دیئے۔ اگر ہمارے بال زبان بن کر اُس کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہیں تو ہرگز نہ کر سکیں ؎

گر بر تنِ من زبان شود ہر مُو ۔ احسان ترا شمار نتوانم کرد

پھر اس خاک کو عزت دینے کے لئے ان میں انبیاء کرام کو بھیجا۔ کہ یہ تمام نعمتوں سے بالاتر نعمت ہے۔ پھر درود نا محدود اُس محبوبِ ربّ ودود پر جس کا وجود باوجود اس جہان کی پیدائش کا سبب ہے سارا باغِ عالم اسی ایک سچے پھول کے لئے لگایا گیا۔ آدم اور آدمیانِ عالم اور عالمیان اسی دُولھا کے براتی اور اسی نوشہ کے طفیلی ہیں۔

سُبحان اللہ کیسا بادشاہ، نبیوں کا سردار، گنہگاروں کا غمخوار، شافعِ روزِ شمار، رحمتِ پروردگار بیکسوں کا کس، بے بسوں کا بس، کمزوروں کا زور، بے سہاروں کا سہارا، جس کا ذکرِ پاک بے چین دل کا چین، بے قرار دل کا قرار ہے، کیسے رؤف و رحیم کہ ولادتِ پاک کے وقت گنہگاروں کو فراموش نہ فرمایا، معراج میں سیہ کاروں کو یاد رکھا، بعد وصال قبرِ انور میں خطا کاروں کے لئے لب پاک کو جنبش دی (مدارج) قیامت میں سب کو جان کی فکر مگر محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو جہان کی ؎

جب ماں اکلوتے کو بھُولے ۔ آ آ کہہ کے بُلاتے یہ ہیں
قصرِ دنٰے تک کس کی رسائی ۔ جاتے یہ ہیں آتے یہ ہیں

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

بعد حمد و صلوٰۃ کے جاننا چاہیئے کہ انسانی زندگی کا اصلی مقصد اپنے رب کو پہچاننا اور اُس کی عبادت کرنا ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ ہم نے جن و انسان کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ ہماری عبادت کریں۔ اور رب کریم کو وہ ہی پہچان سکتا ہے جو کہ اس کے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی کو جانتا ہو، عیسائی، یہودی، مشرکین سالہا سال عبادت کریں مگر نہ عارف ہو سکتے ہیں اور نہ صحیح معنے میں عابد۔ کیوں؟ اس لئے کہ مدنی تاجدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بغیر پہچانے ہوئے عبادت وغیرہ کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے اپنی پہچان بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ اپنے محبوب علیہ السلام کے ذریعہ سے کرائی۔ فرمایا هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ۔ رب العالمین وہ شان والا ہے جس نے اپنے رسول علیہ السلام کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ کہیں فرمایا هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔ پروردگار وہ شان والا ہے جس نے بے پڑھوں میں ایک شان والا رسول بھیجا، اُن ہی میں سے ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ کو خالق السمٰوٰت والارض ہونے سے پہچانے، تو عرفان میں ناقص اور جو اُسے خالقِ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہونے سے جانے وہ کامل مومن ہے۔

غرضکہ دستِ قدرت کو بھی اپنے شان والے محبوب پر ناز ہے کہ بار بار فرماتا ہے کہ اگر ہماری شان ہماری صناعی دیکھنا ہے تو ہمارے شان والے دُرِ یکتا محمد رسول اللہ کو دیکھو صلے اللہ علیہ وسلم۔

صنّاع کی کاریگری مصنوع سے پہچانی جاتی ہے اور عالم کا فضل علمی اُس کے لائق شاگرد سے معلوم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح خدائے قدوس کا کمال مصطفٰے کے جمال میں نظر آتا ہے، حضور کی ذات مظہرِ ذاتِ ذوالجلال ہے ؎

اِس صورت نوں مَیں جان آکھاں، جاں ناکِ جانِ جہاں آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں جس شان تھیں شاناں سب بنیاں

رب العالمین بے مثل خالق ہے اور محبوب علیہ السلام بے مثل مخلوق، کسی دین والا ایسی کوئی ہستی پیش نہیں کر سکتا جیسی کہ پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کی ذات ہے۔ اس کی تحقیق آئندہ ہوگی انشاء اللہ۔ مگر زمانہ موجودہ کے مسلمان جہاں اور باتیں بھول چکے وہاں اپنے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان سے بھی غافل ہو گئے۔ پھر شامتِ اعمال سے قوم مسلم میں ایسے مسلم نما بے دین بھی پیدا ہو گئے کہ جنہوں نے شانِ محبوب علیہ السلام کو گھٹانا اپنا دین قرار دے لیا۔ اور اس ذاتِ کریم کو اپنا مثل بشر اور بڑا بھائی اور معاذ اللہ نہ معلوم کیا کیا بتانا شروع کیا۔ سیدھے سادھے مسلمان اُن کے

جبہ و دستار دیکھ کر ان کے جال میں گرفتار ہو گئے۔ اس رفتارِ زمانہ کو دیکھ کر سمجھدار اور دیندار مسلمان خون کے آنسو روتے ہیں۔

زمانہ کی اس زبوں حالت کو دیکھتے ہوئے حضرت محترم حاجی دینِ متین ناصر المسلمین حاجی الحرمین الشریفین جامع شریعت وطریقت واقفِ اسرارِ حقیقت ومعرفت راہبرِ گمراہاں ہادیٔ گم گشتگاں حضرت حاجی ترابِ اقدامِ احمد صاحب عرف حاجی محمد علی صاحب متولی ومہتمم مسجد گلنار مدینہ مدظلہ نے ازراہِ ہمدردیٔ اہلِ اسلام مجھ کو فرمائش کی، کہ قرآن کریم کی وہ آیات جمع کرو جو صراحۃً حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی شان بیان فرما رہی ہیں۔ اور اس کے مطالب کو مختصر طریقہ پر اس طرح بیان کرو، جس سے مسلمانوں کے دل نورِ ایمانی سے جگمگا جاویں۔ شانِ مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اہلِ ایمان کو پتہ چل جاوے۔ جس کے پڑھنے سے مومنوں کے دلوں کو سرور اور آنکھوں کو نور حاصل ہو۔ مخالفین اسلام بھی پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کے ان فضائل پاک کو دیکھ کر حضور علیہ السلام کے گرویدہ ہو جائیں، مگر مجھے اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا پورا پورا احساس تھا، بھلا کہاں مجھ جیسا بے ہنر انسان اور کہاں سید الانس والجان کی شان۔ رب تعالیٰ دنیاوی سامان کے بارے میں فرماتا ہے قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ یعنی اے محبوب فرما دو کہ دنیاوی سامان تھوڑا ہے۔ مگر اس کے باوجود کوئی شخص بھی اس کو شمار نہیں کر سکتا۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ اور اخلاقِ مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ آپ تو بڑے ہی اخلاق والے ہیں۔ جب تمام انسان قلیل کو نہیں شمار کر سکتے، تو اس عظیم اخلاق والے عظیم تر ین محبوب کے فضائل کی کس کو طاقت ہے کہ شمار کر سکے۔ لیکن صرف یہ خیال کیا۔ کہ کم از کم بروزِ قیامت ہمارا نام نعت گویوں اور نعت خوانوں میں آجاوے۔ اور ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ کی برکت سے بروزِ قیامت حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے نعلین برداروں میں حشر نصیب ہو جاوے۔ اور ان کی ثنا خوانی خدا کرے کفارۂ سیئات بن جاوے۔ توکلاً علی اللہ اس مبارک کام کو شروع کیا۔ شروع تو کر دیا، مگر مولیٰ تعالیٰ اس کو بخیر وخوبی انجام پر پہنچاوے۔ آمین۔

۱۸۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ مطابق ۳ جون ۱۹۴۲ء بروز پنجشنبہ یہ کتاب شروع کی گئی۔
اس کتاب کا نام شانِ حبیب الرحمٰن من آیات القرآن رکھتا ہوں۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وھو حسبی ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

احمد یار خاں بدایونی
مدرس مدرسہ انجمن خدام الصوفیہ گجرات پنجاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

حقیقت یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کو بنظرِ ایمان دیکھا جاوے۔ تو اس میں اوّل سے آخر تک نعت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام معلوم ہوتی ہے۔ حمدِ الٰہی ہو یا بیان عقائد، گذشتہ انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے واقعات ہوں یا احکام۔ غرض قرآن کریم کا ہر موضوع اپنے لانے والے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کے محامد اور اوصاف کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ اخلاص یعنی قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو لیجئے۔ کہ اس میں خدائے قدوس کے صفات کا ذکر ہے۔ اور سورۂ لہب کو دیکھئے یعنی تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ کہ اس میں بظاہر ابولہب کافر اور اس کی بیوی کا تذکرہ ہے از اوّل تا آخر۔ مگر جب غور کرو تو یہ دونوں سورتیں محبوب کی نعت پاک سے بھری ہوئی ہیں۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ میں ارشاد ہوا ہے کہ اے محبوب تم کہدو کہ اللہ ایک ہے اور وہ ہی بھروسہ کے لائق ہے نہ وہ کسی کی اولاد، نہ اس کی کوئی اولاد وغیرہ وغیرہ۔ مگر ایک کلمہ قُلْ نے (یعنی محبوب تم کہدو) اس ساری سورۃ میں نعت کو شامل کر دیا۔ کیونکہ مرضیٔ الٰہی یہ ہے کہ اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام تو ہمارا ہو، اور زبان تمہاری ؎

قُل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی ۔ اتنی ہے گفتگو تری اللہ کو پسند

ہماری صفات تو تم دنیا کو بتاؤ۔ اور فرماؤ اَللّٰهُ اَحَدٌ، اور تمہاری صفات ہم ارشاد فرماتے ہیں کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ یعنی لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تم کہلواؤ۔ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہم کہلواتے ہیں۔ یعنی ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے منہ سے اپنے اوصاف سنیں تم ہمیں

ثنا ؤ. اللہُ اَحَدٌ ، بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ محبوب فرزند سے باتیں سُنتے ہیں ، چونکہ اُس کی زبان کے لفظ میٹھے اور پیارے معلوم ہوتے ہیں ، تو بار بار کہلوا کر سُنتے ہیں . رب نے اپنے محبوب سے قرآن پڑھوا کر سُنا ، ورنہ میثاق کے دن سب سے پہلے توحید کا اقرار حضور ہی نے کیا تھا + یا قُل سے یہ مقصود ہے کہ اے محبوب لوگوں سے کہدو اللہُ اَحَدٌ ، لہٰذا اگر کوئی انسان آپ کی غلامی کے بغیر ہماری صفات کو جانے مانے ہرگز عارف یا موحد نہیں . جب تک کہ آپ کی بتائی ہوئی توحید آپ کے دامنِ پاک سے لپٹ کر نہ مانے . اسی لئے کلمہ طیبہ کا نام تو ہے کلمۂ توحید . مگر اس میں اللہ کے ذکر کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ بھی ہے . کہ جزوِ اوّل میں توحید اور جزوِ دوم میں توحید سکھانے والے کا اسم پاک آجائے . کہ توحید صحیح بغیر رسالت کی دستگیری کے حاصل نہیں ہوتی . صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ ؛

تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ میں بھی نعت شامل ہے . قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ میں تو قُلْ فرمانے سے نعت کی شان نظر آئی اور یہاں قُلْ نہ فرمانے سے . کیونکہ ایک بار ابو لہب ابنِ عبد المطلب نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں عرض کیا تھا کہ تَبًّا لَّکَ آپ تباہ ہو جائیں . پروردگارِ عالم نے اس کلمۂ ملعونہ کا بدلہ اور انتقام لیتے ہوئے خود فرمایا کہ تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ . کہ ابو لہب ہلاک ہو جائے . اور وہ ہلاک ہو بھی گیا . یعنی اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم اس کا جواب آپ نہ دیں ہم خود جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں . اب اس سے جہاں ابو لہب کی گمراہی ہلاکت وغیرہ کا ذکر ہوا ساتھ ہی ساتھ آقائے دو جہان کی عزت وعظمت بارگاہِ الٰہیہ میں معلوم ہو گئی کہ اُن کی شان میں ادنیٰ سی بکواس کرنے والا خدائے پاک کا دشمن قرار پاتا ہے مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ . جس نے میرے دوست سے دشمنی کی ، مَیں اُس کو اعلانِ جنگ دیتا ہوں (مشکوٰۃ) +

صحابہ کرام اہل بیت عظام کے مناقب مکہ مکرمہ ، مدینہ منورہ کے فضائل جو قرآن کریم میں ارشاد ہوئے وہ حقیقت میں نعتِ مصطفےٰ ہے . بادشاہ کے غلاموں کی تعریف اُس کے تخت وتاج کی مدحت درحقیقت بادشاہ کی ثنا خوانی ہے . کفار کی برائیاں ، بُت پرستوں کی مذمت بھی اُسی شہنشاہ کی نعت ہے . جس کی مخالفت سے یہ لوگ مردود ہوئے +

اسی طرح آیاتِ احکام کو دیکھئے کہ سب میں حضور علیہ السلام کی نعت ظاہر ہے . مثلاً قرآن میں جگہ جگہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ، یا حج فرض فرمایا ، مگر کسی جگہ یہ نہ بتایا گیا کہ نماز کس طرح پڑھو ، کس کس وقت پڑھو ، کتنی کتنی رکعتیں پڑھو . اسی طرح یہ وضاحت نہ فرمائی . کہ زکوٰۃ کون دے ، کتنے مال پر دے ، کس قدر دے حج کرو ، مگر تمام حج کے قاعدے نہ بیان کئے . جس کی منشا یہ ہے ، کہ احکام ہم نے بتا دیئے . اب اگر ان احکام کی تفصیل اور طریقہ دیکھنا ہے تو ہمارے محبوب علیہ السلام کے مبارک فعل اور قول دیکھ لو ، اُن کی زندگی پاک ہمارے سارے احکام کی مکمل تفسیر ہے . اور حق تو یہ ہے کہ نماز ، روزہ ، حج وغیرہ محبوب علیہ السلام کی محبوب اداؤں کا نام ہے ، اُن کی ادائیں پیاری ہیں ، جو بھی اخلاص سے اُن کی سی ادائیں کریگا مقبول ہوگا . اگر کوئی شخص رکوع سجدہ میں قرآن پڑھ لے اور قیام میں اَلتَّحِیَّاتُ پڑھے یعنی جو ذکر الٰہی نماز میں ہوتا ہے ، اُس کی ترتیب بدل دے نماز نہ ہوگی . آخر یہ کیوں ؟ صرف اس لئے کہ اُس نے اگرچہ سارے ارکان ادا کر دیئے اور سارے ذکر بھی کر لئے ، مگر اس طرح نہیں کئے جس طرح سے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کرتے تھے ، پیاری تو اُن کی ادائیں ہیں نہ کہ محض تمہارے افعال ، دیکھو نماز وتلاوت بزبانِ عربی لازم ہے ، کہ یہ ہی محبوب کی زبان ہے ، ہمیں طوطی مینا پیاری ہیں کیونکہ وہ ہماری سی بولی بولتی ہیں . اگرچہ بغیر سمجھے ہی سہی تو اے مسلمانو تم بھی اُس محبوب کی بولی بولو ، اگرچہ بغیر سمجھے ہوئے ہو ثواب پاؤ گے ، اگر نماز محض درخواست ہوتی تو ہر زبان میں ادا ہو جاتی ، کہ رب تو ہر زبان جانتا ہے + حج میں کیا ہے ؟ کہیں ٹھیرنا ، کہیں دوڑنا ، کہیں کنکر پھینکنا ، کہیں طواف میں گھومنا ، آخر یہ کام ان تاریخوں میں عبادت کیوں بن گئے ؟ اس لئے کہ یہ اللہ والوں کے کام ہیں + حدیث پاک میں ارشاد ہوا مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ اُسی قوم سے ہے . ہماری نمازوں اور ساری عبادتوں کا یہ ہی حال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت اور تشبیہ نصیب ہو جاوے ، شاید اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ہمیں بخش دے ؎

رات کی تاریکی میں نمازیں اُمت کی بخشش کی دعائیں + ان کے سجدے فخرِ عبادت صلے اللہ علیہ وسلم
ہمارے یہ سجدے سجود انہیں مقبول سجدوں کی نقل ہیں . غرضکہ ساری احکام کی آیات نعت رسول علیہ السلام ہیں +

اسی طرح وہ ہی کام گناہ ہے جو حضور کو ناراض کرے ، رب تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ . لھم کے مقدم ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اُن ہی کو عذاب ہوگا جو حضور کو ایذا دیں . معلوم ہوا کہ ہر کافر کے کفر اور مومنوں کے گناہ سے حضور کو ایذا ہوتی ہے . اگر کسی کی

عبادت سے حضور ناراض ہیں تو وہ عبادت گناہ ہے۔ اور اگر کسی کی خطا سے حضور راضی ہوں تو وہ خطا عین عبادت ہے، حضرت صدیق کا غار میں سانپ سے اپنے کو کٹوا لینا خودکشی نہیں، عین عبادت ہے، ابو امیہ ضمری کا مجبوری کلمہ کفر منہ سے نکال دینا کفر نہیں، خیبر میں حضرت علی کا نمازِ عصر قضا کر دینا گناہ نہیں بلکہ عبادت تھا، کہ ان چیزوں سے حضور راضی تھے۔ مگر فاطمہ زہرا کی موجودگی میں حضرت علی کے لئے دوسرا نکاح گناہ تھا کہ اس سے حضور کو ایذا پہنچتی، عرفات میں نماز مغرب قضا کرنا عبادت ہے کہ اس سے حضور راضی ہیں۔

لیکن ہم کو اس مختصر سے رسالہ میں اُن ہی آیات کریمہ کے متعلق عرض کرنا ہے جو براہ راست نعت سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم میں ہیں، آؤ اپنے نبی کے گیت گائیں اور اسی پر مقدمہ ختم کریں ؎

تخت ہے اُن کا، تاج ہے اُن کا — دونوں جہاں میں راج ہے اُن کا
جن و ملک ہیں اُن کے سپاہی — رب کی خدائی میں اُن کی شاہی
شاہ و گدا ہیں اُن کے سلامی — فخر ہے سب کو اُن کی غلامی
اونچے اونچے یہاں جھکتے ہیں — سارے اُنہیں کا منہ تکتے ہیں
کعبہ کی زینت اُن ہی کے دم سے — طیبہ کی رونق اُن کے قدم سے
کعبہ ہی کیا ہے سارے جہاں میں — دھوم ہے اُن کی کون و مکاں میں
باغِ خلیل کا وہ گلِ زیبا — کشتِ صفی کا نخلِ تمنا
رحمتِ عالم نورِ مجسم — صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ
دان کرو دربار ہے بھاری — در پہ کھڑے ہیں سارے بھکاری
در پہ ہیں حاضر اپنے پرائے — آپ کے دم سے آس لگائے
ہم تو پڑے اپنے کمیں ہیں در کے — نام لکھے ہیں پدر مادر کے
چشمِ کرم ذرا اِدھر ہو — سالکؔ خستہ پر بھی نظر ہو

احمد یار خاں نعیمی عفی اللہ عنہ بدایونی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمِ

(۱) هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ پارہ ۲۷ سورۂ حدید، رکوع ۱۔ وہ ہی اول ہے وہ ہی آخر ہے وہ ہی ظاہر ہے وہ ہی چھپا اور وہ ہر چیز جانتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت کے خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ یہ آیت کریمہ حمد الٰہی بھی ہے اور نعت مصطفےٰ بھی، علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ حضور سب سے اول ہیں اور سب سے پیچھے۔ اور سب پر ظاہر اور سب سے چھپے ہوئے۔ اور حضور علیہ السلام ہر چیز کو جانتے ہیں۔ اول تو اس طرح کہ دنیا و آخرت ہر جگہ سب سے اول ہی ہیں، سب سے پہلے آپ کا نور پیدا ہوا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ بظاہر تو حضرت آدم حضور علیہ السلام کے والد ہیں مگر حقیقتاً حضور علیہ السلام والدِ آدم ہیں۔ بظاہر درخت سے پھول ہے مگر حقیقت میں پھول سے درخت ہے ؎

ظاہر میں میرے نخل حقیقت میں میری اصل — اُس گل کی یاد میں یہ صدا ابوالبشر کی ہے

اس باغ عالم کے حضور پھول ہیں صلے اللہ علیہ وسلم۔ سب سے پہلے نبوت آپ کو عطا ہوئی خود فرماتے ہیں کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَآءِ ہم اس وقت نبی تھے جبکہ حضرت آدم اپنی آب و گل میں جلوہ گر تھے۔ میثاق کے دن اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں سب سے پہلے بَلٰی فرمانے والے حضور ہی ہیں، بروز قیامت سب سے پہلے آپ کی قبر انور کھولی جاوے گی، بروز قیامت اول حضور کو سجدہ کا حکم ملے گا، سب سے پہلے حضور شفاعت فرمائیں گے۔ اور شفاعت کا دروازہ حضور ہی کے دست اقدس پر کھلے گا، اول حضور ہی جنت کا دروازہ کھلوائیں گے، اول حضور ہی جنت میں تشریف فرما ہوں گے، بعد میں تمام انبیاء، اول حضور ہی کی اُمت جنت میں جاویگی بعد میں باقی اُمتیں، غرضکہ ہر جگہ اولیت کا سہرا اُن ہی کے سر ہے۔ اول دن یعنی جمعہ حضور ہی کو دیا گیا، اس قدر اولیت کے باوجود پھر سرکار صلے اللہ علیہ وسلم آخر بھی ہیں، سب سے آخر حضور کا ظہور ہوا، خاتم النبیین آپ ہی کا لقب ہوا۔ سب سے آخر حضور ہی کو کتاب ملی، سب سے آخر حضور ہی کا دین آیا، سب سے آخر دن یعنی قیامت تک حضور ہی کا دین باقی رہے گا۔

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے ٭ پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی

نمازِ اسریٰ میں تھا یہ ہی سِرّ، عیاں ہو معنیٔ اوّل آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

اب رہا ظاہر و باطن، حضور علیہ السلام سب پر ظاہر ہیں اور ہمیشہ ظاہر، سب پر تو اس طرح ظاہر کہ اُن کو مسلمان جانیں، کافر پہچانیں یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ حضور کی معرفت کو بیٹے سے مثال دی نہ کہ باپ سے، اس کی تین وجہ ہیں۔ بیٹا اپنے باپ کو صرف لوگوں سے سُن کر جانتا ہے بلا دلیل، مگر باپ اپنے بیٹے کو اپنے نکاح، قرار حمل، ولادت وغیرہ دلائل سے جانتا ہے۔ کفار بھی حضور کو دلائل سے پہچانتے تھے نہ فقط سُن کر، نیز بیٹا دنیا میں آکر باپ کو پہچانتا ہے مگر باپ ولادت سے پہلے ہی، کفار بھی حضور کو ولادت پاک سے پہلے ہی جانتے تھے اور ان کی آمد کی دعائیں مانگتے تھے، نیز بچہ دنیا میں آکر فوراً اُنہیں پہچانتا بلکہ سمجھدار ہو کر، مگر باپ بیٹے کو اول سے ہی جانتا ہے ٭ حضور علیہ السلام کو بچپن سے ہی سارا عالم جانتا تھا کہ پہاڑ سلام کرتے تھے، حجر خوشخبریاں دیتے تھے، درخت سایہ کے لئے جھکتے تھے، چاند باتیں کرتا تھا، کفار آپ کی نبوت کی گواہیاں دیتے تھے ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی ٭ مے تافت ستارۂ بلندی

جانور جانیں، اونٹ سجدہ کریں، جنگل کے ہرن امن مانگیں، چاند و سورج جانیں کہ چاند تو اشارہ پا کر دو ٹکڑے ہو جاوے اور سورج ڈوب کر لوٹ آوے، جانتے ہیں کہ اشارہ محبوب ہے صلی اللہ علیہ وسلم ٭ فرش والے جانیں، عرش والے پہچانیں، حضرت آدم آنکھ کھولتے ہی عرش اعظم پر رب کے نام کے ساتھ محبوب کا نام لکھا ہوا پائیں، جنّت والے جانیں اور دوزخ والے پہچانیں، جنّت کے پتّہ پتّہ پر، حوروں کی آنکھوں میں، غلمانوں کے سینہ پر غرضکہ ہر جگہ لکھا ہوا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

خلدِ بریں میں ہر جگہ نام شہِ انام ہے ٭ خلد ہے ملک آپ کا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

دوزخی بھی اقرار کریں قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وہ بھی جانیں گے کہ مخالفت سیّد الابرار ہم کو یہاں لائی، غرضکہ جہاں اللہ کا چرچا ہے وہاں رسول اللہ کا ذکر، تمام عالم میں آپ کا نور اور ہر جگہ آپ کا ظہور علیہ الصلوٰۃ والسلام ٭ پھر قیامت تک محبوب کی ہر ہر ادا سب کو معلوم، زندگی پاک کی ایک ایک حالت کہ یہ ولادت پاک، دودھ پینا، پرورش پانا، قبل نبوت کے واقعات، بعد نبوت اندرونی اور بیرونی

زندگی پاک، چلنا پھرنا کھانا پینا سونا جاگنا تبسم فرمانا، گریہ زاری کرنا غرضکہ زندگی پاک کا ہر شعبہ ہر وقت ہر جگہ ظاہر، عرب میں ظاہر، عجم میں ظاہر، پنجاب میں ظاہر، کابل میں ظاہر کونسی جگہ ہے جہاں کتب حدیث نہ پہنچی ہوں ٭ ظاہر تو ایسے مگر لطف یہ ہے کہ جیسے وہ ہیں ایسا کسی نے نہ جانا بجز پروردگار وہ شان ظہور تھی اور یہ شان بطون۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں ؎

کس ندانست کہ منزل گہِ محبوب کجاست ٭ ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے مے آید

سُنا ہے رہتے ہیں دولہا فقط مدینہ میں ٭ غلط ہے رہتے ہیں وہ عاشقوں کے سینہ میں

مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند قصائد قاسمی میں لکھتے ہیں ؎

رہا جمال پہ تیرے حجابِ بشریت ٭ نہ جانا کون ہے کچھ بھی کسی نے بجز ستّار
سواء خدا کے بھلا کوئی تجھ کو کیا جانے ٭ تو شمس نور ہے شپّر نمط اولوا الابصار

غرضکہ دیدۂ انسان میں بشریت ظاہر ہوئی، مگر حقیقت محمدیہ بجز پروردگار کوئی بھی نہ جان سکا، جس طرح کہ سورج کو اُس کے نور نے چھپا لیا کہ کوئی بھی اُس کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح حضور انور علیہ السلام کی نورانیت پردہ بن گئی۔ رب نے اسی لئے اُن کو نور فرمایا قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ یعنی اے مسلمانو تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے نور اور کھلی ہوئی کتاب آئی۔ اسکی بحث آگے آئیگی

پانچویں صفت بیان ہوئی هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور وہ محبوب علیہ السلام ہر چیز کو جاننے والے ہیں یعنی خالق کی ذات وصفات اور علوم ظاہر و باطن اور مخلوق کے اولین و آخرین کے سارے علم حضور علیہ السلام میں جمع ہیں۔ اور مخلوق الٰہی میں فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (ہر علم والے کے اوپر ایک بڑا عالم ہے) حضور ہی ہیں، جس آنکھ نے خالق عالم کو معراج میں دیکھا ہو مخلوق کس طرح اُس سے چھپ سکتی ہے ؎

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا ٭ جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

دیدار الٰہی کی تحقیق خدا نے چاہا آئندہ آئے گی ٭

آیت ۴۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ پارہ ۱ سورۂ بقر رکوع ۳۔ یعنی اور اگر تم کو اے کافرو کچھ شک ہو اس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندۂ خاص پر اتاری، تو تم اس کی طرح ایک سورۃ تو

لے آؤ، اور اللہ کے سوا اپنے سب مددگاروں کو بلالو ۔ کفار مکہ کہتے تھے کہ قرآن کریم حضور علیہ السلام اپنی طرف سے بنا کر سُناتے ہیں، اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ انسانی مصنوعات کی پہچان یہ ہے کہ دوسرا انسان اس طرح کی چیز بنا سکے۔ اور جو کسی انسان سے نہ بن سکے، سمجھ لو کہ وہ خدائی مصنوع ہے جگنو اور چیونٹی اگرچہ کمزور چیزیں ہیں۔ مگر کوئی بھی نہیں کہتا کہ وہ انسان کی بنائی ہوئی ہیں۔ مگر ریل کا انجن اور بجلی اگرچہ بہت طاقتور ہیں مگر سب جانتے ہیں کہ انسان کی بنائی ہوئی ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ آج صدہا کارخانے انجنوں اور بجلی بنانے کے ہیں۔ مگر چیونٹی اور جگنو بنانے کا کوئی بھی کارخانہ نہیں۔ اس طرح یہاں فرمایا گیا کہ اگر قرآن کریم انسان کی بنائی ہوئی چیز ہے تو تم بھی ایسا قرآن بنا لاؤ ۔

بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن پاک کی تعریف ہو رہی ہے۔ مگر غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس میں قرآن کی بھی تعریف ہے اور صاحبِ قرآن کی بھی۔ کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سے کسی کے شاگرد نہیں بلکہ اُستاذ الکل ہو کر تشریف فرما ہوئے بلا واسطہ پروردگار عالم اُن کو سکھانے والا اور وہ سیکھنے والے ہے

لکھے نہ پڑھے جناب والا ۔ شاگردِ رشید حق تعالےٰ

قاعدہ ہے کہ بڑے استاذ کے شاگرد بھی بڑے ہی ہوتے ہیں، ایم اے کے ماسٹر کے پاس پڑھنا ہر ایک کا کام نہیں، جن کا سکھانے والا، پڑھانے والا پروردگار ہے تو سیکھنے والے محبوب کیسے علم و حکمت والے ہونگے؟ اسی لئے فرمایا گیا کہ سارے مددگاروں کو بلالو۔ دنیا بھر کے عالموں کو جمع کر کے مقابلہ کرو مگر نہ ہو سکیگا۔ کیونکہ سارے عالم مخلوق ہی سے پڑھ کر عالم بنے ہیں، مخلوق کے شاگرد ہیں، وہ اُس ذات کا کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں جو خالق کا شاگرد ہو اور مخلوق کا معلم عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ۔ مفسرین نے اس آیت کے ایک معنی یہ بھی کئے ہیں کہ مِثۡلِہٖ کی ضمیر حضور علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔ تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ ایک سورۃ ہی ایسی لے آؤ جو کہ محمد رسول اللہ جیسی ذات کے مبارک منہ سے نکلی ہو۔ یعنی اوّلاً تو کوئی ایسی شان والا محبوب دنیا میں ڈھونڈ دو، پھر اُس کے منہ سے ایسی آیت پڑھوا کر سنو (خازن، مدارک وغیرہ) ۔ اب کلام کا مقصد یہ ہے کہ نہ ان جیسی شان کا آسمان کے نیچے کوئی ملیگا نہ ایسا کلام سُنا سکیگا، جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام بے مثل اور بے نظیر ہیں ۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا اَیُّکُمۡ مِثۡلِیۡ تم میں مجھ جیسا کون ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا وَلٰکِنِّیۡ لَسۡتُ کَاَحَدٍ مِّنۡکُمۡ لیکن ہم تمہاری طرح نہیں، اور عقل

کا بھی تقاضا ہے کہ حضور علیہ السلام کی مثل کوئی نہیں ہو سکتا ۔

ہم سب مومن، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایمان، ہم لوگ صادق وہ سراپا صدق۔ لوگ عالم وہ سراپا علم۔ کیونکہ اُن کے احوال پاک جاننے کا یا اُن کو پہچاننے کا نام علم ہے، ہمارا پیشاب پاخانہ ناپاک حضور علیہ السلام کی یہ تمام چیزیں اُمت کیلئے پاک (شامی جلد اول) ہماری نیند وضو توڑ دے، اُن کی نیند وضو نہ توڑے۔ ہم سب سُن کر جنت و دوزخ، ذات و صفات پر ایمان لائے، ہمارا ایمان سُنا ہوا حضور علیہ السلام دیکھ کر، ہم سب پر پانچ نمازیں فرض، حضور پر چھ، تہجد بھی وَمِنَ الَّیۡلِ فَتَہَجَّدۡ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ، یعنی رات میں آپ تہجد پڑھیئے۔ یہ نماز آپ کے لئے زیادہ ہے۔ سب کیلئے اسلام کے ارکان پانچ اور حضور علیہ السلام کیلئے صرف چار یعنی زکوٰۃ فرض نہیں (شامی کتاب الزکوٰۃ) ہم کو چار بیویاں نکاح میں رکھنا جائز مگر حضور جس قدر چاہیں حلال۔ ہمارا مال میراث میں تقسیم ہو حضور کا نہ ہو، ہماری بیویاں ہماری موت کے بعد جس سے چاہیں نکاح کر لیں، حضور کی ازواج پاک بعد وفات کسی کے نکاح میں نہیں آسکتیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے وَلَاۤ اَنۡ تَنۡکِحُوۡۤا اَزۡوَاجَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖۤ اَبَدًا۔ غرضکہ بے شمار فرق ہیں، عبادات میں بھی اور معاملات میں بھی، پھر کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ہم حضور جیسے بشر ہیں، اس کی زیادہ تحقیق انشاء اللہ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ کی بحث میں آئیگی ۔

آیت ۳۔ یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ وَمَا یَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَہُمۡ وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ

پارہ پہلا سورۃ بقر رکوع ۲۔ یہ منافقین اللہ کو اور مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور نہیں فریب دیتے مگر اپنی جانوں کو اور یہ سمجھتے نہیں ۔ اس آیت میں بظاہر تو منافقین کی بُرائی اور اُن کا عیب بیان ہو رہا ہے۔ مگر ایمانی نگاہ سے دیکھا جاوے تو ساتھ ہی ساتھ حضور علیہ السلام کی وہ عظمت ثابت ہو رہی ہے کہ سبحان اللہ ۔ تفسیر خازن میں اس آیت پر فرمایا کہ منافقین خدا کو دھوکا کس طرح دے سکتے ہیں، جواب دیا کہ ذَکَرَ نَفۡسَہٗ وَاَرَادَ بِہٖ رَسُوۡلَہٗ وَفِیۡ ذٰلِکَ تَفۡخِیۡمٌ لِّاَمۡرِہٖ وَتَعۡظِیۡمٌ لِّشَاۡنِہٖ یعنی پروردگار عالم نے اس میں اپنا ذکر فرمایا۔ مگر اس سے مراد محبوب کی ذات پاک لی، یعنی فرمایا کہ منافقین اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں مگر مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ محبوب علیہ السلام کو خدائے قدوس سے، وہ قرب حاصل ہے کہ اُن کو دھوکا دینے کی کوشش کرنا گویا پروردگار کو دھوکا دینا ہے ۔

مدارک نے فرمایا کہ یہ آیت ایسی ہی ہے جیسی کہ بیعت کے بارے میں فرمایا گیا۔ کہ اے محبوب جو

آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے، یا فرمایا گیا کہ اے محبوب آپ نے جو کنکر پھینکے وہ آپ نے نہ پھینکے بلکہ آپ کے رب نے پھینکے، سبحان اللہ محبوب کے فعل کو اپنا فعل فرمایا گیا ؎ گفتہ او گفتۂ اللہ بود ✦ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

آیت ۴۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ پارہ الم سورۃ بقر رکوع ۴ ✦

اور حضرت آدم کو تمام نام سکھا دیئے، پھر اُن چیزوں کو فرشتوں پر پیش فرمایا ✦ اس آیت کریمہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی عزت وعظمت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے، اور ان کی فراوانی علم کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ کہ پروردگار عالم نے اُن کو اگلی پچھلی، چھوٹی بڑی ساری چیزیں دکھائیں اور سب کے تمام نام بتا دیئے، اور ہر چیز کا نفع نقصان اور سارے حالات اُن کو تعلیم فرما دیئے۔ دیکھو تفسیر مدارک ✦ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامت تک جس چیز کے جس قدر نام مختلف زبانوں میں ہونگے وہ سارے ہی حضرت آدم علیہ السلام کو بتا دیئے گئے مثلاً پانی کو عربی میں ماء کہتے ہیں اور فارسی میں آب، اُردو میں پانی، انگریزی میں واٹر، ہندی میں جل تلنگی میں پانٹرین اور نہ معلوم کس کس زبان میں کیا کیا کہتے ہونگے۔ یہ تمام نام اُن کو سکھا دیئے گئے۔ دیکھو تفسیر کبیر ✦ غرضکہ ہر چیز کو اُن پر ظاہر فرما دیا۔ اور اس تفضیلت علمی کی بنا پہ اُن کو اپنی خلافت کا تاج پہنایا اور فرشتوں کا مسجود بنایا۔ لیکن ساتھ ہی اس آیت کریمہ میں نعت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم بخوبی ظاہر ہو رہی ہے۔ وہ اس طرح کہ یہ مسئلہ مسلّم ہے کہ حضور علیہ السلام علوم انبیاء کے جامع ہیں بلکہ جس پیغمبر علیہم السلام کو پروردگار نے جو کچھ نعمت عطا فرمائی، حضور ہی کے دستِ اقدس سے ملی۔ سرکار علیہ السلام فرماتے ہیں اَللّٰهُ الْمُعْطِىْ وَاَنَا قَاسِمٌ اللہ دینے والا ہے اور ہم اُس کو تقسیم فرمانے والے۔ رب فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ یعنی یہ انبیاء وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تو آپ بھی اُن ہی کی راہ پر چلو۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام تمام انبیاء کے ساری صفات کے جامع ہیں۔ اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ آپ دین میں اگلے پیغمبروں کی اطاعت کیجئے کہ عقائد میں اُمتی کو بھی تقلید ناجائز ہے۔ خود تحقیق کرنا ضروری ہے۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں توحید ورسالت حشر و نشر پر عقلی دلائل قائم فرمائے۔ تو سید الانبیاء عقائد میں دوسروں کی تقلید کیونکر کر سکتے ہیں۔ رہے دینی اعمال حضور علیہ السلام کا دین اُن کا ناسخ ہے۔ اسلام ناسخ ادیان ہے اُن میں پیروی کیسی۔ لہٰذا هُدٰىهُمْ سے انبیاء کرام کے ذاتی کمالات مراد ہیں۔ حضور کو شکر نوح بخشت ابراہیم، اخلاص موسیٰ، صدق اسمٰعیل صبر

یعقوب وایوب، توبہ داؤد، تواضع سلیمان وعیسےٰ علیہ السلام دیئے گئے۔ لہٰذا اِقْتَدِهْ کے معنی یہ ہیں۔ کہ آپ جامع کمالات انبیاء ہو جائیے (روح شرح سورہ نوح) ؎

حسن یوسف دم عیسےٰ ید بیضا داری ✦ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام بوصیری شرح قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں ؎

فَاِنَّكَ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا ✦ يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِى الظُّلَمِ

یعنی اے محبوب آپ عظمت کے سورج ہیں اور سارے پیغمبر آپ کے تارے کہ سب نے آپ ہی سے لیکر اندھیرے میں آپ ہی کا نور لوگوں پر ظاہر کیا ؎

یہ انبیاء مرسلین تارے ہیں تم مہر مبیں ✦ سب جگمگائے رات بھر چمکے جو تم کوئی نہیں

مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند تحذیر الناس میں لکھتے ہیں کہ علوم اولین وآخرین حضور علیہ السلام کے علم میں مجتمع ہیں۔ جیسے کہ علم سمع علم بصر علیحدہ علیحدہ ہیں۔ مگر نفس ناطقہ میں سب جمع، اسی طرح یہاں۔ اسی طرح حضور علیہ السلام عالم حقیقی ہیں اور باقی انبیاء عالم بالعرض ✦ فتوحات مکیہ میں شیخ ابن عربی دسویں باب میں فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے پہلے خلیفہ اور نائب ہیں ان قرآنی آیات اور حدیث پاک اور اقوال علماء سے بخوبی واضح ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا علم باوجود اس قدر وسعت کے ہمارے آقا ومولیٰ کے علم کے سمندر کا ایک قطرہ ہے یا دفتر کی ایک سطر ✦ اب حضور علیہ السلام کا علم کس قدر وسیع ہے، یہ یا تو حضور ہی جانیں یا اُن کا دینے والا پروردگار ✦ اسکی تحقیق آئندہ بھی آئیگی پھر حضرت آدم علیہ السلام کو مسجودِ ملائکہ بنایا، خلافتِ الٰہیہ کا تاج عنایت کیا، یہ سب اُس نورِ محمدی کی برکت سے ہوا جو کہ حضرت آدم کی پیشانی میں جلوہ گر تھا۔ اُسی نور کو حقیقۃً سجدہ کرایا گیا، اُسی کے طفیل یہ علوم مرحمت ہوئے۔ دیکھو مدارج النبوۃ جلد ۲ شروع ✦

آیت ۴۔ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ پارہ ۱ سورۃ بقر رکوع ۴۔ پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے، تو اللہ نے اُن کی توبہ قبول کی وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ✦ اس آیت کریمہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی خطا کے بعد تین سو برس تک سر آسمان کی طرف نہ اٹھایا۔ اس قدر روئے کہ اگر تمام دنیا کے آنسو جمع کئے جائیں تو ان کے آنسوؤں کے برابر نہیں ہو سکتے (خازن، مدارک،

روح البیان) + پانچ حضرات دنیا میں زیادہ روئے. حضرت امام زین العابدین واقعہ کربلا کے بعد فاطمہ زہرا خاتونِ جنت حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد، حضرت یحییٰ علیہ السلام خوفِ الٰہی میں، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام اپنی خطا پر + پھر حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں کچھ دعائیہ کلمے خدائے پاک کی طرف سے القاء ہوئے. جب ان کلمات سے دعا مانگی تب رحمتِ الٰہی نے دستگیری فرمائی وہ دعائیہ کلمہ کیا تھے؟ اس میں بہت سے قول ہیں + شیخ عبد الحق نے مدارج جلد دوم کے شروع میں، روح البیان نے اس آیت کے ماتحت طبرانی، حاکم، ابونعیم، بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک دن روتے روتے حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں آیا کہ میں جب پیدا ہوا تھا. تب میں نے ساق عرش پر لکھا دیکھا تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ. معلوم ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ ایسے مقرب بارگاہِ الٰہی ہیں کہ اُن کا نام رب نے اپنے نام سے ملا کر عرش پر لکھا ہے. تب عرض کیا کہ خداوندا میں اُس ذاتِ گرامی کے طفیل اپنے خطا کی معافی چاہتا ہوں مجھے معاف فرما. اُس وقت رحمت الٰہی کا دریا جوش میں آیا اور خطا سے معافی ہوئی. سبحان اللہ کیا رحمت والا نام ہے کہ اپنے والد ماجد کو پہلے تو سجدہ ملائکہ سے کرایا پھر اس مصیبت سے بچایا۔

اگر نامِ محمد ﷺ را نیاوردے شفیع آدم ❊ نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نَجَّیْنَا (جامی)

اب اولادِ آدم کو بھی یہ ہی حکم دیا گیا کہ اگر تم لوگ گناہ کرو، کفر کرو، ظلم کرو تو بارگاہِ مصطفےٰ علیہ السلام میں حاضر ہو کر اُن سے شفاعت کی درخواست کرو اور وہاں جا کر رب سے توبہ کرو، اور محبوب بھی تمہارے لئے شفاعت فرما دیں تو تمہاری توبہ قبول ہوگی. فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ط اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مدینہ پاک ہی جاؤ بلکہ اُس ذاتِ کریم کی طرف متوجہ ہو جاؤ کیونکہ وہ تو ہر جگہ حاضر ہیں غائب تو ہم ہیں. اس کی تحقیق آوے گی۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار ❊ جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ماوشما تو کیا تمام انبیاء بھی حضور علیہ السلام کے حاجتمند ہیں رب ہے رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ اور حضور ہیں رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ جس کا پروردگار رب ہے اُس کے لئے حضور رحمت ہیں صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

آیت ۵. يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ پارہ ۱ سورۂ بقر رکوع ۱۳. اے ایمان والو راعنا نہ کہو یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی بغور سن لو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے ۔ بظاہر اس آیت میں مسلمانوں کو ایک چیز سے روکا جا رہا ہے اور ایک چیز کا حکم دیا جا رہا ہے. مگر درحقیقت یہ عظمت مصطفےٰ علیہ السلام کی چمکتی ہوئی ایک روشن دلیل ہے. اِس آیت کا شانِ نزول یہ ہے. کہ صحابہ کرام کا دستور یہ تھا کہ جب حضور علیہ السلام کچھ کلام فرماتے، اور صحابہ کرام کی سمجھ میں کوئی کلمہ نہ آتا. تو عرض کرتے رَاعِنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہ یا حبیب اللہ اس کلام میں ہماری رعایت فرمایئے. یعنی ہماری خاطر دوبارہ فرما دیجئے + یہ کلمہ راعنا یہود کی زبان میں ایک گالی تھی. یہود بھی خدمت اقدس میں یہ ہی کلمہ بُری نیت سے کہتے تھے. اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی. اور مسلمانوں کو یہ کلمہ بولنے سے روک دیا گیا اور فرمایا گیا کہ اے مسلمانو اس کلمہ کی بجائے تم اُنْظُرْنَا کہا کرو یعنی اگرچہ تم یہ کلمہ نیک نیتی سے کہتے ہو، اور اچھے معنی مراد لیتے ہو، مگر یہود کو تو اس کی وجہ سے گستاخی کا موقعہ مل جاتا ہے + سبحان اللہ کیا عظمت محبوب ثابت ہوئی. کہ پروردگار عالم کو اپنے محبوب کی شان اس قدر بڑھانا منظور ہے کہ کسی کو ایسی بات کہنے کی اجازت نہیں دیتا کہ جس کلمہ سے دوسرے کو بدگوئی کرنے کا موقعہ ملے + اس مسئلہ سے یہ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی شان میں کوئی ہلکی بات مُنہ سے نکالنا اگرچہ بُری نیت سے نہ ہو کفر ہے + فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے حضور علیہ السلام کے نعلین پاک کی بھی ادنےٰ گستاخی کی کافر ہو گیا + شرح فقہ اکبر میں امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا ایک واقعہ نقل فرمایا کہ ہارون رشید کے دسترخوان پہ کدو پک کر آیا. کسی نے کہا کدو حضور علیہ السلام کو مرغوب تھا. دوسرے نے کہا لیکن مجھے پسند نہیں، اس پر امام ابو یوسف نے قتل کے ارادے سے تلوار نکال لی. اور حکم فرمایا کہ تو مرتد ہو گیا کیونکہ تو نے اپنی بے رغبتی کا حضور علیہ السلام کے مقابلہ میں ذکر کیا. اس نے توبہ کی تب چھوڑا + حضرت یوسف علیہ السلام کے دامن پر غلامی کا دھبہ لوگوں نے لگایا تھا کہ مصر والوں نے سمجھا تھا کہ یہ بادشاہ مصر کے غلام ہیں، پروردگار عالم نے ایک ایسی قحط سالی بھیجی کہ تمام ملکوں کے لوگ اپنی جائدادیں، جانور، ساری کائنات فروخت کرنے کے بعد آخر آپ کے ہاتھ پر خود فروخت ہو گئے اور آپ نے سب کو آزاد کر دیا. اب تمام دنیا تو آپ کی آزاد کردہ غلام ہو گئی اور آپ سب کے آقا ہو گئے. اب کون تھا جو اُن کو غلام کہتا. اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس زمانہ میں

حضور علیہ السلام کی شان میں کلمات گستاخانہ کہے یا چھاپے بے دین ہیں ۔

آیت ۶: اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ لَا تُسْــٴَـلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ پارہ ۱ سورۃ بقر رکوع ۱۴۔ بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری اور ڈر سنانے والا اور آپ سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہوگا ۔ اس آیت کریمہ میں حضور علیہ السلام کے بہت سے فضائل اور مراتب کا ذکر ہے۔ اولاً تو اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو کفار اور منکرین کی حالت دیکھ کر رنج و ملال ہوتا تھا تقاضاء رحمت یہ تھا اور محبوب کی آرزو تھی کہ تمام لوگ ایمان لے آویں اور جنتی بن جاویں اور پروردگارِ عالم کا منشاء یہ تھا کہ محبوب جو تمہارا بدگو اور دشمن ہو وہ میرے جنت کی بو بھی نہ پا دے کفار کے کفر اور ضد کو دیکھ کر قلب پاک کو صدمہ پہنچتا تھا تسکینِ خاطر کے لئے یہ آیت پاک نازل فرمائی گئی۔ کہ اے محبوب آپ کا فرض تھا تبلیغ فرمانا وہ آپ نے بخوبی انجام دے دیا۔ اب آپ سے قیامت میں یہ سوال نہ ہوگا کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہ لائے۔ آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ایک تو یہ ہی بڑی عظمت ہے۔ کہ رب العٰلمین اپنے حبیب کا دل میلا ہونا غمگین ہونا پسند نہیں فرماتا۔ اب آیت کو دیکھئے۔ پہلا جملہ یہ ہے اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ ہم نے آپ کو بھیجا جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری خدائے قدوس کا تحفہ ہے۔ بندوں کے لئے۔ اور سمجھ لو بادشاہی تحفہ تحفوں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ تو تمام نعمت الٰہیہ میں یہ نعمت سب سے افضل ہے، دوسرے بھیجی جاتی ہے وہ چیز جو پہلے سے اپنے پاس ہو۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام دنیا میں تشریف آوری سے قبل اپنے رب کے حضور بارگاہِ خاص میں حاضر رہے کس قدر حاضر رہے؟ اس کے متعلق ایک روایت تفسیر روح البیان میں زیر آیت لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے حضرت جبرائیل سے دریافت فرمایا کہ تمہاری عمر کس قدر ہے؟ عرض کیا کہ یہ تو میں نہیں بتا سکتا۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ ایک تارا ستر ہزار سال کے بعد چمکتا تھا وہ تارا میں نے ۷۲ ہزار بار دیکھا ہے۔ ارشاد فرمایا وہ تارا ہم ہی تھے جو ذاتِ بارگاہِ خاص میں اس قدر حاضر ہو اس کے مراتب کا کیا پوچھنا۔ تل بھی پھول کے پاس صرف ایک رات رہ کر بس جاتے ہیں اور پھول کی سی خوشبو حاصل کر لیتے ہیں۔ تو حضور نبی کریم علیہ السلام کیوں نہ صفات الٰہیہ سے موصوف ہو جاویں ۔ شیخ عبدالحق علیہ الرحمتہ نے مدارج کے خطبہ میں فرمایا کہ حضور علیہ السلام خدا کے صفات سے موصوف ہیں ۔

مشکوٰۃ باب فضل الذکر میں فرمایا۔ اولیاء اللہ خدا کی قوت سے تصرف کرتے ہیں۔ آگے فرمایا۔ آپ عذاب کی خبر لاسکے۔ پھر فرمایا کہ اے محبوب دوسروں کی طرح آپ سے یہ سوال نہ ہوگا کہ فلاں ایمان کیوں نہ لایا اور فلاں نے نیک کام کیوں نہ کئے ۔ حدیث پاک میں ہے کہ ہر ایک آدمی سے سوال ہوگا کہ تمہاری اولاد تمہاری بیوی۔ تمہارے ماتحت لوگ نوکر چاکر کیوں ہدایت پر نہ آئے۔ مگر آقائے دو جہان سے اس قسم کا کوئی سوال نہ ہوگا۔ نیز دیگر انبیاء کی امتیں قیامت میں عرض کریں گی کہ ہم تک کوئی پیغمبر پہنچا ہی نہیں، پیغمبر عرض کریں گے کہ ہم نے تیرے احکام ان تک پہنچا دیئے ۔ اب حضرات پیغمبر مدعی اور ان کی امت مدعا علیہ اور امت رسول صلے اللہ علیہ وسلم انبیاء کی گواہ، مگر کسی بے دین کسی کافر کی بروزِ قیامت یہ جرأت نہ ہوگی کہ حضور علیہ السلام کے خلاف یہ کہہ سکے اور نہ آپ سے ایسے سوالات ہوں ۔

آیت ۷: رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۠ پارہ ۱ سورۃ بقر رکوع ۱۰۔ اے ہمارے رب اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرماوے اور ان کو تیری کتاب سکھائے اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرماوے بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے ۔ اس جگہ تعمیر خانہ کعبہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام جب خانہ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے، تب انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائی کہ الٰہ العٰلمین یہ گھر تو ہم نے بنا دیا۔ اب تو اس گھر کو آباد کرنے والا اور اپنے بندوں کو پاک کرنے والا ایک نبی اس شہر مکہ میں پیدا فرما ۔ یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے شہر مکہ معظمہ میں حضرت عبداللہ کے گھر سے اور حضرت آمنہ خاتون کے مبارک پیٹ سے وہ آفتاب رسالت چمکا کہ جس کی روشنی قیامت تک ہر جگہ رہے گی ۔ مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں دعائے ابراہیم اور بشارت حضرت موسیٰ اور اپنی والدہ ماجدہ کی خواب ہوں ۔

اس آیت شریفہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ پہلے پیغمبروں نے حضور علیہ السلام کی دعائیں مانگیں اور تمنائیں فرمائیں ؎

گئی کائیں جن کے انبیاء مانگیں رُسل جن کی دعا ۔ وہ دو جہاں کے مدعا صلِّ علیٰ یہ ہی تو ہیں

دوسرے یہ کہ خانہ کعبہ حضرت خلیل نے تعمیر فرمایا، مگر صحیح معنے میں اس کی عظمت و تعظیم حضور کے

دم قدم سے ہوئی۔ اور اس گھر کی آبادی حضور علیہ السلام کی بدولت ہوئی، سب جانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے مشرکین مکہ نے خاص خانہ کعبہ میں بت رکھ کر ان کی پوجا وہاں جاری کی تھی۔ اللہ کے گھر میں غیر کی عبادت ہوتی۔ بیت اللہ بھی رسول اللہ علیہ السلام کی آمد کا انتظار کر رہا تھا آپ کے آتے ہی قیامت تک کے لئے وہ گھر بتوں کی گندگی سے پاک ہوگیا +

بات بھی یہ ہے کہ کعبہ تو ہے بیت اللہ اور حضور علیہ السلام ہیں نور اللہ، بیت میں نور ہی کا تو اجالا ہوتا ہے۔ خانہ کعبہ تو کیا خلد بریں کو بھی حضور ہی کے دم قدم سے آبادی ملی ہے

تعجب کی جا ہے کہ فردوس اعلیٰ ◆ بنائے خدا اور بسائے محمد صلے اللہ علیہ وسلم

اس آیت میں ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی۔ کہ حضور علیہ السلام اللہ کے بندوں کو پاک فرماتے ہیں۔ کفر سے، شرک سے، گناہوں سے، ہر اخلاقی گندگی سے۔ اگر پاکی چاہتے ہو تو اس دریائے رحمت میں غوطہ لگاؤ۔ پاک ہو جاؤ گے۔ پانی صرف ظاہر کو پاک کرتا ہے مگر رحمۃ اللعالمین کی نظر قلب و جگر، ظاہر و باطن سب کو پاک فرماتی ہے +

آیت ۸۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۔ پارہ ۲ سورۃ بقر رکوع ۱۷ + اور اسی طرح ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ ہوں + اس آیت کریمہ میں بظاہر امت مصطفےٰ علیہ السلام کی تعریف فرمائی جارہی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ امت کو جو کچھ بھی عزت ملی وہ اس آقا کی غلامی سے ملی۔ اس آیت کے چند مطلب ہیں:۔ ایک تو یہ کہ قیامت کے دن دوسرے انبیاء کرام کی امتیں بارگاہِ الٰہی میں عرض کرینگی، کہ خدایا تیرا کوئی پیغمبر ہم تک نہیں پہنچا اور نہ کسی نے تیرے احکام ہم تک پہنچائے وہ انبیاء کرام عرض کرینگے کہ خداوندا یہ جھوٹے ہیں ہم نے تیرے سارے احکام ان کو سنائے، بتائے۔ مگر یہ ایمان نہ لائے۔ انبیاء کرام کو حکم الٰہی ہوگا کہ آپ اپنے دعوے پر کوئی گواہ لاویں، وہ حضرات امت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی گواہی میں پیش کرینگے، یہ امت گواہی دیگی۔ کہ خدایا تیرے پیغمبر سچے ہیں اور یہ کفار جھوٹے، واقعی ان حضرات انبیاء نے تبلیغ فرمائی تھی۔ اس پر کفار اعتراض کرینگے، کہ تم تو ہمارے زمانہ میں موجود نہ تھے، سینکڑوں برس کے بعد پیدا ہوئے، بغیر دیکھے بھالے گواہی کس طرح دے رہے ہو۔ مسلمان عرض کرینگے کہ ہم نے دیکھنے والے سے سنا ہے یعنی اپنے پیغمبر سے علیہ السلام + مسلمانوں کی

[illegible] فیصلہ فرمانے کے لئے حضور علیہ السلام تشریف لائیں گے اور عرض کرینگے کہ خداوندا واقعی ہم نے ان سے فرمایا تھا کہ گذشتہ پیغمبروں نے اپنی اپنی قوم کو تبلیغ فرمائی تھی۔ اس گواہی پر انبیاء کرام کے حق میں ڈگری ہوگی اس واقعہ کا اس آیت پاک میں ذکر ہوا ہے۔ اس سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ ایک تو یہ کہ یہ امت (یعنی مسلمان) سارے پیغمبروں کی گواہ ہے۔ اور مدعی گواہ سے بہت محبت کرتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ تمام نبیوں کی محبوب ہے یہ امت۔ دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اگلے اور پچھلوں کے حالات کو خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ ورنہ سنی ہوئی شہادت تو مسلمان دے چکے تھے۔ اب ضرورت تھی کہ دیکھا حال اپنی دیکھی ہوئی گواہی دے۔ اسی لئے حضور علیہ السلام کو معراج ہوئی تاکہ جنت، دوزخ، خدا کی ذات و صفات کی سب تو گواہی دیں سنی ہوئی حضور علیہ السلام کی گواہی ہو دیکھی ہوئی۔ تیسرے یہ کہ حضور علیہ السلام اپنی ساری امت کے حالات ہر آدمی کے ہر کام سے ہر وقت واقف ہیں، کیونکہ بارگاہِ الٰہی میں حضور علیہ السلام کی دو گواہیاں ہونگی۔ ایک تو یہ کہ مسلمان ٹھیک کہہ رہے ہیں، دوسرے یہ کہ یہ لوگ گواہی کے قابل ہیں، فاسق فاجر بدکار وغیرہ نہیں ہیں (بدکار کی گواہی شرعاً قبول نہیں ہوتی) ورنہ عَلَيْكُمْ کا فائدہ علی نہیں بنتا۔ عَلیٰ اس لئے فرمایا گیا کہ یہاں شَهِيْد میں رقیب کے معنے شامل ہیں۔ لہٰذا حضور علیہ السلام نے جس کے ایمان کی گواہی دے دی وہ واقعی جنتی ہے۔ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کا ایمان قطعی ہے کہ اس کی گواہی اللہ کے گواہ نے دے دی۔ اس کا منکر رب کا منکر ہے۔ اس آیت کے دوسرے مطلب بھی ہوسکتے ہیں کہ اے مسلمانو دنیا میں تم سب کے گواہ بن سکتے ہو۔ اسی لئے اسلامی عدالت میں مسلمان کی گواہی کافر کے مقدمہ میں مانی جاویگی۔ مگر کافر کی گواہی مسلمانوں کے مقدمہ میں قبول نہیں ہوگی۔ یہ بھی اس امت کی شرافت اور عزت ہے + تیسرے معنے اس آیت کے یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اگر مسلمان کسی شخص زندہ یا مردہ کو اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے، اور اگر مسلمان کسی کو برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے مشکوٰۃ باب المشی بالجنازہ میں ہے کہ ایک میت حضور علیہ السلام کے سامنے سے گذری۔ مسلمانوں نے اس کی تعریف کی، سرکار نے فرمایا کہ اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ دوسری میت گذری مسلمانوں نے اس کی برائی کی۔ فرمایا کہ اس کے لئے جہنم واجب ہوگئی۔ پھر فرمایا کہ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ لہٰذا جس مسلمان کو عام مسلمان ولی اللہ جانیں وہ واقعی اللہ کا ولی ہے + اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز شریعت میں منع نہ ہو اور مسلمان اس کو ثواب کا کام جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی کار ثواب ہے۔ جیسے

کہ محفل میلاد پاک اور دیگر کار خیر نیاز فاتحہ وغیرہ + حدیث پاک میں ہے مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ یعنی جس کار خیر کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ مسلمان ہر چیز میں اور دونوں جہان میں اللہ کے گواہ ہیں +

آیت ۹۔ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط پارہ ۲ سورہ بقر رکوع ۱۷ + ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تم کو پھیر دیں گے اُس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف

اس آیت کریمہ میں بظاہر نماز کا قبلہ بدلنے کا حکم ہو رہا ہے۔ مگر نظر ایمانی سے دیکھا جاوے تو حضور علیہ السلام کی اس قدر شان کا اظہار ہو رہا ہے کہ سبحان اللہ۔ آیت فرما رہی ہے کہ حضور علیہ السلام کعبہ کے بھی کعبہ ہیں، سب کا کعبہ اور ہے کعبہ کا کعبہ اور ہے +

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں معراج کی رات نماز فرض ہوئی۔ اور کعبہ شریف قبلہ نماز مقرر ہوا۔ ہجرت کے بعد بجائے کعبہ شریف کے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ یہ ہی یہود و نصاریٰ کا قبلہ تھا۔ اس پر یہودی طعنہ دیتے تھے کہ حضور علیہ السلام تمام احکام میں تو ہماری مخالفت کرتے ہیں مگر ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ اس اعتراض کی وجہ سے، نیز اس لئے کہ کعبہ معظمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے اور حضور علیہ السلام ابراہیمی ہیں +

حضور علیہ السلام کی خواہش یہ تھی کہ ہمارا قبلہ پھر کعبہ معظمہ ہی بن جاوے، سترہ مہینے ہو چکے تھے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے پڑھتے۔ ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ جبریل ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم کعبہ شریف ہی کی طرف نماز پڑھا کریں، حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ میں بندۂ الٰہی ہوں بغیر حکم کچھ بھی عرض نہیں کر سکتا، ہاں حضور حبیب اللہ ہیں آپ کی دعا کبھی بھی رد نہیں ہوتی حضور دعا فرمائیں یہ عرض کر کے حضرت جبریل علیہ السلام چلے گئے + حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے وحی کے انتظار میں سر مبارک آسمان کی طرف اٹھا اٹھا کر دیکھنا شروع کیا کہ شاید اب وحی آتی ہو قبلہ بدلنے کے لئے۔ پروردگار عالم نے یہ محبوبانہ ادا نہایت ہی پسند فرمائی اور اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ اے محبوب آپ کی اس پیاری ادا کو ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ بار بار اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھا رہے ہیں۔ اچھا ہم اس کو آپ کا قبلہ بنائے دیتے ہیں جسے کہ محبوب تم چاہو (روح البیان یہ ہی آیت) انکی چتون کیا پھری سارا زمانہ پھر گیا

اس سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ ایک تو یہ کہ تمام لوگ قانون کے پابند ہیں، اور قانون اطاعت محبوب کا منتظر ہے۔ دوسرے یہ کہ کعبہ کو جو یہ عزت ملی کہ تمام اولیاء غوث و قطب اس کی طرف سجدہ کرتے ہیں یہ محبوب کے صدقہ سے ملی، ان کی رضی نے کعبہ کو قیامت تک کے لئے قبلہ بنا دیا + تیسرے یہ کہ کبھی سجدہ کرنے والا مسجود الیہ سے افضل ہوتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ فرمایا، حالانکہ یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام سے افضل ہیں۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے کعبہ کی طرف سجدہ فرمایا۔ مگر حضور علیہ السلام کعبہ سے افضل ہیں +

مسئلہ: اگر کوئی شخص نماز فرض یا نفل پڑھ رہا ہو، اُس کو حضور علیہ السلام آواز دیں تو واجب ہے کہ نماز چھوڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہو (مشکوٰۃ باب فضائل القرآن) اس کی بحث اس آیت کے ماتحت ہوگی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ۔ بلکہ بعض کے نزدیک یہ حکم ہے کہ اگر نمازی نماز چھوڑ کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں جاوے تمام کام کر آوے، کلام بھی حضور سے کرے، کعبہ پاک سے سینہ بھی پھر جاوے مگر نماز نہ جاوے گی۔ نماز ہی میں رہیگا۔ دیکھو قسطلانی شرح بخاری کتاب التفسیر سورۂ انفال تحت آیت مذکورہ + کیونکہ اگرچہ سینہ نمازی کا قبلہ سے پھر گیا۔ مگر کدھر پھرا؟ اُدھر جو کہ قبلہ کے بھی قبلہ ہیں۔ اگرچہ نمازی نے کلام کر لیا، مگر کس سے کیا، اُن سے کیا جن کو سلام کرنا نماز میں واجب ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ خانہ کعبہ نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کی شب مقام ابراہیم کی طرف سجدہ کیا دیکھو مدارج النبوۃ وصل ولادت جلد دوم۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کعبہ کے بھی کعبہ ہیں +

آیت ۱۰۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ پارہ ۳ سورہ بقر رکوع ۳۳۔ یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں کسی سے اللہ نے کلام کیا اور کوئی وہ ہیں جسے سب پر درجوں بلند کیا +

اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا ہے کہ دنیا میں خلق کی ہدایت کے لئے انبیاء کرام کو جو بھیجا گیا۔ یہ سب کے سب ایک ہی درجہ اور ایک ہی مرتبہ کے نہیں گذرے بلکہ بعض کو بعض پر فضیلت ہے کوئی کلیم اللہ ہیں اور کوئی خلیل اللہ، کوئی ذبیح اللہ ہیں تو کوئی روح اللہ، اور بعض پیغمبر ایسے تشریف لائے جن کو بہت سے درجات پروردگار کی طرف سے عطا ہوئے +

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہمارے حضور سرورِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں، تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام کو وہ وہ درجے عطا ہوئے کہ جو کسی کے وہم و خیال میں نہیں آسکتے یا تو علا فرمانے والا رب جانے یا لینے والا محبوب جانے صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہاں اتنا ضرور ثابت ہوا ہے کہ سارے کمالات جو اور پیغمبروں کو ایک ایک یا دو دو ملے حضور علیہ السلام کو وہ سب ہی ملے اور زیادہ بھی ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری ۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضور علیہ السلام کے مراتب کا ذکر کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے کچھ بطور اجمال و اختصار عرض کرتا ہوں۔ دیگر انبیاء کرام کسی خاص قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے، مگر حضور علیہ السلام کی نبوت سب کے لئے عام ہے، جس کا پروردگار رب ہے اس کے لئے حضور علیہ السلام رحمت ہیں۔ اس کی صفت ہے ربّ العٰلمین، حضور علیہ السلام کی صفت ہے رحمۃٌ للعالمین۔ حضور علیہ السلام نبیوں کے بھی نبی ہیں۔ تمام پیغمبر حضور علیہ السلام کے اُمتی ہیں اور مقتدی۔ اس کی تفصیل وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ کی آیت میں آویگی۔ حضور علیہ السلام خاتم النبیین ہیں کہ آپ کے بعد کوئی بھی نبی نہیں آسکتا۔ حضور علیہ السلام صاحبِ معراج ہیں۔ کسی پیغمبر کو معراج نہیں ہوئی ؎

طور اور معراج کے قصہ سے ہوتا ہے عیاں ۔ اپنا جانا اور ہے اُن کا بلانا اور ہے

تمام انبیاء ہر کام میں مرضیٔ الٰہی کے خواہاں ہیں۔ لیکن پروردگار عالم حضور علیہ السلام کی رضا چاہتا ہے جیسا کہ پہلی آیت سے معلوم ہو گیا۔ فرماتا ہے وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی اور پیغمبروں کو چند معجزات دیئے جاتے تھے مگر حضور علیہ السلام کو بے شمار معجزات دیئے گئے، بلکہ خود حضور علیہ السلام از سر تا پا معجزہ ہیں، حضور علیہ السلام کی کتاب یعنی قرآن تمام کتابوں کی نسخ کرنے والی ہے، مگر اس کو کوئی بھی منسوخ نہیں کرسکتا۔ قیامت میں شفاعتِ کبریٰ کا سہرا حضور علیہ السلام ہی کے سر پر باندھا جاویگا آپ کی اُمت تمام اُمتوں سے افضل ہے وغیرہ وغیرہ۔

آیت ۱۱ - مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْہِمْ وَمَا خَلْفَہُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۔ پارہ ۳ سورۂ بقر رکوع ۳۴۔ وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بے اس کے حکم کے، جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور نہیں وہ پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے۔

یہ کلمات پاک آیۃ الکرسی کے تین جملے ہیں۔ آیۃ الکرسی میں اول سے آخر تک گیارہ صفات الٰہیہ بیان ہوئے۔ تفسیر روح البیان میں آیۃ الکرسی کی تفسیر میں ہے کہ مَنْ ذَا الَّذِیْ سے بِمَا شَآءَ تک تین اوصاف حضور علیہ السلام کے ہیں۔ اس سے پہلے پانچ صفات الٰہیہ ہیں، اور ان کے بعد تین صفات الٰہیہ بیان ہوئے ہیں اور درمیان میں تین صفات مصطفےٰ بیان ہوئے۔ جیسے کہ کلمۂ طیبہ میں آگے پیچھے اللہ کا نام ہے اور بیچ میں رسول علیہ السلام کا۔ پہلے جملہ میں حضور علیہ السلام کی شفاعتِ کبریٰ کا ذکر ہوا۔ کہ قیامت میں جبکہ بادشاہ تو کیا انبیاء کرام بھی نفسی نفسی فرماوینگے، اس وقت اگر کوئی ذاتِ کریم بارگاہِ الٰہی میں اذن پاکر شفاعت فرمانے والی ہے تو وہ صرف حضور علیہ السلام ہی کی ذات ہے۔ پھر جب دروازہ شفاعت حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاک پر کھل گیا، تو علماء و مشائخ، چھوٹے بچے، کعبہ معظمہ، قرآن کریم، ماہِ رمضان سب ہی شفاعت کریں گے ؎

لفظ اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر ہیں ۔ کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

مگر دروازہ اسی ہاتھ سے کھلے گا۔ خیال رہے کہ شفاعت کی چار صورتیں ہیں۔ بڑے کی چھوٹے سے جیسے کلکٹر تحصیلدار سے کسی کی سفارش کرے، یا برابر والے کی برابر والے سے، جیسے کلکٹر سشن جج سے کسی کی سفارش کردے، چھوٹے کی بڑے سے مگر دھونس کے ساتھ اس خیال سے کہ اگر حاکم یا سلطان نے میری بات نہ مانی تو میں حکومت میں گڑبڑ مچا دونگا۔ یہ تینوں شفاعتیں رب کی بارگاہ میں ناممکن ہیں۔ کفار اسی شفاعت کے معتقد تھے۔ یہاں اسی کی نفی ہو رہی ہے۔ چوتھی شفاعت چھوٹے کی سفارش کرنا کسی بڑے کی بارگاہ میں، محض اس کی محبت و کرم کی بنا پر، اسے شفاعت بالاذن کہتے ہیں۔ محبوبانِ الٰہی یہی شفاعت کرینگے۔ دوسرے جملے میں ارشاد ہوا کہ وہ شفیع المذنبین اُن لوگوں کے آگے پیچھے کے حالات جانتے ہیں یعنی یہ بھی جانتے ہیں کہ دنیا میں یہ کس حال پر تھے، مسلمان تھے، کافر تھے، منافق تھے۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ آگے ان کا کیا حال ہوگا، جہنمی ہیں یا کہ جنتی۔ اگر جہنمی ہیں تو کس طبقہ کے لائق ہیں۔ اور اگر جنتی ہیں تو کس درجہ میں رکھے جائیں گے، جنت الفردوس میں یا کہ جنت عدن میں یا کسی اور جگہ۔ اور یہ جاننا ضروری بھی ہے، کیونکہ اگر طبیب مریض کے مرض کو نہ پہچانے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ قابلِ علاج ہے یا کہ نہیں، تو وہ علاج کیا کریگا۔ اسی طرح اگر شفیع المذنبین قابلِ شفاعت اور ناقابلِ شفاعت کو نہ پہچانیں تو وہ شفاعت کس طرح فرماوینگے۔ دنیا میں بھی حضور علیہ السلام نے بہت سے لوگوں کے جہنمی یا جنتی ہونے کی خبر دے دی۔

بشرہ، حضرت فاطمہ زہرا، حضرات حسنین وغیرہ رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کے علاوہ یہ بھی آیا
کہ فاطمہ جنتی بیویوں کی سردار ہیں، امام حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ جہاد میں ایک مسلمان بہت
شدت سے کافروں کو مار رہا ہے، بعض صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی۔ فرمایا کہ یہ سب کچھ ہے، مگر وہ جہنمی ہے
آخرکار اس نے آخر وقت خودکشی کی ؛ مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر میں ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام اپنے
دونوں مبارک ہاتھوں میں دو کتابیں لئے ہوئے صحابہ کرام کی مجلس میں جلوہ گر ہوئے اور فرمایا کہ اس کتاب
میں تو جنتی لوگوں کے نام، ان کے باپوں کے نام، ان کے قبیلوں کا ذکر ہے۔ اور دوسری میں دوزخیوں کے
نام اور قبیلہ وغیرہ مذکور ہیں، اور آخر میں ان کا ٹوٹل لگا دیا گیا ہے کہ کل جنتی اتنے اور دوزخی اتنے ؛ وہ جو
ایک حدیث میں آیا ہے کہ منافقین حوض کوثر پر آتے ہوئے روکے جائیں گے، تو ہم فرمائیں گے کہ اے فرشتو
ان کو آنے دو، یہ تو میرے صحابہ ہیں، فرشتے عرض کرینگے کہ آپ کو نہیں معلوم کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا
یہ تمام گفتگو محض ان بے دینوں کو شرمندہ کرنے کے لئے ہے، ورنہ یہاں تو حضور علیہ السلام خبر دے
رہے ہیں اور وہاں یاد نہ رہے، یہ کیونکر ممکن ہے۔ اس کی پوری بحث ہم نے اپنی کتاب جاء الحق میں کی
ہے جو شائع ہو چکی ؛

تیسرے جملہ میں ارشاد ہوا ہے اور وہ لوگ اس شفیع المذنبین کے علم میں سے نہیں پاتے مگر جتنا
وہ شفیع المذنبین چاہیں یعنی حضور علیہ السلام کے علم کو ولی، قطب و غوث بلکہ انبیاء کرام اور فرشتہ وغیرہ
گھیر نہیں سکتے۔ ہاں جس قدر حضور علیہ السلام ہی چاہیں ان کو بتا دیں ؛ حقیقت یہ ہے کہ علم مصطفےٰ
ایک سمندر ہے، اور اس سمندر سے لینے والے مختلف ظرف رکھتے ہیں۔ لوٹے والا لوٹا بھر پانی اس سے لاتا
ہے اور گھڑے والا گھڑا بھرا اور مشک والا مشک بھر اور کوئی فقط چلو سے پی لیتا ہے۔ اور کوئی بدنصیب وہاں
سے بھی محروم ہی آتا ہے، صدیق اکبر اور فاروق اعظم و عثمان غنی و حیدر کرار رضی اللہ عنہم ایک ہی سمندر مصطفےٰ
علیہ السلام سے فیض لینے والے ہیں، مگر بقدر برداشت ہر صاحب نے لیا۔ قصیدہ بردہ میں اس کو خوب
بیان فرمایا ہے ؎

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ ؛ غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ

اس مضمون کو مولوی قاسم صاحب دیوبندی نے اپنے رسالہ تحذیر الناس میں خوب وضاحت سے
بیان کیا، غرضکہ اس آیت میں حضور علیہ السلام کی شفاعت اور علم اور عطا کا بہت وضاحت کے ساتھ ذکر

صلی اللہ علیہ وسلم ؛

آیت ۱۲ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ پارہ ۳ سورۂ آل عمران رکوع ۴۔ اے محبوب تم فرما دو کہ اگر تم اللہ کو دوست
رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ، اللہ تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دیگا اور اللہ بخشنے والا
مہربان ہے ○ اس آیت کریمہ میں لوگوں کو خدارسی کا راستہ بتایا گیا ہے۔ اور اس سے محبوب کبریا صلے اللہ علیہ
وسلم کی شان عالی کا اچھی طرح ظہور ہو رہا ہے۔ مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ ہم بتوں کی پوجا اس لئے کرتے ہیں کہ
ہم کو قرب الٰہی حاصل ہو جاوے۔ اسی طرح اہل کتاب کہا کرتے تھے کہ ہم تو اللہ کے پیارے ہیں ان سب
کو حکم دیا گیا کہ اگر تم واقعی خدا کی محبت رکھتے ہو تو میرے محبوب کی غلامی کرو، پھر یہ ہوگا کہ ابھی تو تم خدا کے
چاہنے والے بنتے ہو اور خدا کو اپنا محبوب بناتے ہو مگر پھر خدا تمہارا چاہنے والا ہو گا۔ اور تم اس کے محبوب
اور گنہگار ہو تو تمہارے گناہ بھی بخش دے گا ؛

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غلامیٔ مصطفےٰ سے مردود بھی محبوب خدا بن جاتا ہے اور گنہگار
مقبول ہو جاتا ہے ؎

گنہگار پہ جب لطف آپ کا ہو گا ؛ کیا بغیر کیا بے کیا کیا ہوگا

اللہ تعالیٰ نے ہم کو [illegible] پیچھے پیچھے چلنے کو، تو آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ اگر محبت الٰہی چاہتے ہو تو محبوب
کے پیچھے پیچھے چلے آؤ، نہ تو بھائی بن کر برابر آؤ اور نہ باوا بن کر آگے چلو بلکہ غلام بن کر پیچھے چلے آؤ۔ وہ
ڈبہ ریل کا سفر کرتا ہے جو انجن کے پیچھے لگ جاتا ہے، جو انجن سے آگے لگتا ہے وہ شنٹ ہو کر وہاں
ہی رہ جاتا ہے فسٹ کلاس کا ڈبہ اگر انجن سے کٹا ہوا ہو تو اس میں کوئی نہیں بیٹھتا، نہ کوئی کرایہ دیتا ہے
اور اگر تھرڈ کلاس کا ڈبہ انجن سے جڑ جاوے تو اس میں ہر کوئی بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ڈبہ
کی اپنی قیمت کوئی نہیں بلکہ انجن کے پیچھے لگ جانے کی قدر و قیمت، نیز انجن یہ نہیں دیکھتا کہ میرے
پیچھے ڈبہ کیسا ہے، وہ تو یہ دیکھتا ہے کہ مجھ سے کڑی ملی ہے یا نہیں، ڈبہ تھرڈ ہو یا سیکنڈ، فسٹ سب کو
کھینچ کر لے جاتا ہے۔ بشرطیکہ ڈبہ لائن پر ہو گویا انجن بزبانِ حال کہتا ہے، کہ اے ڈبہ تو اگرچہ
کیسا ہی ہو میں تو تیار ہوں۔ اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا فَاتَّبِعُوْنِیْ تم خواہ کیسے ہی ہو میرے پیچھے چلے آؤ
ہم تم کو نہیں دیکھتے ہم اپنے کو اور اپنی نسبت کو دیکھتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

اطاعت تین طرح کی ہوتی ہے: اطاعت ڈر کی، اطاعت لالچ کی، اطاعت محبت کی، یہاں مقصود ہے محبت کی اطاعت. کیونکہ ڈر یا لالچ کی اطاعت تو منافقین بھی کرتے تھے. اسی لئے اس آیت کو محبت سے شروع فرمایا گیا + خیال رہے کہ محبت تین قسم کی ہے: چھوٹے سے محبت یعنی مامتا، دوسری برابر والے سے محبت، تیسرے بڑے سے محبت جو مع عظمت کے + اتَّبِعُوا سے معلوم ہوا کہ محبت مع عظمت ہونی چاہیئے. پھر عظمت دو قسم کی ہے، دینی اور دنیاوی. يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ سے معلوم ہوا کہ حضور کی عظمت دینی چاہیئے یعنی رسالت کی بنا پر محبت و عظمت چاہیئے، نہ کہ بڑا بھائی سمجھ کر +

آیت ۱۳ - وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ پارہ ۳. سورہ آل عمران رکوع ۹ - اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے اُن کا عہد لیا کہ جو میں تم کو کتاب دوں اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تمہاری کتابوں کی تصدیق فرماوے تو تم ضرور ضرور اُس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اُس کی مدد کرنا، فرمایا کیوں تم نے اقرار کر لیا اور اُس پر میرا بھاری ذمہ لے لیا، سب نے عرض کیا کہ ہم نے اقرار کیا فرمایا کہ تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں +

اس آیت کریمہ میں اس عہد و پیمان کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ جو میثاق کے دن حضرات انبیاء سے لیا گیا تھا مگر اس سے حضور علیہ السلام کی وہ عظمت ثابت ہوتی ہے کہ جس کا اندازہ ناممکن ہے +

عہد کا قصہ تو یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے ہندوستان کولمبو پہاڑ پر بھیجے گئے اور حضرت حوا عرب میں جدہ میں اتاری گئیں. تین سو برس کے بعد حضور علیہ السلام کے نام کی برکت سے توبہ قبول ہوئی جس کا واقعہ بیان ہو چکا. تب نعمان پہاڑ پر اُن کی پشت سے اُن کی ساری اولادوں کی روحیں نکالی گئیں اور اُن روحوں سے تین طرح کے عہد لئے گئے. ایک تو تمام مخلوق سے کہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، سب نے عرض کیا کہ ہاں. دوسرا علماء سے عہد لیا گیا کہ تم احکام الٰہیہ کی تبلیغ کرنا، تیسرا انبیاء کرام سے جس کا اس آیت میں ذکر ہے، اس عہد کا اس طرح ذکر کیا گیا. کہ اللہ

[illegible] انبیاء سے اس روز ارشاد فرمایا تھا کہ اے گروہ انبیاء جب میں تم کو کتاب عطا فرماؤں اور [illegible] تمہارے سر پر رکھ دوں اور اپنے بندوں کو تمہارا اُمتی اور تابعدار بنا دوں، پھر جبکہ تمہاری نبوۃ [illegible] پوری طرح چمک رہا ہو اور تمہارے نام کا ڈنکہ بج رہا ہو. اگر عین اسی حالت میں ہمارا یہ نبی آخر الزمان دنیا میں جلوہ گر ہو جاوے تو تمہارا فرض ہوگا کہ تم مع اپنی اپنی اُمتوں کے اس محبوب آخر الزمان کے [illegible] ہو جانا، اس محبوب کے آتے ہی تمہارا دین منسوخ ہوگا، تمہاری کتاب منسوخ ہو گی، تم کو اُن کا خدمتگار اور مددگار بننا ہوگا. کہو کیا یہ تم کو منظور ہے؟ تمام انبیاء نے بخوشی منظور کیا + اقرار کرانے پر بھی عہد ختم نہ فرمایا [illegible] اچھا اس پر ایک دوسرے کے گواہ بن جاؤ. یعنی حضرت آدم حضرت نوح وغیرہ پر گواہ ہوں، اور وہ [illegible] حضرت آدم علیہ السلام پر + پھر بھی بات ختم نہ ہوئی. فرمایا ہماری شاہی گواہی بھی اس میں شامل [illegible] ہم بھی تمہارے اس اقرار پر گواہ ہیں + اللہ جانتا ہے کہ اس میں کیا راز ہے کہ اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا [illegible] گواہی وغیرہ کی پابندی نہ ہوئی. سب نے فقط بلیٰ یعنی ہاں کہدیا، بات ختم ہوئی. مگر یہاں اقرار بھی کرایا گواہی بھی لی اور اس سارے واقعہ پر شاہی گواہی بھی، رب تعالیٰ کے علم میں تھا کہ کوئی بھی نبی حضور علیہ السلام کا زمانہ نہ پائیں گے، پھر بھی یہ اقرار لے لیا. کہ اگر یہ پیغمبر آجاتے تو ہم اُن کے اُمتی بن جاتے، کم از کم [illegible] کا اس پر ایمان ہے. نیز ان کی اُمتیں اس واقعہ کو سن کر اگر حضور علیہ السلام کا زمانہ پاویں تو ایمان [illegible] شب معراج میں سارے انبیاء کرام نے اس اقرار نامہ کو ثابت کر دیا. کہ سب نے مقتدی بن کر بیت المقدس کی زمین پاک میں امام الحرمین علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کی ہے

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہوں معنیٔ اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

سبحان اللہ وہ نماز بھی کس لطف کی نماز ہوئی ہوگی، جس میں انبیاء مقتدی سید الانبیاء امام ملائکہ [illegible] سفر آسمان کی تیاری گویا کہ نمازِ سفر اس دھوم سے ہو رہی ہے. نیز حضرت عیسےٰ علیہ السلام اس ہی اقرار [illegible] کے لئے آخر زمانہ میں حضور علیہ السلام کے اُمتی ہو کر زمین پر آوینگے اور دینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور امداد فرمائیں گے. اس امت کو دشمنوں سے بچائینگے صَلَوٰةُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ [illegible] یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ حضور علیہ السلام کی موجودگی میں تمام پیغمبروں کے دین کیوں منسوخ [illegible] دنیا کا قاعدہ ہے کہ ہر چیز اپنی اصل پر پہنچ کر ٹھہر جاتی ہے. بلکہ اپنے آپ کو اُس اصل میں گم

سورج ہی کا نور تھا، تمام دریا سمندر کی طرف بھاگے جاتے ہیں، کیونکہ ہر دریا سمندر سے بنا ہے، سمندر سے بادل آیا، پہاڑوں پہ بارش بن کر یا برف بن کر گرا، اُس سے دریا بنا، دریا اپنی اصل کی طرف بھاگا، ایسا بھاگا کہ جس پُل نے، درخت نے، کسی عمارت نے اُس کو روکنا چاہا اُس کو بھی گرا دیا، مگر جہاں سمندر کے قریب پہنچا، شور بھی جاتا رہا، روانی میں کمی ہوگئی، اور جب سمندر سے ملا تو اس طرح فنا اور گُم ہوگیا کہ گویا تھا ہی نہیں اور زبانِ حال سے کہا۔ کہ ؎

من تُو شدم تُو من شدی من تن شدم تو جاں شدی ٭ تا کس نہ گوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

اسی طرح تمام انبیاء کرام تارے ہیں حضور آفتاب۔ حضور کو قرآن میں فرمایا گیا سِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ تمام انبیاء کرام دریا ہیں حضور علیہ السلام ان دریاؤں کے سمندر، تمام نبوّتیں اِدھر ہی چلی آ رہی تھیں فرعونی ہامانی، نمرودی، ہزار ہا طاقتیں سامنے آئیں ان کو پاش پاش کر دیا۔ مگر سمندرِ نبوّت کو پاکر سب نے اپنے کو اُس میں گُم کر دیا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلَّمْ ؎

یہ انبیاء مرسلین تارے ہیں تم مہر مبیں ٭ سب جگمگائے رات بھر چمکے جو تم کوئی نہیں

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے پیغمبر علیہم السلام حضور علیہ السلام کے اُمتی ہیں اور حضور علیہ السلام نبی الانبیاء ٭

آیت ۱۴۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ط وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ

پارہ ۴ سورۂ آلِ عمران رکوع ۱۷۔ بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پہ کہ اُن میں اُن ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن پر اُس کی آیتیں پڑھتا ہے، اور اُن کو پاک فرماتا ہے اور اُن کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ اور وہ ضرور اس سے پہلے گمراہی کھُلی میں تھے ٭

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی کھُلی ہوئی نعت ہے کیونکہ خدائے قدوس نے انسان کو اِس قدر نعمتیں عطا فرمائی ہیں کہ ان کا شمار بھی انسان نہیں کر سکتا، اور ہر نعمت ایسی قیمتی ہے کہ دنیا کے خزانے خرچ کر دو مگر ایسی نعمت نہ بن سکے۔ آنکھ، کان، ناک، ہاتھ پاؤں، زمین آسمان، چاند سورج، ہوا پانی وغیرہ ہر نعمت الٰہی کا یہ ہی حال ہے، پھر جسم میں بے شمار بال اور ہر بال میں بے شمار نعمتیں ہیں، اور ہر

...نعمتیں کہ اس کے بغیر زندگی مشکل ہے، لیکن قرآن مجید میں ان نعمتوں کا جگہ جگہ ذکر تو فرمایا، مگر اس طرح احسان جتا کر ذکر نہ فرمایا کہ مسلمانو تم کو ہاتھ پاؤں یا چاند سورج یا زمین و آسمان یا پانی ہوا دیئے ہم احسان کرتے، مگر کلمہ مَنَّ فرمایا یعنی احسان جتایا تو صرف اس نعمت کا کہ ہم نے مسلمانوں پر بے شک احسان فرمایا کہ اُن کو اپنا پیارا محبوب دے دیا اُن کی ہدایت کے لئے، جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ اس کی تین وجہ ہیں: اوّل تو یہ کہ دنیا میں ہر چیز کسی کو دے دی جاتی ہے مگر محبوب نہیں دیا جاتا، شاعر کہتا ہے ؎

نیناں میں جو آن بسو تو میں نینا جھانپ ہی لوں ٭ نہ میں دیکھوں اور کو نہ توئے دیکھن دوں

حضور علیہ السلام کا معراج میں جانا تعجب نہیں ہے، محبوب بلائے ہی جاتے ہیں، ہاں وہاں سے واپس آنا تعجب ہے کہ محبوب دوبارہ مخلوق کو دے دیئے گئے، کیا خوب کہا ہے ؎

ایسا حسینوں کو سکھائے نہیں جاتے ٭ اُمّی لقبی ہوں وہ پڑھائے نہیں جاتے
ہر ایک کا حصّہ نہیں دیدار کسی کا ٭ بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

دوسری وجہ یہ ہے کہ دنیا اور دنیا کی ساری نعمتیں حضور علیہ السلام کے صدقہ میں ہیں، حضور فرماتے ہیں حدیث قدسی ہے لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ یعنی اگر آپ نہ ہوتے تو ہم آسمانوں کو پیدا نہ کرتے۔ یہ حدیث معنیً صحیح ہے دیکھو موضوعات کبیر مُلّا علی قاری۔ تو یہ ساری نعمتیں ایک اُن ہی کے دم سے ہیں تمام دنیا براتی ہے اور حضور اکرم علیہ السلام اُس کے دُولہا ؎

ہے جہاں میں جن کی چمک دمک، ہے چمن میں جن کی چہل پہل
وہ ہی اک مدینہ کے چاند ہیں سب اُنہی کے دم کی بہار ہے

تیسری وجہ یہ ہے کہ تمام نعمتیں صرف زندگی میں فائدہ پہنچاتی ہیں، جہاں آنکھ بند ہوئی تمام رشتے ٹوٹ گئے، مال اوروں کا ہوگیا، ہاتھ پاؤں اور سارے اعضاء جواب دے گئے، اگر کسی نے مہربانی کی تو فقط قبر تک، ہاں جو زندگی میں، قبر میں، حشر میں، جنّت میں اور نزع کے وقت ہر جگہ کام آوے وہ میرے مولیٰ، عربی دولہا، جگ کے داتا، محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کریم ہے اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا الْمَوْتَ عَلٰی دِیْنِہٖ اور فانی نعمتیں باقی نعمتوں کے مقابل ہیچ ہیں قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ ساری نعمتیں مال و دولت، اعضاء وغیرہ اگر ان سے صحیح کام لیا جاوے تو نعمت ہے ورنہ

سراسر زحمت۔ زبان اگر درست رہے تو زبان ہے۔ اگر ٹیڑھی چلے تو زبون یعنی بُری چیز ہے۔ اگر زیادہ چلے

تو زیان یعنی نقصان ہے ۔

دو مُوتوں سے بُوت بنایا نام رکھا ہے پُوت ٭ کرم کرے تو بھلا ہوا ہے نہیں تو مُوت کا مُوت

اور ان نعمتوں کا استعمال کرنا سکھانے والے ہیں، محمد رسول اللہ علیہ السلام یعنی حضور علیہ السلام

نے ان سب کو نعمت بنا دیا ورنہ یہ زحمت تھیں + اگر ہاتھ پاؤں سے گناہ کئے جاویں تو یہی اعضاء قیامت

میں ہمارے خلاف گواہی دیں۔ معلوم ہوا کہ یہ رب کے خفیہ پولیس ہیں۔ اگلی عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور

علیہ السلام مسلمانوں کو ہر ظاہری باطنی گندگی سے پاک فرماتے ہیں۔ اعمال وہ ہی صحیح ہیں جو بارگاہ رسالت

میں قبول ہو جائیں۔ وَيُعَلِّمُهُمُ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن ایسی مشکل کتاب ہے کہ اس کی تعلیم کے لئے

رب نے انبیاء کرام بھیجے، اور کسی علم کے لئے نبی نہ آئے۔ مشکل علوم استاذ ہی پڑھاتے ہیں، لہٰذا قرآن سمجھنے

کے لئے حدیث کی ضرورت ہے۔ وَاِنْ كَانُوْا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کی تعلیم ایسی مکمل ہے کہ گمراہوں کو گمراہی

سے نکال کر صرف مومن ہی نہیں بلکہ مومن گر بنا دیتی ہے۔ اس تعلیم سے کوئی صدیق کوئی فاروق ہوئے۔ اور

کسی استاذ کی تعلیم ایسی مکمل نہیں۔ ایک شاگرد ایک ہی اسکول میں جا کر بہت استاذوں سے علوم حاصل کرتا

ہے، کسی سے اردو، کسی سے حساب، مگر مدینہ پاک میں ایسا مکمل مدرسہ جاری ہوا کہ ایک ہی استاذ نے دینی و

دنیاوی علوم، اخلاق اور خدارسی کے قاعدے سب کچھ سکھا دیئے ؛

آیت ۱۵۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

پارہ ۴ سورۃ آلِ عمران۔ اللہ مسلمانوں کو اس حال پر نہیں چھوڑنے کا جس پر تم ہو جب تک جدا نہ کر دے

گندے کو ستھرے سے اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ اے عام لوگو تم کو غیب کا علم دے لیکن اللہ چن لیتا

ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے ؛

یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی صریح نعت ہے۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک بار حضور علیہ

السلام نے ارشاد فرمایا کہ پیدائش سے پہلے میری اُمّت مجھ پر اپنی صورتوں میں پیش کی گئی جس طرح کہ حضرت

آدم علیہ السلام پر اُن کی اولاد، اور ہم کو یہ بھی علم دیا گیا کہ کون ہم پر ایمان لاویگا اور کون نہ لاویگا۔ یہ سن

کر منافقین نے مذاق کرتے ہوئے کہا کہ حضور علیہ السلام تو فرماتے ہیں کہ ان کو لوگوں کے پیدا ہونے

[illegible] کافر اور مسلمان کا علم ہو گیا تھا، اور ہم تو ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ ظاہر میں مسلمان ہیں دل میں کفر تھے

[illegible] اور آپ ہم کو نہیں پہچانتے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا۔ اور فرمایا کہ لوگوں

کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں طعن کرتے ہیں۔ آج سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اُس میں کوئی

چیز ایسی نہیں کہ تم مجھ سے سوال کرو اور ہم تم کو اُس کی خبر نہ دیں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن حذافہ کھڑے

ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا حبیب اللہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حذافہ، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے

ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا حبیب اللہ ہم اللہ کی ربوبیت پر اور آپ کی رسالت پر اور اسلام پر راضی

[illegible] ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ کیا اب تم باز آؤ گے؟ اور منبر سے

[illegible] (تفسیر خزائن العرفان وخازن) ۔

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: اوّل تو یہ کہ حضور علیہ السلام کے علم غیب پر طعن کرنا

اور یہ کہنا کہ فلاں چیز کا علم نہیں تھا طریقہ منافقین ہے۔ مسلمان کا فرض ہے کہ حضور علیہ السلام کے سلسلے

صفات حمیدہ کو بغیر بحث کے مان لے۔ دوم یہ کہ خدائے قدوس نے ہمارے آقا و مولیٰ علیہ السلام کو قیامت

تک کی ہر ہر چیز کا علم عطا فرمایا، کیونکہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو چاہو وہ پوچھو۔ اور یہ وہ ہی

کہہ سکتا ہے کہ جس کا علم مکمل ہو۔ تیسرے یہ کہ ہم لوگ جو گھر کی کوٹھڑی میں چھپ کر کام کریں وہ بھی حضور

علیہ السلام کی نظر سے غائب نہیں کیونکہ عبداللہ کے والد حذافہ ہیں، یہ تو ایک بالکل چھپی ہوئی بات تھی

باپ تو وہ ہوتا ہے کہ جس کے نطفہ سے بچہ پیدا ہو۔ اس کو معلوم کرنا اُس ذات کی شان ہے کہ جس کی نگاہ

عالم کے ذرہ ذرہ پر ہو، اور بات تو یہ ہے کہ جن آنکھوں نے خالقِ عالم کو معراج میں دیکھا ہو وہ عالم کو

کیوں نہ دیکھیں۔ اس کی بحث سورۃ وَالنَّجْمِ میں آویگی انشاء اللہ۔ کیا دنیا کی چیزیں خالق سے بڑھ کر ہیں ؎

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا ٭ جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

بھلا عالم سی شئے مخفی رہے اُس چشمِ حق بیں سے ٭ کہ جس نے خالقِ عالم کو بیشک بالیقیں دیکھا

چوتھے یہ کہ قیامت تک کے مسلمان اور کافر اور منافق حضور علیہ السلام کے علم میں ہیں۔ اگر کسی کے

عیب کو بیان نہ فرمایا تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ حضور علیہ السلام اُن سے بے خبر ہیں بلکہ عیب پوش اور

[illegible] کو چھپانے والے ہیں، شانِ ستّاری کے مظہر ہیں، یہ علم وخبر وفات شریف سے کم نہ ہو گئے کیونکہ

بعد وفات نفس کا علم اور اُس کی ہر قوت بڑھ جاتی ہے ؛

الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۔ پارہ ۵ سورہ نسآء رکوع ۹ ۔ اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول اُن کی شفاعت فرمادیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں ؁

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو توبہ کرنے اور اپنے گناہ معاف کرانے کا طریقہ بتایا جارہا ہے۔ مگر اس سے شانِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قدر ظاہر ہو رہی ہے کہ سبحان اللہ اس آیت میں توبہ قبول ہونے کی تین شرطیں بیان ہوئیں۔ اولاً حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری، دوسرے اپنے گناہ سے وہاں جاکر توبہ کرنا۔ تیسرے حضور علیہ السلام کی شفاعت فرمانا۔ اگر ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی نہ پائی جاوے تو قبول توبہ کی امید نہیں ؁

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: اولاً تو یہ کہ حضور علیہ السلام بارگاہِ الٰہی کے وکیل مطلق یا مختار عام ہیں۔ کیونکہ گناہ تو کیا رب کا مگر جاؤ کہاں، محبوب علیہ السلام کی خدمت عالی میں، جیسے جرم تو کیا حکومت کا، مگر جاؤ کہاں؟ وکیل یا مختار عدالت کے پاس۔ بغیر وکیل کے دنیاوی کچہری میں کچھ پوچھ نہیں اور عدالتِ الٰہیہ میں بغیر محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کچھ پوچھ گچھ نہیں۔ اسی لئے نماز وغیرہ میں حضور علیہ السلام کا نام ضرور آتا ہے ؎

ذکرِ خدا جو اُن سے جُدا چاہو نجدیو ؁ واللہ ذکرِ حق نہیں کُنجی سقر کی ہے

بے اُن کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے ؁ حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

دوسرے یہ کہ دروازہ مصطفےٰ علیہ السلام دروازہ الٰہی ہے۔ اگر فقیر کو مانگنا ہو تو چھت پر یا مکان کے پیچھے کھڑے ہو کر نہیں مانگتا بلکہ دروازے پر آکر بھیک مانگتا ہے۔ اسی طرح جب خدا سے مانگنا ہو تو خدا کے دروازے یعنی بارگاہِ مصطفےٰ میں آکر مانگو جو کچھ پروردگار عالم کی طرف سے ملیگا۔ اسی دروازے اور اُن ہی ہاتھوں سے ملیگا ؎

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر ؁ جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

تیسرے یہ کہ شفاعت کے لئے مدینہ پاک میں حاضری ضروری نہیں۔ اسی لئے فِی الْمَدِیْنَۃِ نہیں فرمایا گیا۔ جہاں بھی ہو قلب سے اُس بارگاہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ کیونکہ ہر دل اُن کی جلوہ گاہ و ناز ہے ؎

چوتھے یہ کہ یہ حکم حاضری قیامت تک کے مجرموں، گنہگاروں کے لئے ہے۔ فقط زندگی کے زمانہ سے خاص نہیں کیونکہ کلمۂ اِذْ عام ہے۔ اسی لئے عالمگیری کتاب الحج میں فرمایا کہ جب روضۂ اقدس پر حاضر ہو تو یہی آیت پڑھے۔ تفسیر مدارک اور تفسیر خزائن العرفان میں ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد روضۂ پاک پر حاضر ہوا، اور یہی آیت پڑھ کر عرض کرنے لگا کہ یا حبیب اللہ ہم نے یہ حکم سنا۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔ اور اللہ سے بخشش چاہنے آپ کے دروازے پر حاضر ہوا ہوں تو میرے گناہ کی بخشش میرے رب سے کرائیے۔ اس پر قبر شریف سے ندا آئی کہ تیری بخشش کی گئی۔ اس واقعہ اور اس آیت سے چند مسائل فقہیہ بھی معلوم ہوئے:۔ (۱) خدا کے مقبولوں کو وسیلہ بنانا ذریعہ کامیابی ہے (۲) قبر بزرگان پر حاجت روائی کے لئے جانا جائز ہے اور جَآءُوْكَ میں داخل ہے (۳) بعد وفات کے مقبول بندوں کو یا کے ساتھ پکارنا جائز ہے (۴) مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ چالیس ابدال شام میں رہتے ہیں جن کی برکت سے بارش ہوتی ہے۔ اور دشمنوں پر فتح حاصل کی جاتی ہے اور شام والوں سے عذاب دور رہتا ہے۔ شامی کے مقدمہ میں ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حاجت کے وقت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی قبر پر حاضر ہو کر دعا کرتا ہوں ؁ (۵) یہ کہ ظَلَمُوْٓا سے معلوم ہوا کہ کسی طرح کا مجرم ہو، کافر ہو، منافق ہو، گنہگار ہو، کوئی ہو اگر صدقِ دل سے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں آکر توبہ کرے تو رحمتِ الٰہی دستگیری کریگی۔ حضور علیہ السلام اُس سمندر کی طرح پاک فرمانے والے ہیں۔ کہ کیسا ہی گندہ آدمی آکر غوطہ لگائے پاک ہو جاتا ہے۔ اور مدینہ پاک وہ شفاخانہ ہے کہ کسی بیمار سے یہ نہیں کہا جاتا کہ تیرا علاج ہمارے پاس نہیں۔ ہر بیمار کو حکم عام ہے کہ چلے آؤ اور منہ مانگی مراد پاؤ۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ؎

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو ؁ تم ایسے رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہو

آیت ۱۷۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۔ پارہ ۵، سورہ نسآء، رکوع ۹۔ تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اُس سے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے مان لیں ؁

اس آیت پاک میں مسلمان بننے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے اور مسلمان کی پہچان بتائی جا رہی ہے۔ مگر اس میں نعت مصطفےٰ علیہ السلام کے وہ پھول کھلے ہوئے ہیں کہ جن سے دماغ ایمان معطر ہو جاتا ہے۔

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ ایک پہاڑ سے پانی آتا تھا جس سے کہ اہل مدینہ اپنے اپنے باغوں کو پانی دیتے تھے۔ اس پانی دینے پر ایک انصاری کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے جھگڑا ہو گیا۔ معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے زبیر تم اپنے باغ کو پہلے پانی دے کر پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو (زبیر کا باغ اوپر کی طرف تھا) اس پر انصاری کو ناگوار گذرا اور اس کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ زبیر آپ کے پھوپھی کے بیٹے ہیں۔ (یعنی اس فیصلہ میں ان کی رعایت کی گئی ہے قرابت کی وجہ سے) اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اور فرمایا گیا کہ اے محبوب اس وقت تک کوئی ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے ہر جھگڑے میں آپ کو حاکم نہ مانے اور آپ کے ہر حکم پر دل سے راضی نہ ہو جاوے۔

فقیر حقیر اپنے محبوب کا نعت خواں احمد یار خاں عرض کرتا ہے کہ اس آیت کا پہلا کلمہ یعنی وَرَبِّكَ تمہارے رب کی قسم، اس قدر پر لطف ہے کہ پڑھ کر وجد طاری ہوتا ہے۔ رب نے اپنی قسم فرمائی، مگر اپنا نام نہ ارشاد فرمایا، واللہ یا والرحمٰن نہ فرمایا بلکہ اپنا ذکر اپنے محبوب علیہ السلام کے ساتھ فرمایا ہے کہ اے پیارے تیرے رب کی قسم اے محبوب ہم کو تمہارے پروردگار کی قسم، قربان جاؤں کیا کلام ناز ہے اور کیا نرالا انداز، اس ناز والے محبوب کے صدقے، ان کے رب کریم کے قربان صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمْ۔ اس طرز کلام کا لطف وہ ہی پاویگا جو کہ اس محبت سے آشنا ہو۔ اب فرمایا یہ جا رہا ہے کہ ہماری بارگاہ میں تمغہ ایمانی وہ ہی پاویگا جو کہ تمغہ غلامی رکھتا ہو ؎

تجھ سے در در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت ؛ میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے ؛ حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا

سچ تو یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی سچی اطاعت ہی کا نام عبادت ہے یہ ہی شہادت ہے یہ ہی ریاضت

ترے رستہ میں مر مٹنا شہادت اس کو کہتے ہیں ؛ ترے کوچہ میں ہو نا دفن جنت اس کو کہتے ہیں
ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا ؛ تصور میں ترے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

جو شخص بھی حضور علیہ السلام کے فیصلے کے ہوتے ہوئے اپنی رائے کو دخل دے وہ بے دین ہے اب اس وقت علماء کا فیصلہ اور قرآن و احادیث و فقہ کے احکام حضور علیہ السلام ہی کا فیصلہ ہے ایک منافق اور یہودی میں کچھ جھگڑا تھا، یہودی حق پر تھا منافق جھوٹا، فیصلہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور یہودی کے لئے فیصلہ ہو گیا مگر منافق راضی نہ ہوا، صدیق کے پاس فیصلہ گیا، انہوں نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا، پھر بھی منافق راضی نہ ہوا۔ فاروق اعظم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، یہودی نے عرض کیا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرما چکے اور صدیق اکبر بھی، مگر یہ شخص راضی نہیں ہوتا۔ فاروق اعظم نے منافق کو قتل کر دیا۔ اور فرمایا کہ جو حضور علیہ السلام کے فیصلہ سے راضی نہ ہو اس کا فیصلہ یہ ہے، اسی دن سے آپ کا لقب ہوا فاروق یعنی حق و باطل میں فرق فرمانے والے رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔

آیت ۱۸۔ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ پارہ ۵ سورۂ نساء رکوع ۱۰۔ جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کو بچانے کو نہ بھیجا۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت شریف ہے، اس کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ہماری اطاعت کی اس نے رب کی اطاعت کی، اس پر بعض منافقین نے کہا کہ حضور علیہ السلام چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو رب مان لیں جس طرح کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو عیسائیوں نے رب مانا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور محبوب علیہ السلام کی تصدیق فرما دی گئی۔ اس سے چند فائدے حاصل ہوئے: ایک تو یہ کہ حضور علیہ السلام کی تعظیم کو شرک سمجھنا منافقوں کا کام ہے۔ تعظیم اور ہے عبادت کچھ اور، ہر تعظیم عبادت نہیں۔ دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو بارگاہ الٰہی میں تقرب خاص حاصل ہے کہ جو بندہ غلام مصطفےٰ ہے وہ ہی حقیقۃً عبد اللہ ہے۔ مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

بندہ خود خواند احمد در رشاد ؛ جملہ عالم را بخواں قُلْ يٰعِبَادُ

تیسرے یہ کہ اطاعت الٰہی سے پہلے اطاعت مصطفےٰ علیہ السلام کرنی پڑتی ہے، اس لئے کہ یہاں حضور علیہ السلام کی اطاعت کو پہلے بیان فرمایا اور شرط بنا کر بیان فرمایا اور اطاعت الٰہی کو جزا بنا کر بعد میں ارشاد فرمایا اور بات ہے بھی یوں ہی۔ جب حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانو تم پر اللہ نے پانچ نمازیں فرض فرمائیں، اور قرآن کی یہ آیت پاک ہم پر نازل فرمائی۔ پہلے ہم اس حکم کو مانیں گے، یہ اطاعت حضور علیہ السلام کی ہوئی، پھر نماز ادا کی، اور نماز اطاعت الٰہی ہے، اور حقیقت تو یہ ہے کہ کلمۂ طیبہ میں حضور علیہ السلام

کا نام پاک لا الٰہ الا اللہ کے بعد ہے، مگر ایمان میں حضور علیہ السلام پر ایمان لانا مقدم، جب محمد ہوئے رسول اللہ

تب کھلا لا الٰہ الا اللہ، حضور علیہ السلام کو بغیر مانے اللہ کو مان لیا موحد ہی نہ ہوا جیسا کہ سکھ عیسائی آریہ ؎

وہ جس کو ملے ایمان ملا، ایمان تو کیا رحمان ملا ٭ قرآن بھی جب ہی ہاتھ آیا جب تم نے وہ نور ہدیٰ پایا

تیسرے یہ کہ مخلوق الٰہی میں کسی کی اطاعت کرنا ضروری نہیں بجز اطاعتِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے۔ اگر ماں باپ عالم شیخ وغیرہ کی اطاعت کی جاتی ہے تو محض اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے ان کی فرمانبرداری کا حکم دیا۔ شروع مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا حبیب اللہ اسلام کیا ہے، ایمان کیا ہے، قیامت کب ہوگی؟ وغیرہ وغیرہ، یہ سوالات صحابہؓ کرام کے مجمع میں ہوئے۔ اور حضور علیہ السلام نے جوابات دیئے، مگر خود حضرت جبریل نے ہی صحابہ کرام سے نہ فرمایا کہ ایمان یہ ہے، اسلام یہ ہے اور نماز اس طرح پڑھو۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میرے کہنے سے ان مسلمانوں پر کوئی بات بھی لازم نہ ہوگی، ہاں جب زبانِ محبوب سے ادا ہوگی تو وہ حکم شرعی بنے گی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی فقط پیغام پہنچانے والے نہیں ہوتے، یہ کام تو حضرت جبریل کا ہے بلکہ وہ حضرات حکومتِ الٰہیہ کے وزیر اور احکام الٰہیہ کو جاری فرمانے والے ہوتے ہیں۔ اسی طرح عالم فقیہہ اور محدث کو سمجھو کہ محدث حدیث کا پہنچانے والا اور عالم فقیہہ اس کو سمجھانے والا اور جاری کرنے والا۔ دوسری آیت میں اسی لئے ارشاد ہوا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ یہاں اطاعت میں تین ذاتوں کا ذکر ہوا کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور امر والوں کی یعنی علماء کی۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام خلیفۃ اللہ اور علماء کرام نائب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آیت ۱۹۔ وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡـكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ‌ ؕ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا ۝ پارہ ۵، سورہ نساء، رکوع ۱۷۔ اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور سکھایا تم کو جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی بہت سی صفات عالیہ کو بیان فرما رہی ہے: اول تو یہ کہ آپ پر کتاب یعنی قرآن کریم اتارا، دوسرے حکمت آپ کو عطا فرمائی، تیسرے آپ کو علم غیب بتایا، چوتھے یہ کہ آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ کتاب اور حکمت کا ذکر فرمانے سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے ارشاد یعنی احادیث پاک بھی وحی الٰہی ہیں، ہاں یہ قرآن کریم وحی ظاہری ہے اور اس کے کلمات اور مضمون سب

رب کی طرف سے ہوتے ہیں مگر ان کو نماز میں تلاوت نہیں کرتے، کیونکہ تلاوت الفاظ کی ہوتی ہے اور احکام مضمون سے حاصل ہوتے ہیں۔ نیز حدیث پاک سے قرآن پاک کا نسخ ہو سکتا ہے، سجدہ تعظیمی غیر اللہ کے لئے جائز ہونا قرآن سے ثابت ہے مگر احادیث سے منسوخ۔ اسی طرح قرآن پاک سے معلوم ہوا کہ ہر وفات پانے والے کی میراث اس کے ورثاء لیں گے، مگر حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام نہ کسی اہل قرابت کی میراث لیں اور نہ کسی کو ان کی میراث ملے۔ غرضکہ حدیث پاک بھی وحی الٰہی ہے، ورنہ کتاب کے ساتھ حکمت کا ذکر کیوں ہے۔ تفسیر خزائن العرفان میں ہے کہ حکمت سے سنت مراد ہے (پارہ اول آیت)۔ پھر معلوم ہوا کہ پروردگار عالم نے جہاں اور صفات عطا فرمائے وہاں علم غیب بھی عطا فرمایا۔ اس آیت میں یہ ذکر نہیں کہ صرف احکام شریعت کا علم دیا، یا کہ فلاں کا یا فلاں کا نہیں، بلکہ فرمایا مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ جو کچھ کہ آپ نہ جانتے تھے۔ وہ سب کچھ آپ کو سکھا دیا۔ معلوم ہوا کہ ذرہ ذرہ کا علم آپ کو مرحمت ہوا۔ رب فرماتا ہے کہ ہم نے سب چیزوں کا علم دے دیا۔ اور محبوب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم نے لے لیا، دینے والا رب دے، لینے والے محبوب لیں، پھر کون ہے جو اس ربی عطیہ کو چھین لے۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق وذہق الباطل میں دیکھو۔ پھر فرمایا ہے کہ محبوب آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے، جبکہ رب تعالیٰ اس فضل ہے، جبکہ رب تعالیٰ اس فضل کو عظیم فرما رہا ہے، تو کس کی مجال ہے کہ اس فضل وکرم کا اندازہ لگا سکے، جو کہ حضور علیہ السلام پر ہے۔ رب العالمین نے اپنی صفت بیان فرمائی وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡعَظِيۡمُ، اور حضور علیہ السلام کے اخلاق پاک کو عظیم فرمایا اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ ؕ یہاں اللہ کے فضل کو جو حضور علیہ السلام پر عظیم فرمایا اور دنیا کی ساری نعمتوں کو فرمایا قلیل یعنی تھوڑی قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ ۚ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، اسی طرح رب کی دی ہوئی عظمتِ مصطفےٰ علیہ السلام بھی مخلوق کے علم سے باہر ہے۔ اسی لئے قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں ؎

دَعۡ مَا ادَّعَتۡهُ النَّصَارٰى فِىۡ نَبِيِّهِمۡ ٭ وَاحۡكُمۡ بِمَا شِئۡتَ مَدۡحًا فِيۡهِ وَاحۡتَكِمۡ

فَاِنَّ فَضۡلَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ لَيۡسَ لَهٗ ٭ حَدٌّ فَيُعۡرِبُ عَنۡهُ نَاطِقٌۢ بِفَمِ

یعنی حضور علیہ السلام کو خدا یا خدا کا فرزند نہ کہو، باقی جو عزت وعظمت کہ چاہو حضور کی طرف منسوب کرو کیونکہ حضور علیہ السلام کے فضائل وکمالات کی کوئی حد ہی نہیں، کہ جس کو کوئی بولنے والا اپنے منہ سے بیان کر سکے۔

[illegible]

کئے، مگر حق یہ ہے کہ اُن کے اوصاف کے دفتر کا ایک نقطہ بھی بیان نہ ہو سکا۔ کیونکہ جو کچھ بیان ہوا وہ حد کے اندر ہے، اور حضور علیہ السلام کے صفات حد سے باہر۔ رب کی حمد احمد ہی کر سکتے ہیں اور محمد کی صفت حامد رب العالمین ہی فرماتا ہے۔ ہم نہ رب کی حمد کر سکیں اور نہ کما حقہٗ نعت رسول علیہ السلام ؎

محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صفت پوچھو خدا کی ٭ خدا سے پوچھ لو شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے کہ حضور علیہ السلام دنیا کے لئے فضل اللہ ہیں اور خدا کی ذات حضور علیہ السلام کے لئے فضل اللہ ہے۔ اور آیت کے معنٰی یہ ہو سکتے ہیں کہ اِنَّ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ یعنی خود رب تعالیٰ کی ذات آپ پر فضل اللہ ہے ٭

آیت ۲۰۔ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۠ پارہ ۵۔ سورۂ نساء رکوع ۱۷

اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اُس کو اُس کے حال پر چھوڑیں گے اُسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا بُری لوٹنے کی جگہ ہے ٭

اس آیت کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک شخص طعمہ بن ابیرق نے مدینہ پاک میں چوری کر کے دوسرے کو چوری کا الزام لگا دیا، اصل واقعہ معلوم ہو جانے پر حضور علیہ السلام نے اُس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا وہ اس حکم کو سن کر راتوں رات مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ گیا اور کفار مکہ سے مل گیا انہی کا دین اختیار کر لیا اور وہاں ہی کافر ہو کر مر گیا۔ اُس کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان) ٭

یہ آیت بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت شریف ہے۔ اور اس میں چند فائدے حاصل ہوئے اوّلاً تو یہ کہ اس سے پہلی آیتوں سے معلوم ہوا تھا کہ جو حضور علیہ السلام کی اطاعت کرے وہ اللہ کا سچا فرماں بردار بندہ ہے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ جو حضور علیہ السلام کی کسی امر میں مخالفت کرے، وہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ کا مردود ہے۔ نتیجہ یہ نکلا ؎

جو ہو محبوب اس در کا وہ محبوبِ الٰہی ہے ٭ جو ہو مردود اُس در کا وہ مردودِ خدا ٹھہرے

دوسرے یہ کہ بارگاہِ مصطفےٰ علیہ السلام سے نکالا ہوا خدائی میں تو کیا خدا کے یہاں بھی امن سے نہیں رہ

[illegible] ایک شخص [illegible] والا انعام [illegible] ہو گیا اور بھاگ کر کفار سے مل گیا جب وہ مرا، اور اس کو دفن کیا گیا [illegible] بھی اُس کی نعش قبول نہ کی باہر نکال کر پھینک دی، بار بار دفن کیا گیا مگر زمین نے پھینک دیا، معلوم ہوا کہ مردودِ مصطفےٰ کہیں قبول نہیں۔ ع تیرے چتون کیا پھرے سارا زمانہ پھر گیا ٭

تیسرے یہ کہ اگر ہدایت پر قائم رہنا ہے تو اُس مذہب اور راستہ کو اختیار کرو جو عام مسلمانوں کا ہے [illegible] اگر کوئی نیا راستہ بنا کر پکڑا تو شیطان اسی طرح اُس کو تباہ کر دے گا جس طرح کہ گلّے سے دُور [illegible] والی بکری کو بھیڑیا کھا لیتا ہے۔ اور وہ راستہ وہ ہی ہے جو کہ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام علماء و مشائخ و عامۃ المسلمین کا ہے۔ جس کا نام ہے اہلِ سنّت والجماعت۔ جو مذہب بھی اس کے خلاف ہو اور جو تحریک اس کے خلاف اُٹھے وہ جہنم کی راہ ہے ٭

چوتھے یہ [illegible] اللہ والوں کی مخالفت یا کسی اسلامی حکم سے منہ پھیرنا بھی ایمان کو برباد کر دیتا ہے جیسا [illegible] کا انجام ہوا۔ اس سے عبرت پکڑنا چاہیئے ٭

آیت ۲۱۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ؕ پ ۶۔ سورۂ نساء، رکوع ۲۴۔ اے لوگو بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آئی اور ہم نے تمہارے پاس روشن نور اُتارا ٭

یہ آیت پاک حضور علیہ السلام کے نعت کے پھولوں کا نفیس گلدستہ ہے۔ اس میں جس قدر فضائل حضور علیہ السلام کے بیان ہوئے اُن کا ذکر کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ برکت حاصل کرنے کے لئے کچھ اجمالاً عرض کرتا ہوں۔ اس میں چار کلمہ غور کرنے کے قابل ہیں۔ ایک تو یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اے لوگو، دوسرے قَدْ جَآءَكُمْ، تیسرے بُرْهَانٌ یعنی دلیل، چوتھے نُوْرًا مُّبِیْنًا یعنی روشن نور۔ ظاہر ہے کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں تو صرف مسلمانوں سے خطاب ہوتا ہے اور اَلنَّاسُ میں کفار، مشرکین، یہودی، عیسائی، مجوسی غرضکہ سارے اولادِ آدم ہے۔ اس جگہ اَلنَّاسُ فرمایا گیا، یعنی اے لوگو، جس سے معلوم ہوا کہ سب انسانوں سے کلام ہو رہا ہے۔ ہر شخص اُسی کو پکارتا ہے جس کے مطلب کی بات کہے، طبیب کہتا ہے اے بیمارو! مدرّس کہتا ہے اے طالب علمو! مگر چونکہ حضور کے تشریف آوری سارے جہان کے لئے ہے، لہٰذا پکارا گیا، اے لوگو! اور فرمایا گیا کہ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ تم سب کے پاس تمہارے رب کی دلیل آئی اور نور تم سب پر اُترا جس سے معلوم ہوا، کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری اور نبوّت کسی خاص قوم یا خاص ملک

[illegible] خاص وقت کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ جو انسان اللہ کا بندہ ہے وہ حضور علیہ السلام کا امتی ہے۔ اور پہلے
پیغمبروں کی تبلیغ خاص قوم اور خاص وقت کے لئے ہوتی تھی۔ پھر فرمایا گیا کہ ہم سب کے پاس پہنچ گئے یعنی
یہ نہ سمجھنا کہ وہ صرف عرب میں آئے یا کہ عرب میں رہے وہ تمہارے سب کے پاس پہنچ گئے، جہاں تم ہو
وہاں وہ ہیں، تمہارے گھروں میں، تمہارے دلوں میں، تمہارے خیالات میں وہ جلوہ گر ہیں۔ مگر ہاں غائب
ہو تو تم ہو ؎

دوست نزدیک تر از من بمن است ☆ ایں عجب بیں کہ من از وے دورم

برہان کے معنی ہیں دلیل جس سے کہ دعوے کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ یہاں دلیل سے مراد معجزات ہیں
جس قدر معجزے کہ پہلے پیغمبروں کو ملے وہ سب کے سب حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے، اور اس کے
علاوہ اور بے شمار معجزے ملے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ حضور علیہ السلام از سر تا قدم پاک خود اللہ کی وحدانیت
اور ذات وصفات کی دلیل ہیں، لہٰذا برہان سے مراد حضور علیہ السلام کی ذات پاک ہے۔ اور پیغمبروں
کی ذات معجزہ نہ تھی۔ بلکہ کسی کے صرف ہاتھ میں معجزہ اور کسی کی سانس میں معجزہ، کسی کی لاٹھی میں معجزہ،
جیسے کہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ مگر حضور علیہ السلام کا بال شریف معجزہ کہ حضرت خالد
کی ٹوپی میں رہا تو ان کو ہمیشہ دشمنوں پر فتح ہوتی رہی۔ ہرقل کی پگڑی میں رہا تو اس کے سر کے درد کو آرام رہا۔
سیدنا عمرو ابن عاص نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے کفن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال شریف رکھ دیئے
جاویں تاکہ قبر کی مشکل آسان ہو۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ مجھے غسل دے کر میری آنکھوں
اور لبوں پر حضور کے ناخن اور بال شریف رکھ دیئے جاویں تاکہ حساب قبر میں آسانی ہو۔ معلوم ہوا کہ بال
مبارک قبر کی مشکل آسان کرتا ہے۔ صحابہ کرام بیماروں کو بال شریف کا غسل شدہ پانی پلایا کرتے تھے۔
حضرت طلحہ کے گھر ایک بار بال شریف پہنچ گیا تو انہوں نے تمام رات ملائکہ کی تسبیح وتہلیل سنی (دیکھو مدارج
النبوۃ اور مواہب لدنیہ)۔ آنکھ شریف کا معجزہ کہ قیامت تک کے واقعات کو دیکھا جنت ودوزخ،
عرش وکرسی کو ملاحظہ فرمایا بلکہ خود رب کو دیکھا، نماز کسوف میں دوزخ اور جنت کو مسجد کی دیوار میں دیکھا
پیچھے مقتدی جو کچھ کریں اس کو ملاحظہ فرماویں، ناک مبارک کا معجزہ جس نے کہ جنت کی خوشبو یمن سے
آتی ہوئی سونگھی (روح البیان یہی آیت)۔ زبان معجزہ جس کی ہر بات خدا کی وحی۔ اور وہ زبان جو کہ کن
کی کنجی ہے، منہ کا لعاب معجزہ کہ حضرت جابر کے گھر ہانڈی میں ڈال دیا، تو ہانڈی کی ترکاری میں برکت

[illegible] مبارک پانی کے چشمے نکالے۔ لیکن حضور علیہ السلام نے حضرت جابر کی ہانڈی میں لعاب
[illegible] اور بوٹیوں کے چشمے جاری فرما دیئے۔ خیال رہے کہ شوربے میں نمک مرچ گھی دھنیا
[illegible] مصالحہ ہوتا ہے لہٰذا یہ معجزہ نہایت ہی اعلیٰ ہے کہ یہاں ان تمام چیزوں کے چشمے بہا دیئے
[illegible] کی دکھتی ہوئی آنکھ میں لگا دیا تو آنکھ کو آرام ہو گیا، حضرت صدیق کے پاؤں میں غار
[illegible] یارِ غار کو مارِ غار نے تکلیف پہنچائی، اس پر لگا دیا اس کو آرام، کھاری کنوئیں میں
[illegible] کا پانی میٹھا ہو گیا۔ ہاتھ مبارک بھی دلیل کہ بدر کے دن ایک مٹھی کنکر کفار کو مارے تو
[illegible] کہ آپ نے نہ پھینکے بلکہ ہم نے پھینکے۔ اسی ہاتھ میں آکر کنکروں نے کلمہ شریف پڑھا۔
[illegible] لگی تو رب نے فرمایا کہ ان کے ہاتھوں پر ہمارا ہاتھ ہے۔ انگلیاں معجزہ کہ ایک
[illegible] انگلیاں رکھ دیں، اس سے پانچ چشمے پانی کے جاری ہو گئے۔ انگلی ہی کے اشارے سے
[illegible]

[illegible] فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر ☆ ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ وا

[illegible] مبارک بھی معجزہ کہ پتھر پر چلیں تو پتھر ان کا اثر لے لے، اور فرش پر بھی چلیں اور عرش پر بھی غرضکہ
[illegible] عضو پاک اور ہر ہر بال مبارک رب کے پہچاننے کی دلیل ہے صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى
[illegible] وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

پسینہ مبارک معجزہ کہ جس میں گلاب کی بے مثل خوشبو، جاگنا اور سونا معجزہ کہ ہر ایک کی نیند وضو
[illegible] مگر حضور علیہ السلام کی نیند وضو نہیں توڑتی، تمام جسم پاک سایہ سے محفوظ کہ سایہ بھی کسی کے قدم
[illegible]، وہ رب کا سایہ ان کا سایہ کیسا ہے ؎

[illegible] کیا کمی فرشِ بیاضِ دیدہ کی ☆ چادرِ ظل ہے ملگجی زیرِ قدم بچھائے کیوں

[illegible] پیشاب و پاخانہ نجس ہیں، مگر حضور علیہ السلام کا پیشاب و پاخانہ مبارک پاک ہیں امت
[illegible] (دیکھو شامی باب انجاس)۔ غرضکہ حضور علیہ السلام کا ہر وصف معجزہ، ہر حالت رب تعالیٰ
[illegible] دلیل۔ اس لئے فرمایا گیا بُرْهَانٌ۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک بھی معجزہ ہے چند
[illegible] کہ سب کے نام ان کے ماں باپ رکھتے ہیں، لقب قوم دیتی ہے، خطاب حکومت سے

ملتا ہے۔ مگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا نام، القاب، خطاب سب رب کی طرف سے ہیں حضرت عبد المطلب
نے فرشتہ کی تعلیم سے آپ کا نام محمد صلے اللہ علیہ وسلم رکھا، دوسرے یہ کہ سب کے نام پیدائش کے ساتویں دن رکھے
جاتے ہیں۔ مگر حضور کا نام رب تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش سے پہلے رکھ دیا کہ آدم علیہ السلام نے یہ نام
عرش کے ساقہ پر لکھا پایا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی اسی نام کی برکت سے مکمل ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے
اپنے زمانہ میں فرمایا اِسْمُهٗۤ اَحْمَدُ۔ انبیاء کرام نے حضور کے نام کی طفیل سے دعائیں کیں۔ تیسرے یہ کہ
انبیاء کرام کے نام کے معانی ایسے اعلیٰ نہیں جیسے محمد کے معانی ہیں یعنی بے عیب اور ہر طرح لائق حمد،
چوتھے یہ کہ اسی نام سے برسوں کا کافر مومن ہو جاتا ہے۔ جیسے سورج سے تمام برف پگھل جاتی ہے، پانچویں
یہ کہ حضور کے نام سے قبر کے امتحان میں کامیابی اور محشر میں نجات ہے حضور کا نام وہ کیمیا ہے جس
سے انسان کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ اور جو انہیں محمد کہکر بُرا کہے وہ اپنے منہ سے خود جھوٹا ہے۔ پھر تمام
پیغمبروں کے معجزے قصہ کی شکل میں رہ گئے۔ مگر حضور علیہ السلام کے چند معجزے قیامت تک کے لئے
باقی مثلاً قرآن کریم، احادیث صحیحہ، جگہ جگہ آپ کے بال شریف موجود جن کی زیارت ہوتی ہے، آپ علیہ
السلام کی مکمل سوانح عمری شریف مع اسناد کے ہر ایک کے سامنے یہ ایسی خوبیاں ہیں جو حضور علیہ السلام
کے سوا کسی کو عطا نہ ہوئیں۔

یہاں حضور کو بُرْهَانٌ فرمایا، دوسری جگہ نور، قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ۔ کیونکہ برہان یعنی دلیل تو
عقل سے اور نور آنکھ سے معلوم ہوتے ہیں۔ فلاسفہ منطقی لوگ حضور کو دلائل سے پہچانیں۔ عام لوگ آنکھ
سے، بحیرہ راہب آنکھ سے دیکھ کر اور سلمان فارسی عقل سے پہچان کر ایمان لائے۔

اب جو ارشاد ہوا کہ ہم نے نور اُتارا، اس نور سے مراد قرآن کریم ہے یا حضور علیہ السلام کی ذات پاک
یعنی حضور علیہ السلام دلیل بھی ہیں اور نور بھی، دلیل تو عقل سے پہچانی جاتی ہے اور نور آنکھ سے دیکھا جاتا
ہے۔ تو حضور علیہ السلام کو آنکھ سے دیکھو نور ہیں، اُن کا ہر عضو پاک نور، اور عقل سے پہچانو تو دلیل الٰہی
ہیں۔ نور کی بحث قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ کی آیت میں آوے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

آیت ۲۲۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ
الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط پارہ ۶، سورہ مائدہ، رکوع ۱۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر
اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

[illegible] حضور علیہ السلام کی
[illegible] اس کا شان نزول یہ ہے کہ حج الوداع کی سال ہے یعنی جب اللہ کے محبوب علیہ السلام
[illegible] حج ادا فرمایا، جمعہ کا دن ہے، نویں تاریخ ذی الحجہ ہے۔ عصر کے بعد کا وقت ہے، محبوب دو جہان
علیہ الصلوٰۃ والسلام اونٹ پر جلوہ گر ہیں اور خطبۂ حج ارشاد فرما رہے ہیں کہ عین اسی حالت میں یہ
آیت [illegible] نازل ہوئی۔ اتفاق سے اُس دن چھ عیدیں جمع تھیں، تین عیدیں تو مسلمانوں کی اور تین عیدیں
دوسری قوموں کی یعنی دسمبر کی پچیسویں تاریخ بڑا دن، عیسائیوں کی عید، یہود کی بھی عید تھی اور مجوس کی
بھی مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن وہ عید، حج کا دن وہ عید، محبوب کی دید یہ عید غرضکہ سارے عالم
میں خوشی ہی خوشی ہے۔ ایسی عیدیں آج تک کبھی جمع نہ ہوئیں (روح البیان)۔

اس آیت میں چند فائدے حاصل ہوئے۔ اولاً تو یہ کہ اب تک کے سارے دین ادیان موسوی و
عیسوی وغیرہ غیر مکمل تھے، وقتی طور پر دنیا میں جاری کئے گئے، پھر منسوخ کر دیئے گئے۔ مگر دین اسلام
ایسا مکمل کہ نہ اس میں کوئی کمی زیادتی کر سکے اور نہ کوئی قرآن کو بدل سکے اور نہ نیا نبی بن کر آئے، نہ کبھی یہ
دین منسوخ ہو۔ جیسے کہ طبیب اپنے کمزور مریض کو اولاً مختلف دوائیں اور غذائیں بدل بدل کر دیتا ہے۔
پھر جب پوری طاقت مریض میں آجاتی ہے تو اُس کو اعلیٰ غذا پر لا کر چھوڑ دیتا ہے۔ یا کہ بچہ کو گھٹی اور دودھ
وغیرہ اولاً عارضی غذائیں دی گئیں، پھر جب بچہ طاقتور ہو گیا۔ تو اس کو روٹی دی گئی، اسی طرح یہ۔
دوسرے یہ کہ جس طرح دین اسلام تمام دینوں سے زیادہ کامل، اسی طرح بانی اسلام علیہ السلام تمام
مذاہب کے بانیوں میں افضل اور اکمل، کیونکہ کامل کے ہاتھ پر ہر شے کامل ہوتی ہے، مدرسہ کے طلباء
چھوٹے درجوں میں مختلف استادوں کے پاس پڑھ کر ترقی کرتے رہے، مگر مسندِ فضیلت لے کر
کامل جب ہی بنے جبکہ مدرسہ کے مدرّس اعلیٰ کے پاس تعلیم حاصل کی۔ تو ان طلباء کو کامل بنانے
والا اور ان کی تعلیم کو مکمل کرنے والا کامل مدرّس ہوا۔ تیسرے یہ کہ بغیر مذہب اسلام اختیار کئے
ہوئے اور بغیر بانی اسلام کی غلامی کئے کوئی عمل، کوئی نیکی اللہ کے یہاں مقبول نہیں، ساری مردود ہیں
کیونکہ کفر ایک قسم کا زہر ہے۔ اگر کسی کھانے میں زہر پڑا ہو، اور پھر اس میں تمام عمدہ مصالحہ ڈال کر تیار کیا
جاوے تو جو بھی کھاوے گا مرے گا، جس درخت کی جڑ کٹ گئی ہو، پھر اُس کے پتوں کو عمدہ پانی، کھاد دیا
جاوے تو بیکار ہے۔ اسی طرح اگر غلامی سرکار علیہ السلام نہیں، کچھ کرو سب بیکار ہے۔

چوتھے یہ کہ دین کو کامل فرمایا گیا۔ اور نعمت کو فرمایا گیا تمام، کامل تو وہ جس میں نہ زیادتی ہو سکے [illegible]

نہ کمی۔ لہٰذا اسلام کے اصول میں اب نہ زیادتی ہو سکتی ہے نہ کمی، اور تمام وہ کہلاتا ہے جس میں زیادتی

تو ہو سکے مگر کمی نہ ہو۔ تو اگر مراد نعمت سے مسائل شرعیہ ہیں۔ تو بھی، اور اگر نعمت سے مراد فتوحات ہیں

تو بھی زیادتی ممکن ہے + پانچویں یہ کہ جب اللہ تعالیٰ اسلام سے راضی ہے تو بانیٔ اسلام علیہ السلام سے

بدرجہ اولیٰ راضی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں سے راضی، خدا تعالیٰ اسلام پر قائم رکھے آمین +

آیت ۲۳۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ پارہ ۶، سورہ مائدہ، رکوع ۳ +

بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا اور روشن کتاب +

یہ آیت کریمہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان نعت ہے۔ اس میں اہل کتاب کو

مخاطب فرما کر ارشاد ہو رہا ہے کہ اے اللہ کے بندو تمہارے پاس بڑی شان والا نور اور کھلی ہوئی کتاب

آ پہنچی + اس آیت میں حضور علیہ السلام کو نور فرمایا۔ نور وہ ہے کہ جو آپ تو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر

کر دے۔ دیکھو آفتاب نور ہے کہ آفتاب کو دیکھنے کے لئے کسی روشنی کی ضرورت نہیں وہ خود روشن ہے

اور جس پر اس نے خود توجہ کر دی وہ بھی چمک گیا + دنیا میں کوئی اپنے خاندان سے مشہور ہوتا ہے، کوئی پیشہ

کی وجہ سے، کوئی سلطنت کی وجہ سے، لیکن حضور علیہ السلام کسی وجہ سے نہیں چمکے۔ وہ تو خود نور ہیں، ان کو

کون چمکاتا۔ بلکہ اُن کی وجہ سے سب چمک گئے۔ اسی لئے کسی بادشاہی خاندان میں پیدائش پاک نہ ہوئی

دولتمند گھرانے میں جلوہ گری نہ فرمائی، حتیٰ کہ ولادتِ پاک سے پہلے والد کا سایہ بھی سر سے اٹھا لیا گیا

نبوت کے ظہور سے پہلے تقریباً سارے اہلِ قرابت آگے پیچھے دنیا سے چلے گئے، اور بعدِ نبوت جو باقی رہے

وہ خون کے پیاسے، تاکہ کوئی نہ کہہ سکے کہ حضور علیہ السلام کی یہ شہرت اُن کے خاندان یا اہلِ قرابت کی

وجہ سے ہے + غرضکہ اس قدر بے سروسامانی ہے، مگر تمام دنیا پہچانتی ہے، کیسی پہچانتی ہے کہ ولادت

پاک سے پہلے دنیا میں ہلچل مچ گئی، کہ نبی آخر الزمان کا زمانہ قریب آگیا۔ دوستوں میں خوشی اور دشمنوں

میں رنج پھیل گیا۔ جیسے کہ سورج کے نکلنے سے پہلے آسمان پر روشنی پھیل جاتی ہے، بچپن شریف میں

تمام لوگ تو کیا جانور اور پتھر بھی پہچانتے ہیں کہ یہ نبی آخر الزمان ہیں +

حلیمہ دائی حضور علیہ السلام کو لے کر اپنے گھر چلیں، تو خچر نے کہا کہ اے حلیمہ! میری پشت پر نبی

[illegible] پھر حضور کی وہ نورانیت ہے کہ آپ کو زمین جانے، آسمان پہچانے، فرشی جانیں

[illegible] اشارے سے سورج ڈوبا ہوا لوٹے، پورا چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جاوے

[illegible] حضور کا اشارہ ہے +

[illegible] شریف آج تیرہ سو سال سے زیادہ سال گذر چکے ہیں مگر زمین کے ہر گوشہ میں دُنیا کے

[illegible] آپ کا نام آپ کے سارے کام آپ کی زندگی مبارک کا ایک ایک حال شریف دنیا والوں کے

[illegible] عرصہ میں دنیا میں معشوق گزرے، بادشاہ بھی گزرے، بڑے بڑے عالم و فاضل بھی

[illegible] کا نام بھی نہ رہا ؎

کیا [illegible] تارے کھلے چھپ گئے + پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی صلے اللہ علیہ وسلم

[illegible] آپ کے ظاہر ہونے کا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کی برکت سے دوسرے کس طرح ظاہر

[illegible] متعلق مختصراً یہ عرض ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے اولاد والے، مال والے، بادشاہت

[illegible] انہوں نے اپنا نام باقی رکھنے کے لئے بہت کوشش کی، کسی نے کوئی عمارت بنوا کر

[illegible] تاج محل وغیرہ، کسی نے کوئی کتاب لکھوائی، غرضکہ اپنا نام چلانے کی بہت تدبیریں کیں،

[illegible] لیکن حضور علیہ السلام کے والدین کریمین حضرت آمنہ خاتون، حضرت عبد اللہ، عبد المطلب

[illegible] اسی طرح حضور علیہ السلام کی خدمتِ پرورش انجام دینے والے لوگ جیسے کہ حضرت حلیمہ

[illegible] دنیا میں قیامت تک کے لئے مشہور ہو گئے۔ کیوں صرف اس لئے کہ حضور علیہ السلام کی

[illegible] نسبت ہو گئی، غرضکہ اپنے خاندان کو چمکایا اور اپنے ملک کو چمکایا، جس جگہ قدم پاک پہنچ

[illegible] جہان والوں کے لئے زیارت گاہ بن گئی۔ اگر ملکِ عرب میں آپ کا ظہور نہ ہوتا تو آج کعبہ کو کون

[illegible] کو کون جانتا۔ دیکھو اس ملک میں نہ کوئی تماشا گاہ ہے، نہ کشمیر اور پیرس کی طرح تفریح کے انتظام

[illegible] میوے کے باغ مگر تمام دنیا اُس کی طرف کھچی جا رہی ہے۔ کیوں اس لئے کہ عرب کے چمن میں

[illegible] کے چمن سے ایک ایسا پھول کھلا کہ جس کی مہک سے دنیا معطر ہو گئی +

وہ پھول مدینہ کی کیاری میں جلوہ گر ہے، اُس کی کشش سے سب اُدھر بھاگے جا رہے ہیں غرضکہ

[illegible] آسمان کی چکی سب کو پیس دیتی ہے، لیکن جو مدینہ والی کھونٹی مرکز عالم سے لگ جاتا ہے وہ اس چکی سے

[illegible] نہیں سکتا، بچ جاتا ہے ؎

چلی نے پان دیکھ کر اور دیا لبیر اور دے ٭ جو پان میں آگیا سو ان میں بچا نہ کوئے

چلی چکی سب کہیں اور کیلی کہے نہ کوئے ٭ جو کیلی سے لاگا اس کا بال نہ بیکا ہوئے

یہ تو دوستوں کا ذکر تھا جنہوں نے دشمنی کی وہ بھی مشہور ہو گئے جیسے ابو جہل وغیرہ۔ یہ تو نور کے معنی کی تحقیق تھی۔ اب دو باتیں اور بھی قابلِ غور ہیں۔ ایک تو یہ کہ نور کو کتاب کے ساتھ کیوں جمع فرمایا گیا؟ یہ ہے کہ کوئی کتاب بھی اندھیرے میں نہیں پڑھی جاتی، روشنی چاہیے۔ اسی طرح کتاب الٰہی کو وہ جان سکتا ہے جس کے دل میں وہ نورِ الٰہی جلوہ گر ہو، جب وہ دل میں آئے تو قرآن ہاتھ میں آیا ہے

وہ جس کو ملے ایمان ملا، ایمان کو کیا رحمان ملا ٭ قرآن بھی جب ہی ہاتھ آیا جب دل نے وہ نورِ ہدیٰ پا

دوسرے یہ کہ نُوْرٌ کی تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی بڑا نور۔ حضور کا بڑا نور ہونا چند طرح ہے اولاً سورج کی روشنی دنیا میں کم و بیش ہوتی رہتی ہے، صبح کو ہلکی، دوپہر کو زیادہ، شام کو پھر کم، رات میں بالکل غائب مگر نورِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کبھی کم نہیں، پھر سورج ہر وقت آدھی زمین کو روشن کرتا ہے۔ مگر نورِ حبیب علیہ السلام ساری زمین کو بلکہ فرش و عرش کو، سورج بدن کے ظاہر کو چمکاتا ہے، اور نورِ حبیب علیہ السلام دل و دماغ کو، خیال کو غرضکہ سب کو ہی چمکاتا ہے، جو آدمی سورج سے بچنے کے لئے تہ خانہ کو ٹھڑی میں چھپ جاوے، تو دھوپ سے بچ جاوے گا۔ مگر نورِ محمدی تو تہ خانہ میں، کوٹھڑی میں، پہاڑ پہ، جہاں خدا کی خدائی ہے وہاں پہنچتا ہے، کسی کو محروم نہیں کرتا، جو خود اس سے فائدہ نہ اٹھائے وہ بدبخت ہے

حضور کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی، مکہ شریف بیچ زمین میں واقع ہے۔ کیونکہ محفل میں کناروں کے گیس خاص خاص جگہ روشنی دیتے ہیں، مگر درمیان کا بہت تیز گیس ساری محفل کو منور کرتا ہے دیگر انبیاء کرام اطرافِ عالم کے گیس تھے جو خاص جماعتوں کو ہدایت دیتے رہے۔ مگر حضور علیہ السلام ساری خدائی کے نور ہیں۔ لہٰذا بیچ میں جلوہ گری فرمائی۔ اسی لئے فرمایا یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا حضرت یوسف مصر میں جا کر چمکے، جج کچہری میں، مولوی مدرسہ میں، بابو اسٹیشن پر مگر حضور علیہ السلام ہر جگہ چمکے، اُن کا سکہ عرش و فرش، ہر بازار میں چلتا ہے ٭

رب نے اس آیت میں تو حضور کو نور فرمایا اور قرآن کو فرمایا مُبِیْن یعنی ظاہر کرنے والا، نُور میں اور مُبِین میں کیا فرق ہے؟ نُور تو آنکھ سے نظر آتا ہے بلکہ اندھے بھی کچھ نہ کچھ محسوس کر لیتے ہیں۔ اس معنی سے تو حضور علیہ السلام نُور ہوئے۔ کہ اندھے ابو جہل وغیرہ بھی آپ کے قائل ہو گئے۔ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ

اَبْنَآءَهُمْ قرآن کریم کو وہ ہی پہچان سکتا جو ایمان سے آیا، اور اس کے ساتھ وہ ہی تعلق رکھتا ہو جو اجہار رکھتا ہو، قرآن کو پا لینا ہر ایک کا حصہ نہیں، قرآن فرماتا ہے فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ٥ یعنی اے محبوب یہ کافر آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ یہ تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کافر بھی محبوب علیہ السلام کو امین، سچا، راستباز جانتے تھے، ہاں قرآن کو نہ مانتے تھے۔ یہ فرق ہے نُوْرٌ میں اور مُبِیْنٌ میں۔ یا یوں سمجھ لو کہ قرآن کو حضور نے چمکایا کیونکہ آپ نور ہیں اور قرآن نے حضور علیہ السلام کے اوصاف جگہ جگہ بیان فرمائے، کیونکہ وہ بیان کرنے والا مُبِین ہے صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ٥

آیت ۲۴۔ اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ٥

پارہ ۶، سورہ مائدہ، رکوع ۸۔ تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں ٭

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو ایک ضروری حکم دیا گیا ہے۔ مگر ساتھ ہی حضور علیہ السلام کی عزت و عظمت کا خطبہ ارشاد ہو رہا ہے۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ سیدنا عبد اللہ ابن سلام جو کہ یہود کے عالم تھے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اس پر ان کی قوم بنی قریظہ اور بنی نضیر نے آپس میں کمیٹی کر کے یہ فیصلہ کر لیا کہ چونکہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اس لئے ان کا بائیکاٹ کیا جاوے، چنانچہ ساری قوم نے ان سے شادی بیاہ، خرید و فروخت، اٹھنا بیٹھنا سب یکدم چھوڑ دیا۔ اس پر سیدنا عبد اللہ ابن سلام نے اپنی قوم کی شکایت حضور سے کی، کہ میں ساری قوم میں تنہا رہ گیا۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان کو فرمایا گیا۔ کہ اگر تم سے کفار علیحدہ ہو گئے تو تم کو کیا غم ہے، تم سے کفار چھوٹے، اور اللہ اور اللہ کے رسول اور مسلمانوں کی دوستی اور محبت حاصل ہوئی۔ تم اس سودے میں نقصان میں نہیں رہے، کافروں کو چھوڑا اور خدا کو لیا، دامنِ مصطفےٰ کا سایہ مل گیا، مسلمانوں کی دوستی حاصل ہو گئی ٭ اس سے مسلمانوں کو چند فائدے حاصل ہوئے۔ ایک تو یہ کہ اللہ کے سوا، رسول علیہ السلام اور مسلمانوں سے دوستی کرنا گناہ نہیں ہے، دوسرے یہ کہ اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی مدد اور دوستی تمام کے مقابلہ میں کافی ہے۔

کوئی ملے ملے نہ ملے مصطفےٰ ملے ٭ وہ شے ملے کہ ملنے سے جس کے خدا ملے

تیسرے یہ کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اسلام کی لذت وہ ہی پا سکتا ہے جو اللہ کے لئے محبت اور

جیسے یہ کہ اولیاء اللہ، مشائخ عظام، علماء کرام، صحابہ و اہلِ بیت عظام کی محبت اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ یہ حضرات مومن اور مومنوں کے سردار ہیں۔ اسی کو سورۂ فاتحہ میں فرمایا گیا صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ۔ خدایا ہم کو اُن کے راستہ پر چلا جن پر تُو نے انعام فرمایا ہے، اور حقیقت میں مسلمانوں یا اولیاء کرام سے محبّت رکھنا حضور علیہ السلام کی محبّت کے لیئے ہے۔ یہ حضرات رسول اللہ کو پانے کے دروازے ہیں، صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم ٭

آیت ۲۵۔ یٰٓاَیُّہَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ط پارہ ۶، سورۂ مائدہ، رکوع ۱۰ + اے رسول پہنچا دو جو کہ اُترا تم پر تمہارے رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہو تو تم سے اُس کا کوئی پیغام نہ پہنچایا جائے اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے ٭

اس آیت میں بظاہر تو حضور نبی کریم علیہ السلام کو تبلیغ فرمانے کا حکم دیا جا رہا ہے، مگر ساتھ ہی حضور علیہ السلام کی نعت شریف بھی ظاہر ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ اے محبوب علیہ السلام آپ بے خوف و خطر احکام کی تبلیغ فرمایئے۔ اور کسی دشمن سے خوف نہ فرما دیں۔ کیونکہ ہم آپ کے محافظ ہیں + پہلے پیغمبروں کو کافروں نے شہید کر دیا۔ یا اُن کی تبلیغ روکنے کی کوششیں کیں۔ لیکن آپ کی عزت و عظمت وغیرہ کے ہم محافظ ہیں۔ اب کون ہے جو آپ کو نقصان پہنچا سکے لہٰذا آپ خوب تبلیغ فرما دیں۔

شانِ نزول اِس آیت کا یہ ہے کہ یہودِ مدینہ منوّرہ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم بڑی جماعت والے ہیں اور طاقتور بھی ہیں۔ اگر آپ اپنی تبلیغ چھوڑ دیں تو ہم آپ کی عزت کریں گے اور خدمت کریں گے اور اگر اپنی تبلیغ جاری رکھی تو ہم آپ کو شہید کر دینگے، چنانچہ مہاجرین و انصار حضرات آپ کی حفاظت کے لئے ہر وقت خدمت میں حاضر رہنے لگے۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تب حضور علیہ السلام نے ان تمام خدمتگاروں سے فرمایا کہ آپ لوگ اب اپنے اپنے گھر آرام کریں، میری حفاظت کی ذمہ داری میرے رب نے فرمالی (روح البیان) ٭

سُبحان اللہ! رب نے دین اسلام اور قرآن کے بارے میں فرمایا وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ہم ہی اُس کے محافظ ہیں، اور صاحبِ قرآن کے لئے ارشاد فرمایا کہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھیں گے، پہلے انبیاء ہلاک ہو گئے، کتابیں محفوظ نہ رہیں + یہاں قرآن محفوظ اور اسلام اور مسائل غرضکہ ہر چیز محفوظ ہوئی۔ اس حفاظت ہی کا اثر تھا کہ کفارِ مکہ نے اور یہودِ مدینہ نے جان توڑ کر کوششیں کیں کہ شہید کر دیں نہ کر سکے، رب [illegible] نے غارِ ثور میں مکڑی کے جالے سے حبیب علیہ السلام کو بچا لیا۔ یہ ہی نہیں کہ اُس زمانہ میں ہی یہ حفاظت [illegible] قیامت تک کے لئے آپ کی عزت و عظمت کو محفوظ کر دیا + آج بھی بادشاہوں کے خلاف لوگ [illegible] چھاپ دیتے ہیں۔ مگر بحمد ربی تعالیٰ کسی بے دین کو بارگاہِ رسالت میں گستاخی کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اگر کسی نے گستاخی کی وہ فوراً اپنی سزا کو پہنچ گیا، یہ حفاظتِ رب ہے ٭

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے پریشان کیا، تو چہارم آسمان پر بُلا کر اُن کی حفاظت فرمائی۔ اس سے [illegible] کہ محبوب کو دشمنوں میں ہی رکھا اور فرمایا کہ محبوب خوب تبلیغ کئے جایئے ٭

ایک گورنر کی رعایا اُس سے نہ دبی، اُس کو بادشاہ نے شاہی محل میں بُلا لیا۔ دوسرے گورنر نے سب کو قابو میں کر لیا، اُس کو حکم ملا کہ آپ وہاں ہی رہئے اور حکومت کیجئے، ہر طرح کی امدادِ سلطانی آپ کو بھیجی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ دوسرا حاکم بڑے دبدبہ والا ہے ٭

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص کہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ظاہر نہ فرمایا، حضرت عمر کے ڈر کی وجہ سے، وہ بے دین کافر ہے، سارے ہی احکام تبلیغیہ کی تبلیغ فرما دی صلی اللہ علیہ وسلم

آیت ۲۶۔ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ پارہ ۷، سورۂ مائدہ، رکوع ۱۲ + اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ہوشیار رہو پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول پر واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہے + اس آیت میں مسلمانوں کو خدا اور رسول علیہ السلام کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور حضور علیہ السلام کی نعت ارشاد ہوئی ہے، اولاً تو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ رب تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا علیحدہ ذکر فرمایا اور رسول علیہ السلام کی اطاعت کا علیحدہ۔ اس سے بہت پُرلطف بات یہ حاصل ہوئی کہ صرف قرآن کو مان لینا ہی ہدایت کے لئے کافی نہیں، یا یوں کہنا کہ خدا کی اطاعت ہی حضور کی اطاعت ہے، احادیث کی ضرورت نہیں۔ محض بے دینی ہے + بعض وہ کام ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اُن کا حکم دیا قرآن کریم میں اُن کا ذکر نہیں سُنّتِ نبوی سمجھ کر اُمّت کرتی ہے۔ ان دونوں کا بجا لانا اور دونوں کو حق جاننا اسلام میں ضروری ہے۔

ہے کہ قرآن کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح ... [illegible]
ہے کہ کسی کلام کے حدیث ہونے میں شک ہو، پھر اس کے ثبوت کا انکار کرے۔ مگر جس کو یقینی طور پر معلوم ہو
جاوے کہ یہ فرمانِ مصطفےٰ ہے، پھر اُس کو بُرا جانے، کافر ہے + حضرت صدیق نے خود سُن لیا، کہ سرکار فرماتے
ہیں کہ گروہِ انبیاء کی میراث نہیں تقسیم ہوتی، اُن کا چھوڑا ہوا مال صدقہ وقفی ہے۔ حالانکہ میراث کا ثبوت
قرآن کریم سے تھا، مگر حضور علیہ الصلوٰة والسلام کی میراث تقسیم فرمائی ہی نہیں۔ حتّٰی کہ حضرت علی رضی اللہ
عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں تقسیم میراث حضور کی نہ کی، باغات اور زمین مثل زمانہ صدیقی و فاروقی الخ
وقف صرف ہوتی رہی + نہایت پُر لطف بات یہ بھی ہے کہ اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت میں
فرق بھی ہے۔ وہ یہ کہ رب تعالیٰ کی اطاعت صرف فرمان کی ہوگی، اُس کے کاموں میں اطاعت نہیں،
لیکن حضور علیہ السلام کی اطاعت تین چیزوں میں کی جاوے گی، قول، فعل اور سکوت یعنی جو فرمادیا اُس
کو مان لو، جو حضور نے خود کرکے دکھایا اُس کو مانو، جو کسی کو کرتے ہوئے دیکھ کر منع نہ فرمایا اُس کو مان لو
رب تعالیٰ کے افعال اور تقریر میں اطاعت نہیں، رب تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ کفار کی امداد نہ کرو، مگر
خود اُن کو رزق دیتا ہے، عیش و آرام دیتا ہے، کبھی کفار کو مسلمانوں کے مقابلہ میں فتح دیتا ہے لڑائی
میں، اگر کوئی کہے کہ جب خدا اُن کو نعمتیں دے رہا ہے تو ہم بھی اُن کی خدمتیں کریں تو غلط ہے، پروردگار
کبھی اپنے انبیاء کرام پر عتاب فرماتا ہے، ہم بھی معاذ اللہ ایسے کلمات انبیاء کے لئے بولیں، تو یہ عین
کفر ہے۔ کیونکہ یہ تو رب تعالیٰ کے افعال ہیں، رہے اُس کے احکام، ہمارے لئے وہ اور ہیں، ہم کو حکم
دیا کفار کی امداد نہ کرو، اور اگر تم نے اپنی آواز بھی نبی علیہ السلام کی آواز پر اونچی کردی تو تمہارا ایمان ختم ہے
غرضکہ ان دونوں اطاعتوں میں فرق ہونے کی وجہ سے دو جگہ کلمہ اَطِیْعُوْا فرمایا گیا + تیسری بہت لطف
کی بات یہ معلوم ہوئی۔ کہ فرمایا جا رہا ہے، تم یہ نہ سمجھنا کہ اگر تم نے حضور کی اطاعت نہ کی تو اُن کا کچھ نقصان
ہوگا۔ وہ تو اپنا فرضِ تبلیغ ادا فرما چکے، اب نہ ماننے کا وبال تم پر ہوگا۔ تمہاری اطاعت سے اُن کا کوئی ذاتی فائدہ
نہیں، اور تمہاری مخالفت سے اُن کا کوئی نقصان نہیں، وہ بے پرواہ بادشاہ ہیں، ہاں تم نیاز مند ہو ؎

تم تو جس خاک کو چاہو وہ بنے بندۂ پاک ❊ میں بنی کس کو بناؤں جو خفا تم ہو جاؤ
تمہارے سیکڑوں ہم سے گدا ہیں ❊ ہمارے آپ ہی اک آسرا ہیں

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ○ پارہ ۷
سورۂ مائدہ، رکوع ۱۳ + اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی جاویں۔ تو تم کو بُری لگیں، اور اگر
انہیں اس وقت پوچھو گے جبکہ قرآن اُتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کردی جائیں گی، اللہ انہیں معاف کر چکا اور اللہ
بخشنے والا حلم والا ہے +

یہ آیت پاک حضور علیہ السلام کی نعت کا ایک گلدستہ ہے، جس میں طرح طرح کے نعتیہ پھول مہک
رہے ہیں + اس کے شانِ نزول میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض لوگ حضور علیہ السلام سے بہت سے
بے فائدہ سوال کیا کرتے تھے۔ ایک روز ارشاد فرمایا اچھا جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لو، ہم ہر بات کا جواب دینگے،
ایک نے پوچھا میرا انجام کیا ہوگا؟ فرمایا جہنّم۔ دوسرے نے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے؟ حضور نے فرمایا کہ تو
حذافہ کے نطفہ سے ہے یعنی تو حرامی ہے (کیونکہ اُس کی ماں حذافہ کی بیوی نہ تھی) اس پر یہ آیت نازل
ہوئی۔ اور فرمایا گیا۔ کہ اے مسلمانو! ہمارے محبوب سے ایسی باتیں نہ کھلواؤ، جس میں تمہارے عیب کھل
جاویں (تفسیر احمدی) + مسلم و بخاری کی روایت میں ہے کہ اسی موقعہ پر عبد اللہ ابن حذافہ سہمی نے
پوچھا کہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حذافہ، عبد اللہ کی والدہ نے یہ واقعہ سُنا تو کہنے لگیں کہ تو بڑا نالائق ہے۔
تجھے کیا معلوم کہ زمانہ جاہلیت کی عورتوں کا کیا حال تھا۔ اگر تیری ماں سے کوئی قصور ہوا ہوتا تو وہ آج
کیسی رسوا ہوتی + مسلم کی روایت میں ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مسلمانوں پر حج فرض
ہے۔ اس پر ایک شخص نے کہا، کیا ہر سال فرض ہے؟ حضور نے خاموشی اختیار فرمائی، سائل نے بار بار
یہی سوال کیا، تو ارشاد فرمایا کہ اگر ہم اُس وقت ہاں کہدیتے، تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا، اور تم نہ
کر سکتے۔ اس پر یہ آیت اُتری اور فرمایا کہ اے مسلمانو! سوالات کر کے ایسی قیدیں مت لگواؤ، جو تم کو
بھاری پڑیں + اِس میں چند طرح سے حضور علیہ السلام کی نعت بیان ہوئی، اوّلاً تو اس طرح کہ بارگاہِ
الٰہی میں حضور علیہ السلام کی وہ عزّت و عظمت ہے کہ رب تعالیٰ غلاموں کو بارگاہ میں اُٹھنے، بیٹھنے، بولنے
اور بات پوچھنے کے آداب تعلیم فرماتا ہے۔ کہ اس طرح بات پوچھو، اس طرح کلام کرو، وغیرہ وغیرہ اور
حضور علیہ السلام کو ضرورت محسوس نہیں ہوتی، کہ کسی کو اپنا ادب کرنا سکھائیں ؎

بے اجازت اُن کے گھر میں جبریل آتے نہیں ❊ آنکھ والے جانتے ہیں عزّ و شانِ اہل بیت

دوسرے اس طرح [illegible] روایت کی بنا پر معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام تمام لوگوں کی اصل اور ان [illegible]

انجام سے بخوبی واقف ہیں، کہ کون کس کا بیٹا ہے، اور کون جہنمی ہے اور کون جنتی۔ یہ ہیں معنی حاضر و ناظر [illegible]

مگر پردہ پوش ہیں ہر ایک کے حالات بیان نہیں فرماتے۔ اس سے یہ نہ سمجھو کہ وہ جانتے بھی نہیں [illegible]

یہ کہ دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام مالک احکام بنائے گئے ہیں، جو کلمہ اس زبان پاک [illegible]

سے نکل جاوے وہی قانون الٰہی بن جاتا ہے۔ سب تو قانون کے منتظر مگر قانون جنبشِ زبانِ مصطفےٰ علیہ السلام [illegible]

کا ہے

مالک ہیں خزانۂ قدرت کے جو جس کو چاہیں دے ڈالیں
دی خلد جناب ربیعہ کو، بگڑی لاکھوں کی بنائی ہے
اللہ کی مرضی سب چاہیں، اللہ رضا اُن کی چاہے
ہے جنبشِ لب قانونِ خدا، قرآن و خبر کی گواہی ہے

چوتھے یہ کہ جس چیز کو شریعت نے حرام نہ کیا ہو وہ حلال ہے + مشکوٰۃ جلد دوم میں کتاب الاطعمہ میں [illegible] کہ حلال وہ جسے اللہ نے حلال کیا، حرام وہ جسے اللہ نے حرام کیا، اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ معاف [illegible] تو اب محفل میلاد، فاتحہ بزرگان، مدارس دینیہ جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ تھے وہ تمام جائز [illegible] کیونکہ شریعت نے ان کو کہیں حرام نہ فرمایا۔ اس آیت میں یہی فرمایا جا رہا ہے۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا یعنی [illegible] نے اُن کو معاف کر دیا۔ پانچویں یہ کہ اگر کوئی بزرگ کوئی عمل یا وظیفہ بتاوے اور اس میں کوئی پابندی [illegible] بتاوے تو خواہ مخواہ پوچھ پوچھ کر پابندیاں نہ لگواؤ + بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ ایک گائے کو ذبح کر [illegible] اُس کا گوشت میت کے مارو تو وہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتا دے گا۔ مگر انہوں نے بار بار پوچھا کہ گائے [illegible] کیسی ہو، کس رنگ کی ہو، کس عمر کی ہو، پوچھتے رہے، اور پابندیاں بڑھتی رہیں۔ اگر بغیر پوچھے ہو [illegible] کوئی سی گائے بھی ذبح کر دیتے کافی تھا۔ اسی طرح پوچھ پوچھ کر قیود نہ لگاؤ +

آیت ۲۸ - قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○ پارہ ۷، سورۂ انعام، رکوع ۱۱ + ہم کو معلوم ہے کہ آپ کو رنج دیتی ہے [illegible] بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ تم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں +

اس آیت سے بھی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف صاف طور پر ظاہر ہے اور آپ [illegible] کا تقرب الی اللہ معلوم ہوتا ہے + شانِ نزول اس کی یہ ہے، کہ اخنس ابن قیس ابو جہل کا بڑا دوست [illegible]

[illegible] ابو جہل [illegible]

[illegible] ہے، میری تیری بات کی کسی کو خبر نہیں ہوگی۔ تو سچ بول دے کہ محمد رسول اللہ [illegible] ابو جہل نے کہا، اللہ کی قسم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بے شک سچے ہیں کبھی کوئی جھوٹا [illegible] لیکن بات یہ ہے۔ کہ یہ قصی کی اولاد ہیں۔ ان کے خاندان میں تمام بزرگیاں پہلے [illegible] کے پانی پلانے والے، خانہ کعبہ کے حاجب وغیرہ یہ ہی ہیں۔ اب نبوت بھی [illegible] تو باقی قریشیوں کے لئے کون سی عزت باقی رہ گئی + اس پر یہ آیت کریمہ اتری [illegible] نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ کہ ایک بار ابو جہل نے حضور صلے [illegible] کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم آپ کی تکذیب نہیں کرتے۔ ہم تو اس کتاب کو جھوٹا [illegible] آپ لائے ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری +

[illegible] حضور علیہ السلام کی عظمتِ شان چند طرح ثابت ہوئی، اولاً تو اس طرح کہ حضور علیہ السلام [illegible] ایسے محبوب ہیں کہ اگر کسی کی بات سے دل مبارک کو رنج پہنچ جاوے، تو رب [illegible] دل کی تسکین فرماتا ہے۔ کفار تو ایذا پہنچاویں، مگر رب پاک تسلی دے۔ کفار جو کہتے [illegible] اس لئے خاطر اقدس پر ملال گزرتا تھا۔ تو کس انداز سے فرمایا کہ پیارے یہ تم کو [illegible] ہم کو اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں تم کیوں رنج کرتے ہو + دوسرے اس طرح [illegible] علیہ السلام کی ایسی پاک اور ستھری زندگی شریف ہے کہ دوست تو دوست دشمن بھی [illegible] سچے ہیں۔ اگر دنیا میں کوئی ایسی ہستی گزری کہ جس نے کبھی خوش طبعی میں بھی [illegible] جھوٹ نہ بولا، وہ ہستی پاک صاحبِ لولاک ہے، صلے اللہ علیہ وسلم +

[illegible] کہ انسان کے ہم وطن لوگ اور خاص کر لڑکپن کے دوست اس کی اندرونی اور بیرونی [illegible] غیروں میں پہنچ کر کوئی کیسا ہی پاک دامن بنے، مگر اپنوں سے مشکل سے [illegible] حضور علیہ السلام کی وہ ذات ہے کہ جب دعوئ نبوت فرمایا، تو سب سے پہلے لڑکپن [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایمان قبول کیا، اور شریکِ زندگی خدیجۃ الکبریٰ نے، جن [illegible] محض حسد کی وجہ سے، آپ کی ذاتِ پاک پر کوئی عیب نہ لگا سکے + تیسرے [illegible] ہو سکتے ہیں کہ اے محبوب آپ کی نبوت کا انکار، آپ کے کمالات پر

اگر اس افسر اور آپ کی تعریف [illegible]

کو افسرِ اعلیٰ بنا کر اپنی رعایا کی طرف بھیجے اور لوگ اُس افسر کی مخالفت کریں اور اس کو افسر نہ مانیں تو وہ

حقیقت میں بادشاہ کی مخالفت کرتے ہیں اور سلطنت کے باغی ہیں. تو جو بھی حضور علیہ السلام کے کمال

سے انکار کرتا ہے وہ درپردہ خدا کی آیات کا انکار کرتا ہے + چوتھے اس طرح کہ آیت کہتے ہیں رب

تعالیٰ کی نشانی کو جس سے خدا کو پہچانا جاوے، آیات اس کی جمع ہے نشانیاں. تو حضور علیہ السلام خدا

کی ذات کی آیات ہیں. یعنی حضور کی ذات اور حضور علیہ السلام کے صفات رب کو پہچاننے کا ذریعہ

ہیں، ان کفار نے آپ کی نبوّت و رسالت کا انکار کیا، فرمایا کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کا انکار کر دیا

پانچویں اس طرح کہ دنیا کی ہر چیز قدرت الٰہی کی نشانی ہے فَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَهٗ اٰیَةٌ + تَدُلُّ

عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ + یعنی ہر چیز خدا کی وحدانیت کا پتہ دے رہی ہے. مگر دنیا کی ہر چیز خدا کی ایک

صفت کی نشانی ہے. سُورج خدا کے نور کا پتہ دیتا ہے. پانی و ہوا خدائے پاک کی سخاوت کا خطبہ

پڑھ رہے ہیں. مگر حضور علیہ السلام رب تعالیٰ کی ذات اور ساری صفات کے مظہرِ اعلیٰ ہیں، اگر

رب کا علم دیکھنا ہے تو علمِ مصطفےٰ دیکھو، اگر رب کی سخاوت دیکھنا ہے تو سخاوتِ محبوب کا مطالعہ کرو

دو جہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں ۔ مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دعائے برکت دے دی، تو سب کے باغوں میں سال میں ایک بار

پھل آتا تھا، مگر حضرت انس کے باغ میں سال میں دو بار (مشکوٰۃ باب الکرامات). حضرت جابر

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تھوڑے سے جَو عنایت فرما دیئے، تو تیس سال تک وہ جَو ختم نہ ہو

(مشکوٰۃ باب المعجزات) ایک پیالہ پانی تھا آپ نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں، انگلیوں سے

پانی کے چشمے جاری ہو گئے. سیکڑوں آدمیوں نے اُس سے وضو کیا، غسل کیا، جانوروں کو پلایا اور

مشکیزے بھر لئے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر چار سیر آٹے سے تمام لشکر اور سارے مدینہ

والوں کو دعوت کھلا دی. یہ ہے سخاوتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

اگر قدرتِ خدا کا نظارہ کرنا ہے تو محبوب کی قدرت کو دیکھو کہ اشارے سے ڈوبا ہوا سورج

واپس کر لیا (شامی). پورا چاند دو ٹکڑے کر ڈالا (قرآن کریم) رفعِ حاجت کے لئے دو درختوں کو

جو دُور دُور تھے جمع فرما دیا. اگر نورِ الٰہی دیکھنا ہو تو جمالِ مصطفےٰ دیکھو ۔

کبھی آسمان کے چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی اپنے مدینہ کے چاند کو، واللہ شکلِ مصطفےٰ چاند

سے اچھی ہے ۔ میں وہ شاعر نہیں جو چاند کہہ دوں اُن کے چہرے کو

میں اُن کی کفشِ پا پر چاند کو قربان کرتا ہوں

غرضکہ حضور علیہ السلام رب تعالیٰ کی آیات ہیں، جس نے ان کا انکار کیا، اُس نے رب تعالیٰ

کا انکار کیا، اور جس نے ان کو مانا، اُس نے رب کو پہچانا. صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ

اَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلَّمْ ۔

آیت ۲۹ - وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ط

(پارہ ۷ سورۂ انعام، رکوع ۱۱) + اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہئے تھی، جب بولے کہ اللہ نے

کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا ۔

بظاہر تو یہ آیت پاک کفار یہود کی برائی میں نازل ہوئی، مگر نظرِ ایمان سے دیکھا جاوے تو حضور

علیہ السلام کی نعت پاک کے اس میں ایسے پھول مہک رہے ہیں جس سے دماغِ ایمان معطر ہوتا ہے ۔

شانِ نزول اس آیت کی یہ ہے کہ ایک بار یہود کی ایک جماعت اپنے عالموں کے سردار مالک

ابن صیف کو لے کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں مناظرے کے لئے آئی، حضور علیہ السلام نے اس سے

فرمایا اے مالک! تجھے اُس پروردگار کی قسم دیتا ہوں، جس نے حضرت موسےٰ پر توریت نازل فرمائی، کیا تو

نے توریت میں دیکھا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ الْحَبْرَ السَّمِیْنَ یعنی خدا تعالیٰ موٹے عالم کو دشمن رکھتا ہے

کہا ہاں، حضور نے فرمایا تو موٹا عالم ہے. توریت کے حکم سے خدا کا تو دشمن ہے. اس پر وہ غصہ میں آکر

کہنے لگا کہ خدا نے کسی بشر پر کچھ بھی نہیں اُتارا. اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں فرمایا گیا، کہ ان کم بختوں

نے خدا کی قدر ہی نہ جانی، کہ اُس کی کتابوں اور پیغمبروں کا انکار کر دیا، اچھا تو حضرت موسےٰ پر توریت کس

نے اتاری تھی. سارے یہودی مالک کی یہ بات سُن کر مالک سے برہم ہو گئے. یا تو تعظیم سے ملتے تھے

یا اس کو جھڑکنے لگے، اور اس عہدے سے اُس کو علیحدہ کر دیا (مدارک وخازن) ۔

اس آیت سے چند طرح سے حضور علیہ السلام کی صفت معلوم ہوئی، اولاً تو اس طرح کہ حضور علیہ السلام عالم

علم لدنی ہیں، نہ کسی سے علم پڑھا، نہ کسی عالم سے فیض لیا، مگر مناظرہ کا طریقہ ایسا نفیس اختیار فرمایا.

ہی مذہب کے اعتبار سے بے دین ہے، تجھ سے گفتگو کیسی؟

دوسرے اس طرح کہ توریت شریف زبانِ عبرانی میں تھی، نہ آپ نے کسی سے توریت پڑھی، اور زبانِ عبرانی کسی سے سیکھی، مگر قربان اس علم کے کہ توریت کی آیات پر بھی نظر ہے اور زبانِ عبرانی پر بھی عبور۔ حضرات انبیاء واقف ہی پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی عرش پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا پڑھ لیا اور پوچھا کہ خدایا یہ کس بزرگ کا نام ہے، جو تیرے نام کے ساتھ لکھا ہے؟ فرمایا اے آدم یہ ان کا نام ہے کہ اگر ان کی پیدائش منظور نہ ہوتی، تو آپ کو بھی پیدا نہ کیا جاتا۔

حضرت آدم نے بغیر پڑھے لکھے لکھا ہوا کلمہ کیسے پڑھ لیا، پڑھا نورِ نبوت (مدارج) قرآن پاک میں ارشاد ہوا کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ ط نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں۔ اور حضور علیہ السلام تو ہر قوم کے رسول ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ ہر زبان سے حضور علیہ السلام واقف ہیں۔ قرآن فرماتا ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت آدم کو تمام نام سکھائے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ ساری زبانیں حضرت آدم کو سکھائی گئیں۔ اور حضور علیہ السلام کا علم حضرت آدم کے علم سے کہیں زیادہ ہے۔ ثابت ہوا کہ خدائے پاک نے ہر زبان کا حضور کو بھی علم دیا ہے۔

حضرت سلمان فارسی سے حضور نے سوال فرمایا شکم درد۔ یہ زبان فارسی ہے۔ تیسرے اس طرح کہ مالک ابن صیف نے خدا کی ذات کا انکار نہ کیا تھا، الٰہی کتاب کا اور پیغمبر کا انکار کیا تھا۔ مگر رب نے فرمایا کہ ان لوگوں نے رب کی قدر نہ جانی۔ جس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر علیہ السلام کو نہ ماننا حقیقت میں رب کا انکار ہے۔ اور بات بھی ظاہر ہے۔ اس لئے کہ رب تعالیٰ کی صفت ہے رب العٰلمین جہانوں کا رب اور رب وہ ہی ہے جو بندوں کی ظاہری اور پوشیدہ، دینی اور دنیاوی ضرورتوں کو پورا فرماوے، دنیاوی ضرورتوں کے لئے ماں، باپ، طبیب اور غذائیں، دوائیں، عمدہ پھل، زمین و آسمان وغیرہ پیدا فرمائے، اور دینی رہبری کے لئے انبیاء، اور اولیاء، علماء و مشائخ اور قرآن و حدیث، نیک اعمال اور وظیفے وغیرہ دنیا کو عطا فرمائے، اب جو شخص کتاب یا نبی کا انکار کرتا ہے۔ وہ گویا یہ کہتا ہے کہ رب نے ہماری دینی پرورش نہ فرمائی۔ خدا کی ربوبیت کا انکار ہوگیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا وہی معتقد ہے جو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا قائل ہے۔

۴- اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط پارہ ۹، اعراف، رکوع ۱۹۔ وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے، غیب کی خبریں دینے والے کی جس کو لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں، وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے بوجھ اور گلے کے پھندے اتار دے گا جو ان پر تھے۔

اس آیت کریمہ میں حضور علیہ السلام کے بہت سے اوصاف پاک کا ذکر فرمایا گیا ہے نہایت ہی خوبی سے، تو یہ آیت ایک نعت نہیں بلکہ نعتوں کا مجموعہ ہے۔ اول تو اس میں حضور علیہ السلام کو کئی لقبوں سے یاد فرمایا، نبی، رسول، اُمّی۔ رسول تو وہ ذات ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہو، یعنی رب سے فیض لے کر مخلوق تک پہنچا دے، اور مخلوق کے گناہ اور قصور خالق سے معاف کرائے، یا مخلوق کو شرک و کفر سے بچا کر خالق تک پہنچا دے اور حضور علیہ السلام میں یہ صفت کمال درجہ کی موجود ہے کہ عرب جیسے ملک میں جلوہ گری فرمائی، اور ان میں سے کسی کو صدیق، کسی کو فاروق [illegible] بنا دیا۔ اور نبی کے دو معنی ہیں۔ یا بڑے درجہ والا، واقعی حضور علیہ السلام کا وہ درجہ ہے کہ انسان تو کیا کوئی فرشتہ بھی آپ کے درجہ کو نہیں جان سکتا، اللہ کو وہ جانتے ہیں اور محبوب کو اللہ ہی جانتا ہے۔

معراج میں جبریل سے کہنے لگے شاہِ اُمم ۔ تم نے تو دیکھا ہے جہاں بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم
روح الامیں کہنے لگے اے مہ جبیں تیری قسم ۔ آفاقہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

ان لفظوں سے جو انسان کے منہ سے نکلتے ہیں حضور علیہ السلام کی جیسی چاہیے تعریف نہیں ہو سکتی ان کے فضائل تک انسان کا خیال بھی نہیں پہنچ سکتا، حضرت حسان فرماتے ہیں ؎

مَآ اِنْ مَّدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِيْ ۔ لٰكِنْ مَّدَحْتُ مَقَالَتِيْ بِمُحَمَّدٍ

یعنی میں نے اپنے کلام سے حضور علیہ السلام کی تعریف نہیں کی بلکہ اپنے کلام کو ان کے پاک

نام سے قابلِ تعریف بنالیا ۞

یا نبی کے معنے ہیں غیب کی خبریں دینے والا۔ اور واقعہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے جنت و دوزخ کی
قیامت کی، قیامت تک کے ایک ایک واقعہ کی خبریں دیں۔ یہ غیب ہی کی خبر ہے + پھر فرمایا گیا اُمّی
اُمّی کے چند معنے ہو سکتے ہیں۔ اُم کہتے ہیں ماں کو، اور اصل کو، یا تو اس کے معنے ہیں ماں والے نبی، دنیا
میں ہر آدمی ماں والا ہوتا ہے، مگر جیسی ماں اللہ نے حضور کو عطا فرمائی، ایسی ماں دنیا میں کسی کو نہ ملی
حضرت مریم بھی ماں گذریں، مگر جیسے کہ سید الانبیاء بے مثل ہیں، اُن کی والدہ رضی اللہ عنہا بھی بے مثل

وہ کنواری پاک مریم + وہ نَفَخْتُ فِیْہِ کا دم + ہے عجب شانِ اعظم
مگر آمنہ کا جایا + وہ ہی سب سے بڑھ کر آیا

جو سیپ اپنے پیٹ میں قیمتی موتی رکھتی ہے وہ سیپ بھی قیمتی ہو جاتی ہے۔ تو جو مبارک ماں
اپنے پاک پیٹ میں اس دُرِّ یکتا کو رکھے وہ کیسی مبارک ہوگی + دوسرے معنی ہیں بے پڑھے یعنی
کے پیٹ سے عالم پیدا ہوئے، کسی سے پڑھا لکھا نہیں ؎

خاکی و بر اوج عرش منزل ۞ اُمّی و کتاب خانۂ دل
اُمّی و دقیقہ دانِ عالم ۞ بے سایہ و سائبان عالم

حضور علیہ السلام بے سایہ ہیں، مگر تمام دنیا پر آپ کا سایہ ہے + تیسرے معنی ہیں ام القریٰ
یعنی مکہ مکرمہ کے رہنے والے + چوتھے معنی ہیں اُمّی یعنی تمام عالم کی اصل، یہ تین تو حضور علیہ السلام
کے القاب تھے۔ اب آپ کے چھ وصف بیان فرمائے گئے، وہ توریت و انجیل میں لکھے ہوئے ہیں
علماء یہود جو اسلام لائے اور شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے۔ جیسے عبد اللہ ابنِ سلام، حضرت
کعب احبار وغیرھم، انہوں نے حضور علیہ السلام کے وہ اوصاف سُنائے جو توریت شریف میں آئے
ہیں، چنانچہ عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ نے توریت سے یہ اوصاف سُنائے، اے نبی ہم نے تم کو شاہد
اور بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ آپ بے پڑھوں کے نگہبان ہیں۔ تم میرے بندے اور رسول ہو، میں نے تمہارا
نام متوکل رکھا، نہ تم بد خُلق ہو، نہ سخت مزاج، نہ بازاروں میں شور مچانے والے، تم بُرائی کا بدلہ بُرائی
سے نہ دو گے، بلکہ خطا کاروں کو معاف کرو گے، خدا اُس وقت تک تم کو دنیا سے نہ بلا وے گا جب
تک کہ تمہاری برکت سے بگڑے ہوئے دین کو نہ سنبھال دے اور لوگ کلمہ نہ پکارنے لگیں تمہاری

اندھی آنکھیں بینا اور بہرے کان سُننے والے اور پردوں میں لپٹے ہوئے دل کھل جائیں گے
اسی قسم کا مضمون حضرت کعب احبار سے منقول ہے، عیسائیوں نے بہت کوشش کی کہ حضور
علیہ السلام کے سارے صفات انجیل سے نکال دیں، مگر اب موجودہ انجیل میں جس میں بہت ردّ و بدل
ہو چکا ہے حضور علیہ السلام کے اوصاف اس طرح مذکور ہیں :-
یوحنا کی انجیل مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی لاہور ۱۹۳۱ء کے چودھویں باب سولھویں
آیت میں ہے۔ میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا جو کہ ابد تک تمہارے
ساتھ رہے گا۔ یہ حضور علیہ السلام کی نعت ہے اور خاتم النبیین ہونے کا ذکر ہے ۞
اسی کتاب کے اسی باب میں انتیسویں اور تیسویں آیت میں ہے۔ "اس کے بعد میں تم سے
بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں" ۞
اسی کتاب کے باب سولہ آیت ساتویں میں ہے۔ "لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا
تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آوے گا۔ اگر جاؤنگا
تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا" ۞
اسی کتاب کے اسی باب تیرھویں آیت میں ہے۔ "لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئیگا، تو تم
کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا، لیکن جو کچھ سُنے گا وہ ہی
کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا" ۞
غور کرو کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے بعد ان صفات سے موصوف حضور علیہ السلام کے سوا
کون آیا ۞ دوسری صفت بیان ہوئی کہ حکم دیتے ہیں اچھی باتوں کا ۞
تیسری صفت کہ منع کرتے ہیں بُری باتوں سے ۞
اس سے معلوم ہوا کہ اچھا کام وہ ہی ہے جس کو اُن اچھوں کے سردار نے جائز کر دیا، اور بُرا
کام وہ ہے جس سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا ۞
چوتھی صفت یہ ہے کہ سُتھری چیزیں اُن کے لئے حلال فرماتے ہیں ۞
پانچویں صفت یہ کہ بُری چیزیں اُن پر حرام فرماتے ہیں ۞ اس سے معلوم ہوا کہ حلال و حرام
کرنے کا حضور علیہ السلام کو رب تعالیٰ کی طرف سے اختیار کر دیا گیا ہے، آپ شارع یعنی صاحب

شریعت اور مالک شریعت ہیں صلے اللہ علیہ وسلم۔ اس کی بہت سی احادیث وارد ہیں ؛

دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل پر اُن کے گناہوں کی وجہ سے بعض اچھی چیزیں حرام کردی گئی تھیں۔ جیسے حلال جانوروں کی چربی وغیرہ، حضور علیہ السلام کی برکت سے وہ حلال ہوئیں۔ اسی طرح شراب وغیرہ گندی چیزیں اُن پر حلال تھیں، اُس کو حضور علیہ السلام نے قیامت تک کے لئے ناجائز فرمایا ؛

چھٹی صفت یہ بیان ہوئی۔ کہ اُن پر سے بوجھ دُور فرماتے ہیں یعنی پہلے سخت احکام تھے جن سے انسانوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی، مثلاً مال کا چوتھائی حصّہ زکوٰۃ میں دینا، وضو کی جگہ تیمم نہ کرسکنا، نماز صرف عبادت خانوں میں ہونا اور جگہ نہ ہوسکنا، غنیمت کا مال حلال نہ ہونا جسم یا کپڑے پر ناپاکی لگ جائے تو اُس کو جلا دینا یا کاٹ ڈالنا وغیرہ وغیرہ یہ تمام احکام بنی اسرائیل پر تھے۔ لیکن حضور علیہ السلام کی برکت سے یہ تمام مصیبتیں دُور ہوئیں، اور اب زکوٰۃ میں چالیسواں حصّہ واجب ہُوا، اس میں بھی بہت سی آسانیاں کردی گئیں، اگر وضو ناممکن ہو تو تیمم کرلو، جہاں چاہو نماز پڑھ لو، مالِ غنیمت حلال کردیا گیا۔ یہ تمام آسانیاں اور برکتیں حضور ہی کے صدقے سے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم ؛

آیت ۳۰ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ پارہ ۹، سورۃ الاعراف، رکوع ۲۰ ؛ تم فرماؤ کہ اے لوگو! مَیں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں ؛

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت شریف ہے۔ اس میں ارشاد ہوا ہے کہ اے محبوب تم سب لوگوں سے کہدو چاہے وہ عیسائی ہوں یا موسائی، پارسی ہوں یا مجوسی، مشرقی ہوں یا مغربی، جنوبی ہوں یا شمالی۔ کہ مَیں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ لہٰذا اب جو انسان بھی اللہ کا بندہ ہے وہ حضور علیہ السلام کا اُمّتی، حضرت آدم علیہ السلام کی ابوۃ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوّت سب کو عام ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام اور اُن کی اُمّتیں تمام رسل وجنات و ملائکہ سب ہی حضور علیہ السلام کے اُمّتی ہیں۔ اور سرکار دو عالم علیہ السلام نبی الانبیاء ہیں۔ اس کی تحقیق وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ الاٰیۃ کی بحث میں گذر چکی ؛

یہ بھی خیال رہے کہ اُمّت اُس کو کہتے ہیں جن کی طرف نبی تبلیغ کے لئے بھیجے جاویں، تو پہلے انبیاء کرام خاص ملک یا کسی خاص قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے۔ کہ دوسری قوموں پر اُن کی اطاعت کرنا فرض نہ ہوتا، حضرت موسےٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جب تشریف لے گئے، تو حضرت خضر نے فرمایا کہ

اے موسٰی آپ کا علم اور ہے اور میرا علم کچھ اور آپ بنی اسرائیل کے پیغمبر ہیں آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے اس کا مطلب یہ ہی تھا کہ آپ میرے نبی نہیں ہیں اور مجھ پر آپ کی اطاعت فرض نہیں۔ میں بہت سے کاموں میں آپ کی مخالفت کرونگا، آپ سے ضبط نہ ہوسکے گا۔ آپ مجھ پر اعتراض کریں گے ؛ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسٰے علیہ السلام صرف ایک قوم کے پیغمبر ہیں۔ لیکن اگر حضور علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام پر کرم فرماتے اور ملاقات فرماتے، تو حضرت خضر کو دین محمدی کی اطاعت کرنا پڑتی ؛ حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ اگر حضرت موسٰے علیہ السلام آج زندہ ہوتے، تو اُن کو ہماری اطاعت کرنا ہوتی ؛ اب اُمّت دو طرح کی ہے۔ ایک تو اُمّت دعوت، دوسری اُمّت اجابت۔ جس کو تبلیغ تو ہوئی، مگر اُس نے قبول نہ کیا، وہ امتِ دعوت کہلاتی ہے، اور جس نے قبول کرلیا وہ اُمّت اجابت ہے۔ مسلمان تو حضور علیہ السلام کی اُمّت اجابت ہیں، اور کفار ومنافقین اُمّت دعوت ہیں، چاہے لوگ حضور علیہ السلام کی اطاعت کریں یا نہ کریں اُمّت ضرور ہیں ؛

اللہ کے بندے سب ہی ہیں، مسلمان بھی اور کافر بھی، مسلمان تو مطیع بندے ہیں اور کافر نافرمان بندے، مگر بندگی سے کوئی علیحدہ نہیں۔ اسی طرح چاہے لوگ احکام قبول کریں یا نہ کریں اُمّتی سب ہی ہیں، سب پر آپ کی اطاعت فرض ہے، حضور علیہ السلام کے والدین نہ تو عیسائی تھے نہ یہودی، کیونکہ حضرت عیسےٰ و حضرت موسٰے علیہما السلام بنی اسرائیل کے پیغمبر ہیں، اور یہ حضرات بنی اسمٰعیل ہیں، ہاں اولاد [illegible] بعد میں محمدی ہوئے، مسلمان ہوئے، کافر یا مشرک یا بُت پرست نہ تھے۔ اس کی تحقیق لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ میں آوے گی، انشاء اللہ ؛

آیت ۳۱ (وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى) پارہ ۹، سورۂ انفال، رکوع ۲۔ اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی، ہم نے پھینکی ؛ یہ آیت کریمہ بھی حضور اقدس علیہ السلام کی صریح نعت ہے۔ اولاً غور کرنا چاہئے۔ کہ اس میں کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، دوسرے اس میں نعت کس طرح ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ جنگِ بدر جو ۲ھ میں واقعہ ہوئی، اس میں کفار مکہ بہت ساز وسامان کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے آئے اور اہل مدینہ کے پاس سوائے اللہ کی مدد اور رسول علیہ السلام کی برکت کے اور کچھ بھی نہ تھا، کفار تقریباً ایک ہزار تھے اور مسلمان تین سو تیرہ، کفار کے پاس ہر طرح کے کھانے پینے کے سامان، مگر مسلمانوں کے منہ میں دن بھر روزہ اور رات میں آیاتِ قرآن، کفار کے پاس تیر، تلوار،

نیزے، بھالے، مسلمانوں کے پاس خُرمے کی لکڑیاں، بدن پر کپڑے بھی پھٹے ہوئے اور پاؤں میں چھالے
کفار کے لشکر میں گانے والوں کے گانے اور باجوں کے نغمے، اور مسلمانوں کی طرف آیات قرآنی اور تکبیر کے
کلمے، رات کے وقت کفار شراب میں مخمور، مسلمان نشۂ ذکرِ الٰہی اور شرابِ محبت میں چور، غرضیکہ اُدھر
شیطان کا لشکر، اِدھر رحمان کا لشکر ؛

مسلمانوں کی اس ظاہری حالت کو دیکھ کر حضور علیہ السلام نے سجدہ میں سر رکھ کر بارگاہِ الٰہی میں
عرض کیا کہ خدایا اس وقت روئے زمین پر تیری سچی عبادت کرنے والی صرف مسلمانوں کی بے سروسامان
چھوٹی سی جماعت ہے۔ اگر آج تو نے ان کی امداد نہ فرمائی، اور یہ جماعت شکست کھا کر ہلاک ہوگئی، تو دُنیا
میں تیرا سچا نام لیوا کوئی بھی نہ رہے گا۔ اور اس قدر گریہ زاری فرمائی۔ کہ اُس جگہ کی کنکریاں حضور علیہ السلام
کے آنسوؤں سے تر ہوگئیں، پھر سجدے سے سر اٹھایا اور ایک مٹھی خاک کی لے کر لشکرِ کفار کی طرف
پھینکی، وہ اللہ جانے ایک مُشتِ خاک تھی یا ابابیل کی کنکریاں تھیں کہ تمامی کافروں کی آنکھوں میں
پہنچ گئی اور کافر آنکھیں ملتے ہوئے رہ گئے ؛

بعد میں اللہ کے فضل سے مسلمانوں کی اس تھوڑی سی جماعت نے کافروں کے اس ساز و سامان
والے لشکر پر ایسی فتح پائی کہ جس کا آج تک ذکر چلا آ رہا ہے، بڑے بڑے سردارانِ قریش کفار اِس جنگ
میں مارے گئے اور بہت سے قید ہوئے ؛

یہ تو واقعہ تھا جس کا اس آیت پاک میں ذکر ہوا ہے۔ اب آیت کیا فرما رہی ہے؟ یہ فرما رہی ہے
کہ اے محبوب علیک السلام وہ واقعہ جبکہ آپ نے ایک مشتِ خاک کفار کی طرف پھینکی، اور سب کی
آنکھوں میں پہنچ گئی، اے پیارے تم نے نہ پھینکی، بلکہ تمہارے رب نے پھینکی تھی۔ یعنی ہاتھ تو تمہارے تھے
مگر کام ہمارا تھا ؛

حضور علیہ السلام کے ایک کام کو رب نے ایسا پسند فرمایا کہ فرما دیا تم نے یہ کام کیا ہی نہیں تھا بلکہ
ہم نے کیا تھا۔ اِس سے دو فائدے حاصل ہوئے، ایک تو یہ کہ تصوف کا اعلیٰ درجہ ہے فنا فی اللہ، جب
بندہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جاوے اور دیکھنے میں تو وہ اپنی شکل میں ہو، مگر عشقِ الٰہی اُس کی
رگ رگ میں اس طرح سرایت کر جاوے کہ اس کے ہر کام کو رب کی طرف منسوب کیا جاوے جس طرح
مولانا روم اشارہ فرماتے ہیں ؎

گفتہ او گفتۂ اللہ بود ۔ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

یعنی جب وہ کلام کرتا ہے تو زبان تو عبداللہ کی ہوتی ہے اور کلام اللہ کا ہوتا ہے ؎

چوں روا باشد انا اللہ از درخت ۔ کے روا نبود کہ گوید نیک بخت

دیکھو حضرت موسےٰ علیہ السلام جب کلام الٰہی سے مشرف ہونے کو طور پر جاتے تھے، تو ایک
درخت سے آواز آئی تھی مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ کہ اے موسےٰ
میں ہوں پروردگار عالم، تو کیا یہ درخت کی آواز تھی یا درخت کہہ رہا تھا کہ میں اللہ ہوں۔ ہرگز نہیں، بلکہ
رب کا کلام تھا، درخت اس کا مظہر ؛

اسی طرح ایک کوئلہ آگ میں رکھا گیا، آگ نے ایسی تاثیر کی، کوئلہ بھی آگ بن گیا۔ اب جس
چیز کو یہ انگارا چھو جاوے جلا دے۔ اسی طرح ایک شخص کو جن نے چھو لیا ہے، اب وہ جنوں کی حالت
میں جو بولتا ہے کہ میرا یہ نام ہے، میں فلاں جگہ کا جن ہوں۔ اور مجھ میں یہ طاقت ہے، کیا یہ اُس آدمی
کی بات ہے؟ نہیں، بلکہ زبان تو اُس انسان کی ہے، اور جسم تو اُس کوئلہ کا ہے، مگر کلام اور کام اُس
کا ہے جس نے اس میں سرایت کی ؛

یہ تو مثال تھی۔ اب سمجھو کہ اس درجہ میں قدم رکھ کر بعض عارفین اَنَا اللہ یا سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ
شَانِیْ وغیرہ وغیرہ بول جاتے ہیں، یہ کلام اُن کا نہیں ہوتا، زبان اُن کی ہے، کلام کسی اور کا ہے۔ یہ ہی
فرق ہے فرعون اور حضرت منصور میں کہ فرعون نے کہا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى میں تمہارا بڑا رب ہوں کافر
ہوا، کیونکہ وہ میں تھا اور پھر رب بنا، مگر حضرت منصور نے جب کہا اَنَا الْحَقُّ یعنی میں حق ہوں تب
وہ اپنی انانیت فنا کر چکے تھے۔ تُو ہی تُو میں فنا ہو گئے تھے ؛

مگر لطف یہ ہے کہ یہاں تو خود منصور نے کہا اَنَا الْحَقُّ میں حق ہوں واجب القتل ہوئے، مگر
یہ ضبط مصطفےٰ ہے کہ خود اپنے پر اتنا قابو رکھتے ہیں کہ ہر دم اَنَا الْعَبْدُ ہی فرماتے ہیں۔ میں عبداللہ
ہوں۔ ہاں رب فرماتا ہے کہ اے محبوب تم فنا فی اللہ کے اُس درجہ میں ہو کہ تمہارا کلام اور کام سب
ہمارا ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تجلی صفات الٰہی دیکھی اور بے ہوش ہو گئے، مصطفےٰ کی
آنکھوں کے قربان کہ تجلی ذات دیکھ کر بھی معراج میں تبسم ہی فرما رہے ہیں ؎

موسیٰ زہوش رفت بہ یک پر تو صفات ۔ تو عین ذات مے نگری در تبسمی

رب تعالیٰ نے صرف اسی آیت میں یہ نہ فرمایا، بلکہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اے پیارے جو تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے (سورہ فتح) ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہمارے نبی اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں، ان کا کلام وحی الٰہی ہوتی ہے (سورہ نجم پارہ ۲۷) + دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ جو شخص حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی کام، کسی کلام یا حضور کی کسی چیز کی توہین کرے وہ کافر ہے، کیونکہ یہ درپردہ رب کی توہین ہے۔ اگر کوئی شخص صدہا سال تک عبادت کرتا رہے، متقی ہو، پرہیزگار ہو، مولوی ہو، پیر ہو، دنیادار ہو، مگر کبھی کسی موقعہ پر نعلین پاک مصطفٰے علیہ السلام کی توہین کردے، تو اُس کی تمام عبادات ضبط ہوگئیں اور وہ مرتد کافر ہوگیا۔ (دیکھو شفا شریف اور رد المحتار وغیرہ) بلکہ دیکھو قرآن مجید اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ مولےٰ تعالیٰ اس بارگاہ کا ادب نصیب فرمادے۔ آمین وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ٭

آیت ۳۲ - يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ

پارہ ۹، سورۂ انفال، رکوع ۳ + اے ایمان والو اللہ اور اُس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تم کو اس چیز کے لئے بلائیں جو تم کو زندگی بخشے ٭

یہ آیت کریمہ نعت پاک محبوب علیہ السلام کے پھولوں کا ایک گلدستہ ہے، اس میں بہت طریقوں سے حضور کی نعت شریف ثابت ہے، اولاً تو اس طرح کہ رب العٰلمین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بارگاہ میں رہنے کا ادب سکھایا، خود حضور علیہ السلام سے نہ فرمایا کہ آپ ان کو اپنا ادب سکھاؤ بلکہ خود رب نے سکھایا کہ اے مسلمانو اُس درگاہ عالی میں رہنے کا ادب یہ ہے کہ اگر تم کو کسی وقت ہمارے محبوب پکاریں تو تم کسی حال میں بھی ہو، نماز میں ہو، کسی وظیفہ میں مشغول ہو یا گھر کے کسی کام میں ہو، جس حال میں ہو تمام کاروبار چھوڑ کر فوراً بارگاہِ مصطفٰے میں حاضر ہو جاؤ، بالکل دیر نہ لگاؤ + اب صحابہ کرام کا عمل دیکھنا چاہیئے کہ انہوں نے کس طرح اِس پر عمل کیا۔ ایک صحابی اپنی بیوی سے جماع کر رہے تھے، کہ دروازے پر حضور نے آواز دی، اُسی طرح بغیر انزال کے اپنی بیوی سے علیحدہ ہو کر فوراً حاضر بارگاہ ہوگئے، فرمایا لَعَلَّنَا اَعْجَلْنَاكَ شاید ہم نے تم کو جلدی میں ڈال دیا، عرض کیا کہ ہاں، فرمایا جاؤ غسل کرلو (دیکھو طحاوی باب الغسل)۔ اِس سے یہ مسئلہ فقہاء ثابت کرتے ہیں کہ جو شخص عورت سے جماع کرے اور بغیر انزال علیحدہ ہو جاوے اُس پر غسل واجب ہے ٭ حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کا نکاح ہوا، پہلی رات تھی، بیوی کے پاس گئے، ابھی غسل نہ کیا تھا کہ حکم رسول اللہ پہنچا کہ چلو جنگ کے لئے، بغیر غسل کئے ہوئے گئے اور وہاں شہید ہوگئے۔ جب تمام لاشوں میں سے اُن کی لاش نکالی گئی، تو اُن کے جسم سے پانی ٹپک رہا تھا، حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کو فرشتوں نے غسل دیا ہے اس لئے اُن کو غسیل الملائکہ کہتے ہیں

حضرت ابی بن کعب نماز پڑھ رہے تھے کہ حضور علیہ السلام نے آواز دی، جلدی سے نماز کو پورا فرما کر حاضر ہوئے، ارشاد فرمایا کہ تم کو حاضری میں دیر کیوں ہوئی۔ عرض کیا نماز میں تھا، فرمایا کیا تم نے یہ آیت نہ پڑھی اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ۔ جس سے معلوم ہوا کہ نمازی پر لازم ہے کہ نماز چھوڑ کر حضور کے بلانے پر حاضر ہو جاوے۔ بہت سے فقہاء نے فرمایا ہے کہ نمازی بحالتِ نماز حضور کی خدمت میں بلانے پر حاضر ہو جاوے، جو خدمت فرمادیں اس کو پورا کرے، پھر بھی نماز ہی میں ہے۔ (دیکھو قسطلانی شرح بخاری کتاب التفسیر سورۂ حجر)۔ اور یہ بات ہے بھی ٹھیک، کیونکہ اگر اس نمازی نے کلام کیا تو کس سے کیا؟ اُن سے کیا جن کو نماز میں سلام کرنا واجب ہے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ۔ اگر کسی اور کو سلام کرتا تو نماز جاتی رہتی۔ اگر کعبہ سے سینہ پھرا تو کس طرف پھرا؟ اُدھر جو کعبہ کے بھی کعبہ ہیں ؎

اور پروانے ہیں جو ہوتے ہیں جو کعبہ پہ نثار ٭ شمع اک تو ہے کہ پروانہ ہے کعبہ تیرا

اگر چلا تو کدھر چلا؟ بارگاہِ مصطفٰے کی طرف جو عین عبادت ہے۔ پھر نماز کیوں جاوے۔ اگر نماز میں کسی کا وضو جاتا رہے تو اس کو جائز ہے کہ پانی کی طرف جاوے۔ چلے بھی کعبہ سے، سینہ بھی پھر جاوے، عمل کثیر بھی کرے، مگر نماز ہی میں رہتا ہے۔ تو حضور علیہ السلام رحمتِ الٰہی کا دریا ہیں۔ آپ کی طرف جانا نماز کو کیوں فاسد کرے ٭

اگر اٰمَنُوْا کے معنی کئے جاویں، کہ اے یثاق کے دن ایمان لانے والو! تو اس امر میں کفار بھی داخل ہیں بلکہ ساری مخلوق پر آپ کی اطاعت واجب ہے ؎

ارشاد ہوا، سورج لوٹا ٭ پایا جو اشارہ چاند چرا
بادل رم جھم رم جھم برسا ٭ جب حکم حبیب خدا پایا

سب نے آپ کی اطاعت کی (دیکھو مشکوٰۃ باب المعجزات) درخت بھی آپ کے بلانے پر

آگئے، بیانِ عظمت کے لئے یہ آیت قرآن میں باقی رکھی گئی، ورنہ اب ظاہری دعوت نہیں ہے، یا بالواسطہ بُلانا مراد ہے۔ **مسئلہ** چند صورتوں میں نماز توڑ دینا جائز ہے۔ اگر نمازی نماز میں اپنا چار آنہ کا نقصان ہوتا دیکھے، تو نماز توڑ سکتا ہے۔ جیسے کہ مسافر اسٹیشن پہ نماز پڑھ رہا ہے اور گاڑی چھوٹ گئی، نماز توڑ سکتا ہے + کسی مسلمان کی مصیبت دور کرنے کے لئے نماز توڑ سکتا ہے + نمازی نے دیکھا کہ نابینا کنوئیں میں گرا جارہا ہے، نماز توڑ کر اس کو ہٹاوے + اگر نفل نماز میں اس کو ماں پکارے اور ماں کو خبر نہ ہو کہ میرا بیٹا نماز پڑھ رہا ہے، تو نمازی نماز توڑ کر اس کو جواب دے + کسی نے فرض نماز تنہا شروع کی تھی، کہ جماعت کی تکبیر ہو گئی۔ یہ نماز توڑ کر جماعت میں شریک ہو جاوے (روح البیان یہ ہی آیت اور شامی جلد اول باب ادراک الفریضہ) مگر ان تمام صورتوں میں نماز قضا کرنی ہوگی +

لطیفہ : رب تعالیٰ نے دو بلانے والوں کا ذکر فرمایا، اللہ اور رسول اللہ کا، اور یہ ظاہر ہے کہ بلا واسطہ اللہ تو کسی کو پکارتا نہیں اور نہ کسی کے کان میں اللہ کی آواز آوے، تو لامحالہ رسول اللہ ہی پکاریں گے، ان کا پکارنا خدا کا پکارنا ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا اِذَا دَعَاكُمْ واحد کے صیغہ سے

اس آیت میں فرمایا گیا لِمَا يُحْيِيكُمْ نبی کریم علیہ السلام تم کو زندگی بخشتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام مُردہ کو زندہ کے دل کو، جان کو، خیالات کو زندہ فرمانے والے ہیں اور کیوں نہ ہو، حضرت جبریل گھوڑی پہ سوار ہو کر غرق فرعون کے فرعون کے گھوڑے کے آگے ہو گئے، اس گھوڑی کی ٹاپ جہاں پڑتی تھی۔ اس جگہ گھاس اُگ آتی تھی + بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا سامری، اس نے یہ خاک اٹھالی اور غرقِ فرعون کے بعد یہ خاک سونے کا بچھڑا بنا کر اس کے منہ میں ڈال دی تو اس سونے کے بچھڑے میں جان پیدا ہو گئی۔ حضرت جبریل کا جسم لگا گھوڑے سے، گھوڑے کا خاک سے اور خاک پڑی بے جان بچھڑے کے منہ میں، وہ زندہ ہو گیا۔ اسی لئے اس کو روح الامین کہتے ہیں، کیونکہ ان سے روح ملتی ہے، اور حضور علیہ السلام کی نظروں میں ہزارہا جبریلی طاقتیں ہیں تو ان کے اشارے سے مُردے بھی زندہ کیوں نہ ہوں، مثنوی شریف میں ہے ؎

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر ✽ بہرِ حق سوئے غریباں یک نظر

مدارج النبوۃ میں بہت سے ایسے واقعات لکھے ہیں، جن میں حضور علیہ السلام نے مُردوں کو زندہ فرمایا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر حضور علیہ السلام کی دعوت تھی، انہوں نے بکری ذبح کی، ان کے بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے کو ذبح کر دیا، اور ذبح کر کے والد کے ڈر سے چھت پہ بھاگ گیا۔ وہاں سے پاؤں پھسلا تو وہ بھی گر کر مر گیا۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی نے دونوں بچوں کی نعشوں کو چھپا دیا۔ تاکہ دعوت میں حرج نہ ہو۔ جب کھانے پر سرکار نے تشریف رکھی، تو فرمایا کہ جابر اپنے بچوں کو بلاؤ، ہم ان کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ حضرت جابر نے سارا واقعہ عرض کیا، تب حضور نے ان کو زندہ فرمایا اور ساتھ کھانا کھلایا +

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر ایک دعوت میں دسترخوان سے حضور علیہ السلام نے دستِ مبارک پونچھ لیا۔ اس کے بعد جب کبھی وہ دسترخوان میلا ہو جاتا تھا، تو اس کو جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیتے تھے، وہ اس میں نہ جلتا تھا بلکہ صاف ہو جاتا تھا + مثنوی شریف : ایک جگہ دعوت میں حضور علیہ السلام تشریف لے گئے، بکری ذبح کی گئی، فرمایا کہ گوشت تو آپ لوگ کھا لو مگر ہڈی نہ توڑنا کھانا کھا کر ان ہڈیوں کو جمع فرما کر دعا کی، وہ بکری دوبارہ زندہ ہو گئی (مدارج فصل المعجزات) غرضکہ جانوروں کو، انسانوں کو، پتھروں کو، لکڑیوں کو جان بخشی ہے، کنکروں کو جان بخش کر کلمہ پڑھوا لیا۔ لکڑی فراق میں روئی + حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف مُردہ انسانوں کو زندہ کیا، مگر حضور علیہ السلام نے ان بے جان چیزوں میں جان بخشی۔ یہ ہیں معنی اس آیت کے کہ لِمَا يُحْيِيكُمْ +

آیت ۳۴ ۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط پارہ ۹، سورۂ انفال، رکوع ۴ + اور اللہ کا کام نہیں کہ ان کو عذاب کرے جب تک کہ اے محبوب تم ان میں ہو +

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت ہے۔ اور اس میں حضور علیہ السلام کے رحمتِ عالم ہونے کا ذکر ہے۔ اس کا نزول اس موقعہ پہ ہوا کہ ایک بار کفار نے دعا کی، کہ خداوندا اگر یہ قرآن سچا ہے اور ہم اس پہ ایمان نہیں لاتے، تو تو ہم پہ پتھر برسا دے آسمان سے یا ہم کو عذاب میں مبتلا کر دے اس پہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، اور فرمایا گیا کہ اے محبوب یہ لوگ اپنی موت اپنے منہ سے مانگ رہے ہیں، لیکن چونکہ اے پیارے تم ان میں ہو، اور تم کو رحمتِ عالم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اور رحمت کا ملہ اور عذاب میں اجتماع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تمہاری موجودگی میں ان پہ عذاب نہیں آویگا۔ اس آیت میں چند فائدے حاصل ہوئے : ایک تو یہ کہ حضور علیہ السلام کی برکت سے عذابِ الٰہی سے امن ہے۔ دوسرے یہ کہ قیامت تک انشاء اللہ مسلمانوں پہ عام عذاب نہ آویگا جیسا کہ پہلی اُمتوں پہ آتا تھا کہ

کسی پر پتھر برسے، اور کسی کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔ کسی قوم کو پانی میں ڈبو دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام قیامت تک مسلمانوں میں جلوہ گر ہیں۔ تیسرے یہ کہ آپ کا ہونا فقط مدینہ پاک میں نہیں ہے بلکہ جہاں مسلمان رہتے ہیں۔ ان میں اسی جگہ حضور علیہ السلام بھی جلوہ گر ہیں، کیونکہ عذاب وہاں نہ آویگا جہاں کہ حضور ہوں، اور عذاب تو کہیں بھی نہ آویگا۔ تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ موجود ہیں۔ چوتھے اس طرح کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر بلائے گئے اور حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں بلا لئے گئے، مگر حضور علیہ السلام دنیا میں زمین پر ہی جلوہ افروز رہے۔ وجہ یہ ہے کہ آپ سے دنیا کا انتظام قائم ہے زمین سے آپ کا چلا جانا زمین والوں کے لئے مصیبت ہو جاتا (روح البیان یہ ہی مقام)۔ پانچویں اس طرح کہ دائرہ کی بقا مرکز سے ہے، چکی کا چلنا اور گھومنا کیل سے ہے، اسی طرح آسمان کی چکی کا گھومنا مرکز مدینہ پاک کی وجہ سے ہے، اور جو دانہ چکی میں کیل سے لگ جاتا ہے وہ چکی سے نقصان نہیں اٹھاتا۔ اسی طرح جو انسان اس مرکز کا ہو گیا، نقصان سے محفوظ رہا۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔

آیت ۳۵- وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝ پارہ ۱۰، سورہ توبہ، رکوع ۷۔ اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول نے ان کو دیا اور کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے، دیگا ہم کو اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول، ہم کو اللہ ہی کی طرف رغبت ہے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت پاک ہے۔ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے۔ کہ ایک بار حضور علیہ السلام غنیمت کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص کا نام تھا ہرقوص ابن زہیر، اس نے اٹھ کر عرض کیا کہ یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ اس تقسیم میں عدل و انصاف فرمایئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں بھی انصاف نہ کروں تو پھر دنیا میں انصاف کرنے والا کون ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت چاہی۔ کہ مجھے اجازت ہو تو میں اس بے دین کو قتل کر دوں؟ فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو، کیونکہ ارادہ الٰہی یہ ہو چکا ہے کہ اس کی نسل سے ایک قوم پیدا ہو گی، جس کی نمازیں اور ظاہری تقوے تمہاری نمازوں اور تقوے سے بڑھ کر ہوگا، مگر وہ دین سے ایسے نکل جاویں گے جیسے تیر شکار سے، وہ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن کریم ان کے گلے سے نہ اترے گا۔ اس پر یہ آیت کریمہ مع چند آیتوں کے اتری اور فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ اللہ اور رسول علیہ السلام کے دیئے پر راضی ہو جاتے تو آئندہ کے لئے کہتے کہ ہم کو اللہ اور رسول اپنے فضل سے اور دیگا۔ تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ اس سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

اول تو یہ کہ حضور علیہ السلام کے کسی مبارک فعل پر اعتراض کرنا کفر ہے۔ اسی لئے فاروق اعظم نے اجازتِ قتل چاہی، کیونکہ مرتد واجب القتل ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام مالک و مختار ہیں، کہ اگر کسی پر کسی خاص حکم کو جاری فرما دیں تو آپ کو اس کا حق ہے۔ تیسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو خدائے پاک نے علوم خمسہ کا علم غیب دیا ہے کیونکہ نبوت کی دوربین سے ملاحظہ فرمایا۔ کہ اس کی اولاد اس قسم کی ہوگی اور چونکہ ارادہ الٰہی ہو چکا ہے کہ اس سے ایسی اولاد پیدا ہو، لہٰذا اے عمر! تم اس کو قتل نہ کرو کہ یہ ارادہ الٰہی کے خلاف ہے۔ چوتھے یہ کہ حضور علیہ السلام ہی خدا کی نعمتیں دیتے ہیں، اس میں فرمایا گیا ہے اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اللہ اور رسول نے ان کو دیا۔ تو اگر آج کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے عزت اور آبرو، ایمان، جان اور مال و دولت اللہ اور رسول نے دیئے تو شرک نہیں۔ کیونکہ یہ ہی قرآن کہہ رہا ہے۔ پانچویں یہ کہ حضور سے کوئی چیز دنیا کی، دین کی مانگنا شرک نہیں ہے کیونکہ دینے والے سے مانگا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں اَللّٰهُ الْمُعْطِيْ وَاَنَا قَاسِمٌ اللہ دینے والا ہے اور ہم بانٹنے والے۔

حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی سے حضور علیہ السلام نے فرمایا سَلْ کچھ مانگ لو، عرض کیا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کی خدمت میں حاضری مانگتا ہوں۔ فرمایا اور کچھ مانگو، عرض کیا کہ یہی کافی ہے (مشکوٰۃ باب السجود بروایت مسلم)۔ اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری مرقات میں اور شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں۔ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی نعمتیں حضور علیہ السلام کے قبضہ میں ہیں جس کو جس قدر چاہیں عطا فرما دیں۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

آیت ۳۶- يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ پارہ ۱۰، سورہ توبہ، رکوع ۸۔ تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ تمہیں راضی کر لیں، اور اللہ اور اس کے رسول کا حق زیادہ تھا کہ اس کو راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے۔

اس آیت میں بھی صراحۃً حضور علیہ السلام کی نعت ظاہر ہو رہی ہے۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ منافقین اپنی مجلسوں میں حضور سید عالم علیہ السلام پر طعن کیا کرتے تھے، اور مسلمانوں کے پاس آکر انکار کر جاتے تھے اور قسمیں کھا کھا کر اپنی بریت ظاہر کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا مسلمانوں کو راضی کرنے کے لئے قسمیں کھانے سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا تھا، اگر

ایمان دار ہے تو ایسی حرکتیں کیوں کیں جو کہ خدا اور اس کے رسول علیہ السلام کی ناراضی کا سبب ہوں۔

اس آیت میں چند طرح سے حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ اولاً ایک تو یہ کہ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز حضور علیہ السلام کی ناراضی کا سبب ہے اس سے اللہ بھی ناراض ہے۔ کیونکہ منافقین نے خدا کی شان میں گستاخی نہیں کی تھی حضور علیہ السلام کی گستاخی کی تھی مگر رب بھی ناراض ہو گیا۔ دوسرے اس طرح کہ اگر غضب رب کی آگ بجھانا ہے تو حضور علیہ السلام کو راضی کیا جاوے۔ کیونکہ منافقین سے یہی کہا جا رہا ہے کہ خدا اور رسول کو راضی کرو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ رب کے پاس تو نہیں جا سکتے۔ تو رب کو راضی کرنے کے لئے بارگاہ مصطفےٰ علیہ السلام میں ہی حاضری دیں گے۔ تیسرے اس طرح کہ کسی نیک کام میں رسول اللہ علیہ السلام کو راضی کرنے کی نیت کرنا اور ان کو دکھانا، نہ تو ریا ہے اور نہ شرک۔ اگر کوئی شخص نماز پڑھنے سے یہ خیال کرتا ہے کہ میں اللہ اور رسول علیہ السلام کو راضی کر دوں یعنی عبادت تو اللہ کی کرتا ہوں، مگر اس لئے کہ حضور علیہ السلام کا حکم ہے اور اس میں اللہ اور رسول کی رضا ہے تو بہت بہتر ہے۔ کیونکہ اس آیت میں دونوں کو راضی رکھنے کا حکم ہے اللہ کو اور رسول اللہ کو، علیہ السلام۔

روح البیان اور تفسیر خازن و مدارک میں وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا کی تفسیر میں ایک حدیث نقل کی کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا۔ کہ آج رات ہم نے تمہاری قرأت قرآن سنی۔ تم کو تو پروردگار نے داؤدی آواز دی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر مجھے خبر ہوتی کہ میری قرأت قرآن صاحب قرآن سن رہے ہیں تو میں اور بھی عمدہ کر کے پڑھتا۔ سبحان اللہ نماز اور تلاوت قرآن اللہ کی عبادت ہے، مگر ابو موسیٰ اشعری عین عبادت میں محبوب علیہ السلام کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔

مرض النبی صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ السلام کی نیابت میں نماز جماعت پڑھا رہے تھے، درمیان نماز میں حضور علیہ السلام تشریف لے آئے۔ اسی وقت سے حضرت صدیق تو مقتدی ہو گئے اور حضور علیہ السلام اس ہی نماز کے امام (بخاری و مسلم وغیرہ) یہ عین نماز میں حضور علیہ السلام کی تعظیم ہے ؎

ذکر خدا جو اُن سے جُدا چاہو نجدیو ۔ واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے

چوتھے اس طرح کہ حضور علیہ السلام کو راضی کرنا ایمان میں شمار ہے، فرمایا گیا ہے کہ اگر یہ مومن ہیں، اور

جب اُن کا نام پاک اللہ کی ہر قولی عبادت میں داخل ہے تو اُن کی رضا کیوں شامل نہ ہوگی۔ کلمہ میں، نماز میں، خطبہ میں، اذان میں، ہر دعا میں، غرضکہ ہر جگہ حضور علیہ السلام کا نام موجود ہے۔ حضرت حسان فرماتے ہیں ؎

ضَمَّ الْاِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ بِاِسْمِهٖ ۔ اِذْ قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ

اللہ نے نبی علیہ السلام کے نام کو اپنے نام سے ملایا، کیونکہ مؤذن پانچوں اذانوں میں حضور کا نام پاک ہی لیتا ہے صلے اللہ علیہ وعلےٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔

آیت ۳۷۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ٥ پارہ ۱۰، سورہ توبہ، رکوع ۸۔ کیا اُن کو خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور رسول کا، تو اُس کے لئے جہنم کی آگ ہے، ہمیشہ اس میں رہے گا، یہ بڑی رسوائی ہے۔

یہ آیت حضور علیہ السلام کی عزت و عظمت کا خطبہ ارشاد فرما رہی ہے۔ اور اس میں اللہ و رسول علیہ السلام کے مخالفوں کو سخت ڈرایا جا رہا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدائے قدوس اور محبوب علیہ السلام کو ناراض کرنے کا ایک ہی حکم ہے۔ وہ کیا؟ کفر، رب کو ناراض کیا تو کافر، اور اگر محبوب کی مخالفت کی تو کافر۔ اگر باپ کو ایذا دے، ماں کو ستائے، تمام مخلوق کو ناراض کر دے تو اگرچہ گنہگار تو ہوگا مگر کافر نہ ہوگا۔ لیکن اگر بارگاہ رسالت کا مخالف ہے تو کافر ہے۔

شیطان کو حکم سجدہ ملا کہ حضرت آدم کو سجدہ کرو، لیکن اس نے انکار کیا، خدا کی توحید اور خدا کے سجدے کا انکار نہ کیا تھا، بلکہ نور محمد رسول اللہ علیہ السلام کے اٹھانے والے حضرت آدم کی عظمت کا انکار تھا۔ اس کا انجام یہ ہوا، کہ تمام عمر کی عبادتیں بیکار ہو گئیں اور لعنت کا طوق گلے میں پڑ گیا یہ تو مخالفت کا حکم تھا، لیکن رسول علیہ السلام کو ناراض کرنے کا وبال خدائے پاک کی ناراضی سے زیادہ ہے۔ اس لئے کہ رب نے فرمایا کہ اے محبوب اگر یہ لوگ کوئی بھی جرم کریں تو آپ کے پاس آجاویں جَآءُوْكَ اور آپ اُن کی سفارش کریں تو ہم اُن سے راضی ہو جاویں گے۔

خدائے قدوس کو راضی کرنے کا ذریعہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری اور اُن کی شفاعت ہے۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ محبوب علیہ السلام ناراض ہو جاویں تو اُن کو کون راضی کرے، کیونکہ شفیع تو وہ ہیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

خدا جس کو پکڑے چھڑا لیں محمد ۔ محمد جو پکڑیں چھڑا کوئی نہیں سکتا

اُن کا مبارک نام بھی بے چین دل کا چین ہے ، جو ہو مریضِ لا دوا اُس کی دوا یہی تو ہیں

انسان تو پھر بھی عقل رکھتا ہے۔ آپ کی ذات سے آپ کی کلام سے تو اُونٹ، ہرن، اور سُوکھی لکڑیاں
چین پاتی ہیں، حنانہ ستون فراق میں رویا، اُونٹ نے مالک کی شکایت کی، ہرنی شکاری کے جال میں
پھنس گئی، اُس نے حضور علیہ السلام سے شکایت کی کہ میرے بچے بھُوکے ہیں۔ اگر کچھ دیر کے لئے اجازت
مل جاوے، تو بچوں کو دودھ پلا کر ابھی حاضر ہوتی ہوں۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف۔ اور ہرنی کا واقعہ دیکھو شرح
دلائل الخیرات حزب دوم یوم سہ شنبہ۔ غرضکہ آپ کی ذات پاک تمام مخلوق کے دل کا چین ہے جس کو
اُن کے نام سے چین نہ آوے، وہ اپنی فطرت سے گر گیا۔ جیسے کہ بخار والا میٹھی چیز کو کڑوی محسوس کرتا ہے

آیت ۳۵۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ پارہ ۱۱، سورۂ نور، رکوع ۱۶ + بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے بہت چاہنے والے ہیں، مسلمانوں پر بہت کرم والے مہربان ہیں ۔

یہ آیت کریمہ کیا ہے، حضور علیہ السلام کی نعت کا گنجینہ ہے۔ اس میں حضور علیہ السلام کا میلاد پاک ارشاد ہوا ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر کرنا ہی تو میلاد ہے۔ تمام لوگ حضور علیہ السلام کا دنیا میں آنا جانتے تھے۔ پھر جانی ہوئی چیز کو کیوں بیان فرمایا۔ اس لئے کہ اس سے ولادت کا ذکر ہوا، اور حضور علیہ السلام کی عزت کا اظہار۔ اور پیغمبروں نے بھی اپنی اپنی اُمتوں کے سامنے حضور کے آنے کی بشارت دی تھی، معلوم ہوا کہ میلاد پاک سُنّتِ الٰہیہ اور سُنّتِ انبیاء ہے ۔

اس آیت میں حضور علیہ السلام کے چھ وصف بیان ہوئے، رسُول[1]، تم میں سے[2]، اُن پر تمہاری تکلیف بھاری پڑتی ہے[3]، تم پر حریص ہیں[4]، مسلمان پر رؤف[5]، رحیم ہیں[6] ۔

رسول کی تشریف آوری ماننا اسی پر تو ایمان کا دارومدار ہے۔ بشر یا اپنا مثل اور بھائی ماننے سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا، ابولہب نے بھتیجہ ہونے کی وجہ سے ولادت کی خوشی منائی، اور ابوطالب نے بھی اسی رشتہ کی وجہ سے خدمت کی۔ اگر رسول ہونے کی وجہ سے یہ کام کرتے تو مسلمان اور صحابی ہوتے۔ اس لئے یہاں رَسُوْلٌ فرمایا گیا ۔

یہاں رَسُوْلٌ فرمایا اور آیت معراج میں بِعَبْدِهٖ فرمایا۔ کیونکہ حضور رب کی بارگاہ میں شان بندگی سے حاضر ہوئے، ہمارے پاس پیغمبری کی شان سے تشریف لائے گئے، بندے ہو کر آئے، رسول نور بن کر نعمت اللہ ہو کر، موقعہ کے مطابق القاب بولے جاتے ہیں، جو شخص انہیں بندہ کہہ کر پکارے وہ ایسا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو بیٹا کہہ کر پکارے، یا تو رسول کے معنی ہیں بڑا رسول یا وہ رسول یعنی میثاق والا پیغمبر + مِنْ اَنْفُسِكُمْ میں دو قرأتیں ہیں ایک تو فَ کا زیر اور دوسرے فَ کا پیش۔ اگر زبر پڑھا جاوے تو معنے ہونگے کہ تم میں سے نفیس ترین اور بہترین جماعت میں آئے۔ اور واقعہ ہے کہ تمام دُنیا میں عرب افضل، عرب میں قریش بہتر اور قریش میں بنی ہاشم بہتر، حضور علیہ السلام بنی ہاشم میں پیدا ہوئے اسی طرح تمام زبانوں میں عربی زبان بہتر کیونکہ عربی میں قرآن آیا اور بعد موت تمام کی زبان عربی ہے جنت والوں کی زبان عربی اور حضور علیہ السلام کی زبان بھی عربی ۔

نیز تمام دنیا کے شہروں میں مکہ معظمہ اعلےٰ شہر، وہ ہی حضور علیہ السلام کا ولادت گاہ، اسی طرح تمام نسبوں میں حضور علیہ السلام کا نسب پاک نہایت پاک اور ستھرا از آدم تا حضرت عبداللہ کوئی زانی نہ گذرا، حضور علیہ السلام ہر زمانہ میں بہترین لوگوں کی پیشانیوں میں جلوہ گر رہے جیسا کہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین کی پہلی حدیث میں ہے ۔

اسی طرح حضور علیہ السلام کے سارے اباؤ اجداد میں از آدم تا حضرت عبداللہ کوئی بھی مشرک اور بُت پرست نہ گذرا، حضرت ابراہیم کے والد آزر نہیں بلکہ تارخ ہیں، اور قرآن میں اُن کو حضرت ابراہیم کا والد فرمایا، یعنی چچا۔ اسی طرح حدیث پاک میں جو آتا ہے کہ حضور نے فرمایا اِنَّ اَبِیْ وَاَبَاكَ فِی النَّارِ یعنی تمہارا اور میرا باپ جہنم میں ہے، اس میں بھی اَبِیْ سے مراد چچا ابوطالب ہیں ۔

مشکوٰۃ باب زیارت القبور میں ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی والدہ طاہرہ آمنہ خاتون کے مزار پاک پر گئے اور بہت روئے۔ اور فرمایا کہ ہم نے والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی مل گئی۔ مگر اجازت چاہی کہ والدہ کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ اس سے منع کر دیا گیا ۔

اس حدیث کی وجہ سے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ معاذ اللہ مومن نہ تھیں۔ مگر یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ رونا تو والدہ کے فراق میں ہے، اس سے اُن کا کفر ثابت نہیں ہوتا، اور مغفرت کی دعا سے رب کا منع فرمانا، وہ اس لئے ہے کہ دعائے مغفرت گنہگار کے لئے کی جاتی ہے اور وہ گنہگار نہیں ہیں اسی لئے بچہ کے جنازے کی نماز میں اس کو دعا نہیں کرتے، گنہگار تو وہ ہو جس کے پاس کسی نبی کے احکام

پہنچیں، اور وہ اُن کے خلاف کرے ، حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ خاتون نے حضور علیہ السلام کی
نبوت کا زمانہ نہ پایا، اور پہلے پیغمبروں کے دین بدل چکے تھے، اُن کی تعلیم غائب ہو چکی تھی۔ اب وہ عمل
کس پر کرتے ؟ اِس سے معلوم ہوا کہ وہ بے گناہ تھیں، اور دعا گنہگار کے لئے ہوتی ہے۔ اگر معاذ
اللہ وہ کافر ہوتیں، تو حضور علیہ السلام کو ان کی قبر کی زیارت کی اجازت نہ ملتی۔ کیونکہ کفار کی قبروں
کی زیارت کرنا بھی حرام ہے، قرآن فرماتا ہے لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اے
محبوب ان کفار و منافقین کی قبروں پہ آپ کھڑے بھی نہ ہوں انہوں نے اللہ و رسول کا کفر کیا ہے ؛

بہرحال یہ ماننا ہوگا کہ حضرت آمنہ و عبداللہ مومن تھے کافر نہ تھے ؛

ایک تحقیق یہ رہ گئی۔ کہ آخر وہ کس دین پر تھیں، ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اُن کی زندگی میں اسلام
دنیا میں آیا نہ تھا، اور دوسرے انبیاء کے دین مٹ چکے تھے، ان کو اصحاب فترۃ کہتے ہیں، اُن کے
لئے صرف توحید کا عقیدہ یعنی بت پرستی نہ کرنا اور اللہ کو ایک ماننا کافی تھا ؛

حضرت آمنہ خاتون اور حضرت عبداللہ بھی ان ہی میں سے تھے اور اسی پر اُن کا انتقال ہوا، پھر
حجۃ الوداع میں حضور علیہ السلام نے اِن دونوں صاحبوں کو زندہ فرما کر اِن کو مشرف باسلام کیا، لہٰذا
اب وہ حضرات مسلمان ہیں اور حضور علیہ السلام کی اُمت۔ دیکھو اس کی تحقیق شامی جلد سوم باب المرتدین
مطلب کفر فرعون میں۔ اور اس کے متعلق علّامہ جلال الدین سیوطی نے رسالے لکھے ہیں، اور اعلیٰحضرت
مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرّہٗ نے ایک کتاب لکھی شمول الاسلام لاباۂ الکرام
جس مچھلی کے شکم میں یونس علیہ السلام رہے، اُس مچھلی کا شکم عرش سے افضل، کیونکہ اس میں
ایک نبی کو معراج ہوئی، مثنوی میں ہے ؂

شانِ من بالا و شانِ او نشیب ؛ زانکہ قرب حق بردں از حسیب

اسی طرح حضور علیہ السلام کے صحابہ تمام پیغمبروں کے صحابہ سے افضل ہیں، آپ کے اہل بیت
تمام پیغمبروں کے گھر والوں سے بڑھ کر، آپ کا زمانہ پاک تمام زمانوں سے افضل، اور آپ کی ولادت
پاک کا دن یعنی دوشنبہ بعض اماموں کے نزدیک تمام دنوں سے بہتر، آپ کی پیدائش پاک کا مہینہ
یعنی ربیع الاوّل سال کے بہت سے مہینوں سے افضل، آپ کی قبر انور کی وہ زمین جس سے جسم شریف
ملا ہوا ہے، کعبہ معظمہ اور فرش و عرش و کرسی سے افضل۔ دیکھو شامی باب الحج ؛

غرضکہ جس چیز کو حضور علیہ السلام سے نسبت ہوگئی وہ افضل، فقہاء نے ایک بحث کی ہے کہ
تمام پانیوں سے کونسا پانی افضل ہے، بعض نے کہا ہے آبِ زمزم، مگر بعض فرماتے ہیں کہ سب سے
بہتر وہ پانی ہے جو کہ ایک جنگ کے موقعہ پر حضور علیہ السلام نے ایک پیالے میں ہاتھ رکھ دیا اور آپ کی
انگلیوں سے پانی جاری ہوگیا، یہ پانی تمام پانیوں سے افضل ہے، کیونکہ زمزم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام
کے قدم سے پیدا ہوا۔ اور یہ پانی سیّد الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے۔ اسی طرح جس کھانے میں
حضرت جابر کے یہاں حضور علیہ السلام نے اپنا منہ کا لعاب ڈال دیا وہ کھانا تمام کھانوں سے افضل
ہے ؛ دوسری قرأت میں ہے اَنْفَسِكُمْ یعنی فُ کا پیش۔ تو اس کے معنے ہوئے، تمہاری نفسوں
میں سے بعنی تم میں سے نبی آئے۔ یعنی یہ نبی فرشتوں یا جنّات یا غیر عرب میں نہ آئے بلکہ انسانوں میں
آئے جس سے قیامت تک نسل انسانی فخر کرے گی۔ اور عرب میں تشریف لائے، جس سے کہ عرب
تمام میں ممتاز ہوگیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اُن کا آنا تم میں ایسا ہے جیسا روح کا آنا قالب میں کہ ہر وقت
جسم میں رہتی ہے، مگر نگاہ سے غائب۔ اسی طرح اے مسلمانو وہ تمہارے دل میں رہتے ہیں تمہارے
خیال میں ہیں مگر نگاہوں سے غائب ہیں ؂

آنکھوں میں ہیں لیکن مثلِ نظریوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں
ہیں مجھ میں ولیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے

اب جو آگے فرمایا جا رہا ہے کہ تمہاری مشقت اُن پہ بھاری ہے یعنی تمہاری تکلیف سے اُن
کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اس کا مطلب بالکل ظاہر ہوگیا کہ جب وہ تم میں ایسے آئے جیسے کہ قالب میں
جان تو جسم کے ہر عضو کی تکلیف سے روح کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر مسلمان کی تکلیف سے
اُن کو تکلیف ہوتی ہے ؛ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام مسلمانوں کے ہر حال سے ہر وقت خبردار
ہیں، ورنہ ہماری تکلیف سے اُن کو بے چینی کس طرح ہو سکتی ہے ؛
جَآءَكُمْ سے معلوم ہوا کہ تمام جگہ حضور علیہ السلام تشریف لائے حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا
اور یہاں یہ نہ فرمایا گیا کہ کہاں سے تشریف لائے۔ معلوم ہوا کہ وہاں سے آئے جہاں کہ کہاں بھی نہیں۔
یعنی لامکان سے آئے، مکان میں آئے، قرب حق سے آئے اور قرب حق میں لاکھوں سال رہے ؛
نکتہ: رب خود چھپا رہا مگر محبوب کو بھیج دیا کیونکہ ظاہر پہ مخالف و موافق کی نگاہ پڑتی ہے، اور

اغیار کو دکھانا منظور نہیں ہے

معشوق عیاں بسے گذر وبر تو لیکن ✽ اغیار ہمی بیند ازیں بستہ حجاب است

ذاتِ مصطفےٰ عظمت الٰہی کے لئے ڈھال کی مثل ہے کہ کام تو رب کا کرتے ہیں مگر اس پر مصائب خود جھیلتے ہیں۔ رب نے پردہ سے یہ تو فرمادیا کہ میرے حبیب کو ایذا دے گا اس سے بدلہ لونگا، مگر ظاہر نہ ہوا۔ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ کے معنے یہ ہیں کہ کوئی تو اپنی اولاد کے آرام کا حریص ہوتا ہے، کوئی اپنی عزت کا، کوئی پیسہ کا، کوئی کسی اور چیز کا، مگر محبوب علیہ السلام نہ اولاد کے، نہ اپنے آرام کے، تمہارے حریص ہیں۔ اسی لئے ولادت پاک کے موقعہ پر ہم کو یاد کیا، معراج میں ہماری فکر رکھی، بروقت وفات ہم کو یاد فرمایا، قبر میں جب دکھا گیا، تو عبداللہ ابن عباس نے دیکھا کہ لب پاک ہل رہے ہیں، غور سے سُنا تو اُمت کی شفاعت ہو رہی ہے، رات رات بھر جاگ کر اُمت کے لئے رو رو کر دعائیں کرتے ہیں۔ کہ خدایا اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو عزیز اور حکیم ہے ✽ قیامت میں سب کو اپنی اپنی جان کی فکر ہوگی، مگر محبوب علیہ السلام کو جہان کی۔ سب نبی نفسی نفسی فرمائیں اور محبوب علیہ السلام اُمتی اُمتی۔ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم ✽

آیت ۴۰۔ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ط پارہ ۱۱، سورۂ یونس، رکوع ۱۱۔ تم فرماؤ کہ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آگیا ✽

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت شریف ہے۔ اس لئے کہ اس میں فرمایا گیا ہے۔ کہ تمہارے پاس حق آیا، حق سے مراد یا تو قرآن ہے یا دین اسلام اور یا خود حضور علیہ السلام کی ذات مبارک، معلوم ہوا کہ حضور کے اسماء میں سے ایک نام حق بھی ہے، دوسرے یہ کہ سب تو حق پر ہوتے ہیں اور حضور علیہ السلام خود سراپا حق ہیں، جس نے ان کو دیکھا حق کو دیکھا، اور تو مومن ہیں، مگر حضور علیہ السلام ایمان ہیں اور تو عارف ہیں، مگر حضور علیہ السلام عرفان ہیں، اور تو عالم ہیں مگر حضور علیہ السلام سراپا علم ہیں، آپ ہی کے حالات جاننا علم ہے ؎

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا ✽ تصور میں ترے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ وَسَلَّمَ

آیت ۴۱۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ط پارہ ۱۳، سورۂ رعد، رکوع ۴ ✽ خبردار اللہ

کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں ✽

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت ہے۔ اس میں مسلمانوں کو دل کی بے قراری اور بے چینی کا علاج بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے کہ ذکر اللہ سے دل چین میں آتے ہیں۔ ذکر اللہ سے مراد یا تو اللہ کی ذات ہے یا ذکر اللہ حضور علیہ السلام کا نام شریف ہے۔ کیونکہ ذکر اللہ حضور علیہ السلام کا نام پاک بھی ہے۔ دیکھو دلائل الخیرات حزب اول ✽ اگر پہلے معنے کئے جاویں۔ تو معنے یہ ہوں گے۔ کہ اللہ کی یاد سے دل کو چین آتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اکثر اوقات دل کی بے چینی اور بے قراری گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

ہرچہ آید بر تو از ظلمات وغم ✽ ایں ز بے باکی و گستاخی ست ہم

ابر نہ آید از پئے منع زکوٰۃ ✽ وز زنا افتد وبا اندر جہات

قرآن کریم فرماتا ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ط جو تم کو مصیبت پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے ہے اور رب تو بہت کو معاف فرمادیتا ہے اور اللہ کی یاد گناہوں کے لئے ایسی ہے جیسا کہ پلیدی کے لئے دریا کا پانی، کہ جہاں گندی چیز کو دھویا، وہ پاک ہوگئی۔ اسی طرح گناہوں کا میل اور گندگی اللہ کی یاد سے دور ہوتی ہے۔ گناہ معاف ہوئے اور غم دور ہوئے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

ذکرِ حق پاک است چوں پاکی رسید ✽ رخت مے بندد برون آید پلید

اسی لئے اسلام نے ہر مصیبت کے وقت اللہ کی یاد کا حکم دیا ہے، بارش نہ ہو تو نماز استسقاء پڑھو، سورج یا چاند کو گرہن لگ جاوے تو نماز کسوف پڑھو، کوئی کام کرنا ہو، تو نماز استخارہ پڑھو بلکہ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرو، بچہ پیدا ہو تو کان میں اذان کہو، بچپن میں اُس کو نماز سکھاؤ، خود بھی سویرے اُٹھتے ہی نماز پڑھو، رات کے وقت نماز پڑھ کر سوؤ، مرتے وقت میت کو کلمہ سکھاؤ، کفن پر کلمہ لکھو، قبر میں اتارو تو بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ کہکر اتارو، غرض ہر حال میں رب کو یاد کرو ✽ پھر اللہ کا ذکر ہر عضو کا علیحدہ ہے، آنکھ کا ذکر خوف الٰہی میں رونا ہے، قرآن کو کعبہ کو ماں باپ کو، عالم دین کو دیکھنا ہے، کان کا ذکر اللہ کا نام و قرآن کریم سننا ہے، ہاتھ کا ذکر قرآن چھونا وغیرہ، اور پاؤں کا ذکر مسجد یا مقامات متبرکہ کی طرف جانا ہے، اور ہر ذکر سے دل کو چین ہے ✽

مولانا فرماتے ہیں ؎

گر تو خواہی زیستن با آبرو ٭ ذکرِ او کُن ذکرِ او کُن ذکرِ او

ہر گدا را ذکرِ او سلطاں کند ٭ ذکرِ او بس زیورِ ایماں بود

یعنی اگر تُو دنیا میں آبرو کی زندگی بسر کرنا چاہے تو ہر دم اُس کی یاد کر، رب کا ذکر فقیر کو بادشاہ کر دیتا ہے، رب کا ذکر ایمان کا زیور ہے ٭ ؎

مولیٰ نام کی چینا کرے ٭ سارے جگ کو اپنا کرے ٭ دوسرے اس وجہ سے بھی دل کو چین آتا ہے۔ کہ انسان کے پاس دو چیزیں ہیں: جسم اور روح، جسم تو اپنے دیس میں ہے اور روح پردیسی ہے کیونکہ وہ عالمِ ارواح کا پرندہ ہے، جو اس جسم کے قید خانہ میں قید ہے، اور ذکرِ الٰہی روح کے وطن کا خط ہے، جب پردیس میں دیس کا خط آئے، تو اُس کو دیکھ کر پردیسی کو چین آتا ہے۔ ایسے ہی دُنیا میں رب کا ذکر روح اور دل کا قرار ہے، مومن کی عزت اللہ کے ذکر سے ہے، قرآن شریف کا جُزدان اور کعبہ کا غلاف اسی لئے حرمت والے ہیں کہ اُنہیں قرآن اور کعبہ سے وصال حاصل رہا، اسی طرح اگر مومن کا دل اور زبان ذکرِ الٰہی کا گہوارہ بن جاوے تو یقیناً دنیا و آخرت، قبر و حشر میں اُس کی عزت ہو، مولانا فرماتے ہیں ؎

ہر کہ دیوانہ بود در ذکرِ حق ٭ زیر پائش عرش و کرسی نہ طبق

اور اگر دوسرے معنے کئے جائیں، تو آیت کے معنے یہ ہوں گے کہ ذکر اللہ یعنی رسول اللہ سے بے چین دل کو چین ہوتا ہے، حضور علیہ السلام کو ذکر اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کو دیکھ کر رب یاد آتا ہے، قرآن فرماتا ہے إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ اے محبوب آپ ہی اللہ کی یاد دلانے والے ہیں۔ ذکر اللہ یعنی اللہ کو یاد دلانے والے۔ حضور علیہ السلام سے بے چین دل اس لئے چین میں آتے ہیں، کہ قاعدہ ہے لِقَاءُ الْخَلِيلِ شِفَاءُ الْعَلِيلِ یعنی دوست کی ملاقات بیمار کی شفا ہے۔ اور حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے محبوب ہیں، ضروری ہے کہ ان کا نام مسلمان کا چین ہو، مریضِ عشق کی دوا ذکرِ حبیب ہے دوسرے اِس لئے کہ حضور علیہ السلام تمام دُنیا کی اصل ہیں أَنَا نُورٌ مِّنْ نُّوْرِ اللهِ وَكُلُّ الْخَلْقِ مِنْ نُّوْرِيْ ہم اللہ کے نور سے ہیں اور تمام مخلوق ہمارے نور سے۔ بوستان میں سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

تو اصلِ وجودِ آمدی از نخست ٭ دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

اور قاعدہ ہے کہ ہر چیز کو اپنی اصل پر پہنچکر قرار آتا ہے، پردیس میں آدمی بے قرار رہتا ہے مگر وطن میں پہنچکر قرار پاتا ہے، دریاؤں کا پانی بہتا ہے کیونکہ بے وطن ہے، مگر سمندر کا پانی نہیں بہتا کیونکہ یہ اپنے وطن میں ہے، حضور علیہ السلام کا ذکر اپنی اصل کا ذکر ہے۔ اس سے چین آنا ہی چاہیئے، یہ عمل مجرب ہے، کہ کسی کو اختلاجِ قلب کا مرض ہو، تو مریض اپنے دل کی جگہ پر یہی آیت انگلی سے لکھ لے یا لکھوائے اور یا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بار بار تلاوت کرے انشاء اللہ آرام ہوگا ؎

اُن کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو ٭ جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں

انسان تو صاحبِ عقل ہے، حیوانات اور پتھروں اور لکڑیوں کو حضور علیہ السلام سے چین حاصل ہوتا ہے، چونکہ لکڑی فراقِ رسول علیہ السلام میں روتی، جب اُس کو سینہ پاک سے لگایا تو اُس کو چین آ گیا ٭

ایک بزرگ ایک بیمار کے لئے تعویذ لکھ رہے تھے۔ کسی بے دین نے کہا کہ یہ تعویذ وغیرہ سب کھانے کمانے کی تدبیریں ہیں۔ اِن تعویذوں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اُنہوں نے اُس معترض سے کہا، اُلّو، گدھا، کُتّا، اور تعویذ لکھنے میں مشغول ہو گئے۔ معترض صاحب تو یہ سن کر غصہ میں سُرخ سفید ہو گئے۔ اور لگے بکواس بکنے۔ بزرگ نے کہا کہ جناب آپ کو غصہ کیوں آگیا۔ مَیں نے تو خدا کی مخلوقات میں سے تین جانوروں کا نام لیا ہے۔ معترض نے کہا کہ کیا کسی کے دل پر اس کا اثر نہ ہوگا، اور کسی کو بُرا نہ معلوم ہوگا۔ فرمایا کہ ان ادنےٰ چیزوں کے نام میں تو تاثیر ہے کہ آپ کا حال بدل گیا۔ رب تعالیٰ اور اُس کے حبیب علیہ السلام کے نام میں تاثیر نہیں کہ اُس سے بیمار کا حال بدل جاوے، اور حقیقت یہ ہے کہ حضور کی یاد اُسی شہنشاہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا بہانہ ہے اُن کی توجہ سے فقیروں کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہر ذرّہ دل بن جاتا ہے ہر چیز نظر ہو جاتی ہے ٭ اٹھتی ہیں جدھر اُنکی آنکھیں کونین ادھر ہو جاتی ہے

مولانا حسن رضا خاں صاحب نے کیا ہی خوب فرمایا ہے ؎

رحمت نہ کس طرح ہو گنہگار کی طرف ٭ رحمان خود ہے میرے طرفدار کی طرف

صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ عَلَيْهِ

آیت ۴۲۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ط سورہ رعد، رکوع ۶ + اور بے شک ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے اور اُن کے لئے بیبیاں اور بچے کئے

یہ آیت بھی حضور علیہ السلام کی نعت شریف ہے۔ اِس کا شانِ نزول یہ ہے۔ کہ کفار کہا کرتے تھے کہ اگر حضور علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں تو ان کے بال بچّے اور گھر بار کیوں ہے۔ نبی کو دنیا سے کیا تعلق، وہ تو اللہ والے ہوتے ہیں۔ ان کو اللہ ہی سے تعلق چاہیئے۔ جیسے حضرت عیسٰے علیہ السلام اور حضرت یحیٰی علیہ السلام۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اِس میں چند طرح حضور علیہ السلام کی نعت ہے، اوّلًا تو اس طرح کہ حضور پر تو اعتراض ہوا۔ اور رب تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام کو جواب دینے کی ضرورت نہیں + دوسرے یہ کہ ان لوگوں نے دنیاوی تعلق کو نبی کے لیے عیب قرار دیا۔ مگر آیت نے فرمایا کہ یہ تو عین کمال ہے۔ بہت سے انبیاء کرام دنیا سے تعلق رکھتے تھے، بلکہ دنیا سے تعلق رکھنا ہی بڑا کام ہے۔ کہ ؎

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر دنیا میں ہیں شاغل ❊ خواص اُس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدّد کا

اور جس جس شخص کو نبی علیہ السلام سے تعلق ہوگا وہ عزّت وعظمت پاجاوے گا۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام بغیر والد کے پیدا ہوئے۔ تو اُن کی ذات سے صرف ماں کے رشتہ والوں کو عظمت ملی، اور حضور علیہ السلام کو تعلق والد اور والدہ سے ہے۔ تو حضور کی ذات شریف سے دو گروہوں کو عظمت حاصل ہوئی، اسی طرح جس قدر ازواج سے نکاح فرمایا، اُن ازواج کو اور اُن کے اہلِ قرابت کو قیامت تک کے لئے عظمت مل گئی۔ آج سادات کرام کو دنیا بھر میں عزّت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور قیامت تک اُن کی یہ عزّت رہے گی انشاء اللہ + اگر حضور علیہ السلام کے اولاد نہ ہوتی۔ تو ایک خلق کو یہ عظمت کس طرح حاصل ہوتی! صلے اللہ علیہ وعلےٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم +

آیت ۴۳ - لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ پارہ ۱۴، سورہ حجر، رکوع ۵+۱۷ محبوب تمہاری جان کی قسم بے شک یہ لوگ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں +

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے، کیونکہ اس میں محبوب کی جان کی قسم فرمائی گئی ہے۔ رب تعالیٰ نے تمام قرآن مجید میں سوائے اپنے محبوب علیہ السلام کے کسی نبی کی قسم ارشاد نہیں فرمائی، اور نبی علیہ السلام کی جان کی قسم، اُن کے شہر مکہ کی قسم (جب تک کہ آپ وہاں رہیں) ان کے زمانہ کی قسم غرضکہ ہر چیز کی قسم ارشاد فرمائی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کو محبوب اور محبوب کی ہر چیز ہی پیاری ہے۔ اور عزّت والی بھی۔ کیونکہ یا تو قسم کھائی جاتی ہے پیاری چیز کی، جیسے کہ انسان اپنی جان کی، اولاد کی، مال کی قسم کھاتا ہے اور یا عظمت والی چیز کی جیسے کہ خدا کی قسم یا اس کی صفات کی قسم +

مسئلہ قسم دو طرح کی ہے: قسم شرعی، جس پر شرعی احکام جاری ہوں، جیسے کفارہ وغیرہ یہ تو خدا کی ذات کی کھائی جاسکتی ہے۔ یا اُس کے اُن صفات کی جس کی قسم کھانے کا رواج ہو جیسے کہ رحیم کی قسم، رحمان کی قسم یا قرآن کی قسم + اور دوسری قسم عرفی کہ اس پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے صرف اپنی بات کی پختگی کے لئے اس کو بولا جاتا ہے۔ جیسے ماں، باپ، اولاد یا جان و مال وغیرہ کی قسم، قرآن میں جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے اُس سے مقصود ہے اُس چیز کی عزّت وعظمت کا اظہار یا تو دنیاوی لحاظ سے یا دینی جیسے کہ انجیر اور زیتون وغیرہ کی قسمیں قرآن نے کھائی ہیں۔ کہ یہ چیزیں دنیاوی نفع اپنے میں بہت رکھتی ہیں، دنیا والے اور خاصکر اہلِ عرب اِن کو بہت نافع جانتے ہیں۔ اور محبوب علیہ السلام اور اُن کے شہر پاک وغیرہ کی قسمیں اس لئے فرمائی گئیں۔ کہ یہ چیزیں قیامت تک کے لئے دینی عظمت والی ہیں +

آیت ۴۴ - سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل، رکوع ۱ ، پاکی ہے اُسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت دے رکھی ہے کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بیشک وہ سُنتا دیکھتا ہے +

یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی کھُلی ہوئی نعت ہے، اِس میں اُس عظمت کا ذکر ہے جو علیہ السلام کے سوا کسی پیغمبر کو عطا نہیں ہوئی یعنی معراج +

واقعہ معراج کے متعلق تین باتیں لحاظ میں رکھنی چاہئیں، اولًا یہ کہ معراج کیوں ہوئی، دوسرے کہ معراج کب ہوئی اور کس طرح ہوئی، تیسرے یہ کہ اس آیت میں نکات کیا کیا ہیں:-

اوّل، معراج میں اللہ تعالیٰ کی صدہا حکمتیں ہیں، بالکل ظاہر چار حکمتیں سمجھ میں آتی ہیں، ایک تو یہ کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ تمام معجزات اور درجات جو انبیاء کرام کو علیحدہ علیحدہ عطا فرمائے گئے وہ تمام بلکہ اُن سے بڑھ کر حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے، اِس کی بہت سی مثالیں بتائی جا چکی ہیں۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو یہ درجہ ملا۔ کہ وہ کوہ طور پر جا کر رب سے کلام کرتے تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام چوتھے آسمان پر بلائے گئے۔ اور حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں بلائے گئے۔ تو حضور علیہ السلام کو معراج دی گئی جس میں اللہ سے کلام بھی ہوا، آسمان کی سیر بھی ہوئی، جنت و دوزخ کا معائنہ بھی ہوا۔ غرضکہ وہ سارے مراتب ایک معراج میں طے کرا دیئے گئے۔

بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

اور پھر بڑا فرق ہے کوہ طور اور عرش رسول علیہ السلام میں۔ کہ حضرت کلیم جاتے ہیں اور محبوب علیہ السلام بلائے جاتے ہیں ؎

فرق است میاں آنکہ یارش در بر ٭ با آنکہ دو چشم انتظارش بر در
طور اور معراج کے قصہ سے ہوتا ہے عیاں ٭ اپنا جانا اور ہے اُن کا بلانا اور ہے

دوسرے حکمت یہ ہے کہ تمام پیغمبروں نے اللہ کی اور جنت و دوزخ کی گواہیاں دیں اور اپنی اپنی اُمتوں سے پڑھوایا کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللہُ۔ مگر اِن حضرات میں سے کسی کی گواہی دیکھی ہوئی نہ تھی، سُنی ہوئی تھی۔ اور گواہی کی انتہا دیکھنے پر ہوتی ہے۔ تو ضرورت تھی کہ اس جماعت پاک انبیاء میں کوئی ہستی وہ بھی ہو کہ اِن تمام چیزوں کو دیکھ کر گواہی دے، اُس کی گواہی پر شہادت کی تکمیل ہو جائے یہ شہادت کی تکمیل حضور علیہ السلام کی ذات پر ہوئی۔ اسی کی طرف اشارہ ہے اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا گواہی سب پیغمبروں نے دی تھی، مگر وہ اسناد تھی اور حضور علیہ السلام کی گواہی اس اسناد کی انتہاء، اسی لئے حضور خاتم النبیین ہیں کہ سمعی شہادتوں کی انتہاء عینی شہادت پر ہو جاتی ہے۔ اگر آپ کی تشریف آوری پہلے سے ہی ہو جاتی۔ تو دیگر انبیاء نبوت سے سرفراز نہ کئے جاتے۔ نیز حضور کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں کہ عینی گواہی کے بعد سُنی ہوئی گواہی کیسی، تیسری حکمت یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اللہَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یعنی اللہ نے مسلمانوں کی جان و مال خرید لئے جنت کے بدلے میں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی جان و مال کا خریدار، مسلمان فروخت کرنے والے، اور یہ سودا ہوا حضور علیہ السلام کی معرفت سے، اور جس کی معرفت سے سودا ہو، وہ مال کو بھی دیکھے اور قیمت کو بھی، فرمایا گیا اے محبوب تم نے مسلمانوں کی جان و مال کو تو دیکھا، آؤ جنت کو بھی دیکھ جاؤ، اور اپنے غلاموں کی عمارتیں اور باغات وغیرہ بھی ملاحظہ کر لو، بلکہ خریدار کو بھی دیکھ لو یعنی خود

پروردگار عالم کی ذات کو بھی، اور امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے، امام کا دیکھنا سب کا دیکھنا ہے چوتھی حکمت یہ تھی کہ حضور علیہ السلام تمام مملکت الٰہیہ کے بعطاء الٰہی مالک ہیں۔ اسی لئے جنت کے پتے پتے پر حوروں کی آنکھوں میں غرضکہ ہر جگہ لکھا ہوا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ یعنی یہ کہ یہ چیزیں اللہ کی بنائی ہوئی ہیں۔ اور محمد رسول اللہ کو دی ہوئیں ؎

میں تو مالک ہی کہونگا کہ ہو مالک کے حبیب ٭ یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

مرضی الٰہی یہ تھی کہ مالک کو اُس کی ملکیت دکھا دی جاوے صلے اللہ علیہ وسلم ۔

(۲) معراج ہوئی اور کس طرح ہوئی؟ نبوت کے گیارہ برس پانچ ماہ کے بعد، ۲۷ رجب کی آخری شب سوموار کی رات کو حضرت اُم ہانی بنت ابی طالب کے گھر سے ہوئی۔ خود حضور کے دولتخانہ سے نہ ہوئی تاکہ حضرت جبریل بغیر اجازت وہاں حاضر ہو سکیں۔ اگر حضور کے دولتخانہ سے ہوتی، تو جبریل یا تو دروازے سے پکار کر جاتے اور اجازت لے کر اندر حاضر ہوتے یا بلا اجازت ہی اندر آجاتے اور یہ دونوں فعل ناجائز تھے۔ رب فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ الآیۃ نیز فرماتا ہے لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ الآیۃ نہ تو حضور کو باہر سے پکار لینا جائز اور نہ بلا اجازت گھر میں جانا۔ خیال رہے کہ ملائکہ بھی مومن ہیں حضور سب کے نبی ہیں۔ نبوت کی مدت کل ۲۳ سال ہے۔ جس کے آدھے یعنی ساڑھے گیارہ برس کے بعد بالکل درمیان میں ہوئی۔ اسی طرح ماہ رجب جو کہ سال نبوت کا تقریباً درمیانی مہینہ ہے اور دوشنبہ کا دن ہے۔ اس معراج کے لئے منتخب کیا گیا۔ یہ دین بھی درمیانی ہے اور اُمت بھی درمیانی وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا تو معراج بھی درمیانی ہی تاریخ و ماہ میں ہوئی ۔

نکتہ، حضور علیہ السلام کی پیدائش پاک، ہجرت، مدینہ منورہ میں داخلہ، پہلی وحی، معراج اور وفات سب ہی دوشنبہ کو ہوئے۔ کیونکہ اُس دن کا نام ہے یوم الاثنین یعنی دوسرے درجہ والا دن اور حضور علیہ السلام بھی۔ ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ٭ تو دوسرے مرتبہ والا دوسرے دن میں ہر نعمت سے سرفراز فرمایا گیا (روح البیان یہ ہی آیت) اسی لئے اس دن کو فارسی میں کہتے ہیں دوشنبہ، اردو میں کہتے ہیں پیر یعنی سارے دنوں کا یہ پیر ہے ۔

معراج میں کیا ہوا؟ اس کا مختصر واقعہ یہ ہے جو کہ بخاری و مسلم و دیگر کتب احادیث میں بیان ہوا کہ رجب کی ستائیسویں شب ہے، رات کا آخری حصہ ہے، محبوب خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ہمشیرہ

اتھائی بنتِ ابی طالب کے دولت خانہ میں آرام فرما رہے ہیں کہ حضرت جبریل امین براق اور برات لے کر حاضر ہوئے۔ پیغام الٰہی لائے۔ محبوب کو بیدار کیا۔ رب کا پیغام پہنچایا۔ سینہ پاک کو چاک فرما کر آبِ زمزم سے قلبِ مبارک کو دھویا، اور اس سینۂ فیض گنجینہ کو حکمت و نور سے بھر دیا۔ پھر کوثر کے پانی سے غسل کرایا، اور محبوب کو دولہا بنایا، حلّۂ بہشتی پہنایا، براق حاضر کیا۔ براق کو براق اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی رفتار مثلِ برق (بجلی) کے ہے۔ اور یا اس لئے کہ بالکل سفید ہے (روح البیان) اُس کا جسم گدھے سے بڑا، اور گھوڑے سے کسی قدر چھوٹا، جہاں تک کہ اُس کی نگاہ کام کرے وہاں تک کو ایک قدم میں طے کرے ؎

تھا براقِ نبی یا کہ نورِ نظر ٭ یہ گیا وہ گیا اور نہاں ہوگیا

حضرت جبریل نے اُس کی لگام پکڑی۔ حضرت اسرافیل پیچھے کھڑے ہوئے۔ ملائکہ نے چار طرف سے براق کو گھیر لیا۔ اس شان سے فرشتوں کے جھرمٹ میں دولہا کی سواری مکہ معظمہ سے روانہ ہوئی، آن کی آن میں بیت المقدس سامنے آیا، وہاں تمام انبیاء ورسل وملائکہ کو موجود پایا کہ استقبال کے لئے حاضر ہیں اور نماز کی طیاری ہے، امام الانبیاء کا انتظار ہے، دولہا کا پہنچنا تھا، کہ سب نے سلامی مجرے ادا کیا، تمام انبیاء ملائکہ مقتدی بن کر پیچھے صف بستہ کھڑے ہوگئے، اور حضور علیہ السلام نے امامت فرمائی، سبحان اللہ کیا نماز ہے کہ انبیاء مقتدی امام الانبیاء امام، پہلا قبلہ جائے نماز، ملائکہ مقربین مؤذن حضرت جبریل نے اذان وتکبیر دی (شامی باب الاذان) ؎

نمازِ اسریٰ میں تھا یہ ہی سِرّ عیاں ہوں معنیٰ اوّل آخر ٭ کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

آج اوّل وآخر کے معنی کھلے، کہ خاتم النبیین (آخری رسول) پہلے سلطانوں کی امامت فرما رہے ہیں، اس نماز سے فارغ ہونا تھا کہ سفرِ آسمان طیار تھا، وہ ہی براق اور وہ ہی اُس کی رفتار، وہ ہی برات اور وہ ہی دولہا، آن کی آن میں پہلے آسمان پر پہنچے، حضرت آدم علیہ السلام نے استقبال کیا، اپنے فرزند کی بلائیں لیں، مدتوں بعد تمنا بر آئی، مرحبا کہا، پھر یکے بعد دیگرے آسمان آتے گئے گزرتے گئے۔ ہر آسمان پر مختلف انبیائے کرام سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ وحضرت عیسیٰ علیہ السلام تیسرے پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام چھٹے پر موسےٰ علیہ السلام، ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام زیارتِ سرکار سے مشرف ہوئے، یہاں سے گزرنا تھا کہ سدرہ سامنے آیا، یہ سدرہ حضرت جبریل کے لئے سدِّ راہ بن گیا ؎

بفورِ صد اسماء پر بندھا، یہ سدرہ اٹھا وہ عرش جھکا ٭ صفوفِ سما نے سجدہ کیا ہوئی جو اذاں تمہارے لئے

یہ سدرہ ایک بیری کا درخت ہے، جس کے پتے ہاتھی کے کان کے برابر اور اُس کے پھل مٹکے کی طرح ہیں، یہ حضرت جبریل کا قیام گاہ ہے۔ کہ اس کے آگے ان کی پہنچ نہیں۔ سدرے پر پہنچکر حضرت جبریل نے آگے جانے سے معذرت کی، فرمایا کہ جبریل یہ تو طریقہ نہیں ہے کہ ساتھ چھوڑ دو۔ جبریل نے عرض کیا ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم ٭ فروغِ تجلّٰے بسوزد پرم

آگے بڑھنا حضور ہی کی شان ہے۔ اب اگر مَیں بال برابر بھی آگے جاؤں، تجلیات کی تاب نہ لاسکوں، آگے پروردگار جانے یا وہ جانے والے محبوب، کہ کہاں گئے، وہاں گئے کہ جہاں، کہاں ہی ختم ہو چکا تھا، کب اور کہاں تو مکان اور زمان کے لئے ہے، جہاں سرکار رونق افروز ہیں وہاں نہ زمانہ ہے نہ مکان۔ کوئی بتائے تو کیا بتائے۔ رب نے کیا دیا، محبوب نے کیا لیا، رب نے کیا فرمایا، محبوب نے کیا سُنا۔ یا رب ومحبوب میں کیا راز ونیاز ہوئے۔ یہ تو دینے والا اور لینے والے ہی جانتے ہیں قرآن نے بھی یہ بھید نہ کھولا، بلکہ یوں فرمایا کہ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى رب نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کی وہ کی ٭ موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے طور پر جو کچھ خلوت میں فرمایا، وہ تمام قرآن کریم کے ذریعہ دنیا میں شائع کر دیا گیا، دیکھو سورۂ طٰہٰ، مگر جو اسرارِ محبوب صلے اللہ علیہ وسلم پر معراج میں ظاہر کئے وہ صیغۂ راز ہی میں رکھے گئے کہ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ہم نے اپنے بندے کو جو وحی کی وہ کی، کسی کو کیوں نہ بتائیں۔ ہاں اتنا معلوم ہے کہ وہاں سے اُمت کے لئے تحفہ پچاس وقت کی نمازوں کا دن رات میں عطا ہوا، واپسی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ یہ نمازیں تو بہت ہیں کم کرائی جاویں۔ اب بارگاہِ رب اور حضرت موسےٰ علیہ السلام کے مابین سرکار کی بار بار حاضری ہوتی رہی، اور پانچ پانچ نمازیں کم ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ پانچ رہ گئیں ٭ یہ پانچ نمازیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر رہیں، حضرت موسےٰ علیہ السلام کی یہ تمنا تھی کہ طور پر جمالِ الٰہی دیکھنا چاہا تھا روک دیا گیا۔ آج مجھے موقعہ ملا ہے کہ محبوب بار بار جمالِ کبریا کا مشاہدہ کریں، اور مَیں ان آنکھوں سے رُخِ مصطفٰے کے آئینہ میں جمالِ الٰہی کی خوب دل بھر کر زیارت کروں ؎

تو بدیں جمال وخوبی سرِ عرش گر خرامی ٭ اَرِنِیْ بگوید آں کس کہ بگفت لَنْ تَرَانِیْ

جن آنکھوں نے دلبر دیکھا وہ آنکھیں تک لیاں ٭ توں ملیوں تو ساجن ملیا ہُن آساں لگ پیاں

اسی سفر معراج میں جنت کی سیر بھی فرمائی، اپنے غلاموں کے باغات اور عمارتوں کا معائنہ فرمایا، اور جہنم کا معائنہ فرمایا، گنہگاروں کے عذاب اور اپنے دشمنوں کے عقاب کو دیکھا، چنانچہ ایک جماعت کو ملاحظہ فرمایا کہ دوزخ میں گرم پتھر کھا رہی ہے۔ حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یہ وہ مالدار ہیں جو کہ اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں نکالتے۔ ایک شخص کو ملاحظہ فرمایا کہ خون کے دریا میں کھڑا پتھر کھا رہا ہے۔ حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یہ سود خوار ہیں۔ ایک قوم کو ملاحظہ فرمایا، جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یہ عالم بے عمل ہیں۔ اور ایک کو دیکھا جس کے ناخن تانبے کے ہیں، وہ اپنے چہروں اور سینوں کو اُن سے زخمی کر رہے ہیں۔ حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یہ مسلمانوں کی غیبت کرنے والے ہیں، غرضکہ ہر قوم کا حال ملاحظہ فرمایا (روح البیان) مگر یہ ملاحظہ بطور مثال کے تھا، کہ انبیائے کرام کی آنکھیں گذشتہ اور آئندہ کی باتوں کو مثل حالت موجودہ کے مشاہدہ فرماتی ہیں۔ ورنہ یہ سب واقعات تو بعد قیامت نمودار ہونگے، بغیر تشبیہ اس طرح سمجھو کہ ہم کبھی خواب میں آئندہ کے واقعات بطور مثال دیکھ لیتے ہیں، مگر ہماری یہ خوابیں یقینی نہیں ہوتیں۔ ان حضرات کا مشاہدہ یقینی ہے، اسی طرح بعد موت قیامت سے پہلے میت کی روح جنّت یا دوزخ کی سیر کرتی ہے ارواحِ شہداء جنّت میں جاتی ہیں۔ مگر یہ جانا صرف روحانی ہوتا ہے نہ کہ جسمی، اور بعدِ قیامت جانا جسمی ہوگا۔ برزخ کے مقابلہ میں دنیا مثلِ خواب ہے۔ اور آخرت کے مقابلہ میں برزخ مثلِ خواب (تفسیر روح البیان زیر آیت وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ الآیہ پارہ ۲) ۔

ان تمام سیر و سیاحت سے جب واپس تشریف لائے۔ تو ابھی بستر گرم تھا، اور مبارک دروازے کی زنجیر حرکت کر رہی تھی یعنی تقریباً ۸۰ ہزار سال کا سفر ایک آن میں طے فرمایا، صبح کو جب اس واقعہ کی خبر دی، تو حضرت ابو بکر بلا تامّل تصدیق فرما کر صدیق بنے۔ اور ابو جہل وغیرہ نے اس کی تردید کر کے زندیقی کا طوق گلے میں ڈال ہی ڈالا ۔

یہ تو مختصر واقعاتِ معراج کا بیان ہوا۔ اب اس آیت میں کیا نکات ہیں۔ اوّلاً تو اس کو سُبْحٰنَ الَّذِیْ سے شروع فرمایا گیا، جو کہ تعجب کے موقعہ پر بولا جاتا ہے۔ چونکہ واقعۂ معراج بہت ہی حیرت انگیز واقعہ ہے اور انسانی عقل سے بالاتر۔ اسی لئے فرمایا کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْ یعنی یہ اس کے ارادے سے ہوا جو عجز سے پاک ہے ہر طرح قادر ہے، حضور کے جسم اطہر کا اوپر کی طرف جانا کرۂ آگ

وزمہریر سے سلامت گذر جانا، آسمانوں میں داخل ہو جانا، جنت و دوزخ کی سیر فرمانا، پھر اس قدر جلد واپس آجانا اگرچہ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ مگر رب قدیر کے نزدیک کچھ مشکل نہیں، ہمارا نورِ نظر آن کی آن میں آسمانوں کی سیاحت کر کے فوراً واپس ہوتا ہے۔ اور آگ وزمہریر اس کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ یہ تو ادنےٰ سے نور کا حال ہے۔ حضور سیّد عالم صلے اللّٰہ علیہ وسلم تو سراپا نور ہیں، ان کے کمالات تو اس سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ حضور علیہ السلام کو اس جگہ عَبْد فرمایا نہ کہ رسول یا نبی وغیرہ، کیونکہ آج تو مخلوق سے خالق کی طرف جا رہے ہیں۔ آج شانِ رسالت کے اظہار کا وقت نہیں ہے، اظہارِ عبدیت کا وقت ہے، عبد فنا فی المولیٰ ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام فنا فی اللہ کے درجہ پر فائض ہیں ؎

عبد دیگر عبدہٗ چیزِ دگر ✤ او سراپا انتظار او منتظر

عبد وہ جو رب کا انتظار کرے، جیسے موسیٰ علیہ السلام وادیٔ سینا میں۔ عبدہٗ وہ جس کا رب انتظار فرمائے، عبد وہ جس کی عزت رب کی نسبت سے ہو، اور عبدہٗ وہ اعلےٰ غلام کہ اُس کی عبدیت سے مولےٰ کی عظمت ظاہر ہو، رب فرماتا ہے هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ ؎

وہ ہی ہے اوّل وہ ہی ہے آخر وہ ہی ہے باطن وہ ہی ہے ظاہر
اُسی کے جلوے اُسی سے ملنے اُسی سے اُس کی طرف گئے تھے

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا ؎

عبدہٗ دہر است و دہر از عبدہٗ ✤ ما ہمہ رنگیم و او بے رنگ و بو
عبدہٗ چند و چگونِ کائنات ✤ عبدہٗ رازِ درونِ کائنات
کس ز سرِ عبدہٗ آگاہ نیست ✤ عبدہٗ جز سرِ اِلَّا اللّٰہ نیست
عبدہٗ صورت گر تقدیر ہاست ✤ اندر او تخریب ہا تعمیر ہاست
مدعی پیدا نہ گردد زیں دو بیت ✤ تا نہ بینی از مقام مَا رَمَیْتَ

یعنی عبدہٗ وہ جو سارے عباد کی اصل ہے، عبدہٗ وہ جس کا رنگ سارے عباد میں ہو اور خود بے رنگ ہو، عبدہٗ سارے عباد کا رازِ درون ہے عبدہٗ کے مقام تک اب تک کوئی نہ پہنچا، عبدہٗ سے سارے عباد کی تقدیریں وابستہ ہیں، مَیں ان چند شعروں میں عبد کے پورے معانی بیان نہ کر سکا

اگر تو عبدہٗ کا مرتبہ پہچاننا چاہے تو یہ آیت پڑھ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ٭

فرمایا گیا لَیْلًا یعنی رات کے تھوڑے حصے میں معراج ہوئی نہ کہ دن میں، وہ بھی رجب کی ۲۷ تاریخ کا پچھلا حصہ جبکہ چاند بھی غائب اور سب نیند میں مشغول کیونکہ آج حقیقت محمدیہ بے حجاب جلوہ گر ہے، کس آنکھ میں طاقت ہے کہ اس کو نظر بھر کر دیکھ لے، ملائکہ مقربین بھی کچھ ساتھ دے کر آگے پیچھے رخصت ہو رہے ہیں۔ آج حضور علیہ السلام کی مثال آفتاب کی سی ہے کہ جوں جوں چڑھتا ہے نور بڑھتا ہے ؎

معراج کی شب ہمراہ ہیں سب، سدرہ آیا کوئی نہ رہا
سدرے سے بڑھے جبریل رہے تنہا ہیں جو عرش خدا پایا
جبریل کی آنکھوں سے پوچھو اے چشم حقیقت ہیں کہہ تو
انہیں فرش پہ تو نے کیا دیکھا سدرے سے بڑھے تو کیا پایا

فرمایا اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی دور کی مسجد تک معراج کرائی۔ اللہ جانے دور کی مسجد کون سی ہے آیا مسجد بیت المقدس ہے یا کہ بیت المعمور مسجد ملائکہ ٭

اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ رب سننے دیکھنے والا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ محبوب علیہ السلام سمیع و بصیر ہیں (مدارج، و روح البیان یہ ہی آیت) یعنی حضور علیہ السلام کو اسی لئے معراج کرائی گئی کہ اس عالم کے دیکھنے اور بلا واسطہ ہم کو دیکھنے اور ہمارا کلام سننے پر قدرت رکھنے والے محبوب علیہ السلام ہی ہیں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلَّمْ ٭

آیت ۴۴ - وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ ط عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝

پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، رکوع ۹ ٭ اور رات کے کچھ حصے میں تہجد کرو یہ خاص تمہارے لئے زیادہ ہے، قریب ہے کہ تم کو تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں ٭

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت شریف ہے۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو خصوصیات بیان فرمائی گئیں، ایک تو دنیا میں، دوسری آخرت میں ٭

خصوصیت دنیاوی تو نماز تہجد ہے۔ اور خصوصیت آخروی مقام محمود پر حضور علیہ السلام کی جلوہ گری ہے۔ نماز تہجد کا فرض ہونا حضور علیہ السلام ہی کی خصوصیت ہے۔ نہ تو آپ سے پہلے کسی نبی علیہ السلام کو یہ نماز عطا ہوئی، اور نہ آپ کے بعد کسی امتی کو، ... کہ اگر ایک شہر میں ایک آدمی نے بھی پڑھ لی۔ تو سب بری الذمہ ہو گئے۔ اور اگر کسی نے نہ پڑھی، تو سب تارک سنت ہوئے ٭

نماز تہجد کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ ۱۲ رکعتیں ہیں۔ نماز عشاء پڑھ کر سونے کے بعد جب بھی رات میں آنکھ کھلے، تب ہی تہجد کا وقت ہے، اور صبح صادق ہوتے ہی اس کا وقت گیا یہ نماز بڑی مبارک ہے، بہتر ہے کہ رات کے آخری چھٹے حصے میں پڑھے، اوّلاً تو اور امتوں کو نماز پنجگانہ ملی ہی نہیں، بلکہ اس امت کی خصوصیت ہے۔ ہاں یہ نمازیں علیحدہ علیحدہ انبیائے کرام نے ادا کیں، نماز فجر حضرت آدم علیہ السلام نے صبح ہونے کے شکریہ میں، کیونکہ انہوں نے جنت میں رات نہ دیکھی تھی (شامی جلد اوّل کتاب الصلوٰۃ) نماز ظہر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پڑھی اپنے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام کی جان محفوظ رہنے اور دنبہ قربانی کے آنے کے شکریہ میں، اور نماز عصر حضرت عزیز علیہ السلام نے پڑھی، جبکہ سو برس کے بعد زندہ فرمائے گئے، اور نماز مغرب حضرت داؤد علیہ السلام نے ادا کی توبہ قبول ہونے کے شکریہ میں، کیونکہ ان کی توبہ بوقت مغرب قبول ہوئی تھی، چار رکعت کی نیت کی تھی، مگر درمیان میں تین ہی پر سلام پھیرا۔ اور نماز عشاء حضور علیہ السلام نے ادا فرمائی (طحاوی شریف باب صلوٰۃ الوسطیٰ ای صلوٰۃ) تو نماز عشاء حضور کی امت کی خصوصیت اور نماز پنجگانہ بھی، اور نماز تہجد کی فرضیت حضور علیہ السلام کا خاصہ مبارک ٭

قیامت میں حضور علیہ السلام کا مقام محمود پر تشریف فرما ہونا حضور علیہ السلام کی آخروی خصوصیت ہے، یہ وہ جگہ ہے جس جگہ جلوہ گر ہو کر حضور علیہ السلام سب کی شفاعت کبریٰ فرمائیں گے، تمام اولین و آخرین تلاش شفیع میں جگہ جگہ مارے مارے پھریں گے، ہر دروازہ پہ یہ ہی آواز سنیں گے کہ اِذْھَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ آخر کار حضور علیہ السلام کو اس جگہ پائیں گے، اور حضور علیہ السلام کی اس عزت و عظمت کو دیکھ کر سب دشمن و دوست آپ کی تعریف کریں گے۔ اسی لئے اس کو مقام محمود کہتے ہیں یعنی حمد کیا ہوا مقام ٭ اذان کے بعد مؤذن کو اور اذان سننے والوں کو حکم ہے کہ حضور کے لئے مقام محمود ملنے کی دعا کریں۔ کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں، کہ جو شخص ہمارے لئے یہ دعا کرے گا، ہم اس کی شفاعت فرمائیں گے ٭ اسی طرح اذان میں اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ سن کر سننے والے اپنے انگوٹھوں

کے ناخن چوم کر آنکھوں سے لگائیں. اس کے بہت سے فضائل آئے ہیں. دیکھو شامی جلد اول باب الاذان اور تفسیر روح البیان زیر آیت وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا پارہ ۶.

اگرچہ یہ احادیث حسن یا ضعیف ہیں مگر فضائل میں معتبر. انگوٹھے چومنے کا دنیاوی فائدہ تو یہ ہے کہ اس کا عامل انشاء اللہ کبھی نابینا نہ ہوگا، اور نہ اس کی آنکھوں کی روشنی کم ہوگی. اُخروی فائدہ یہ ہے کہ حضور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم اس کی شفاعت فرماویں گے، اور کرم کریمانہ سے خود اس کو اہل جنّت کی صفوں میں داخل فرمائیں گے، طریقہ اس کا یہ ہے کہ پہلی بار اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سُنے تو کہے صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اور جب دوسری بار سُنے تو کہے قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اور دونوں انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں سے لگائے (چوم کر) پھر کہے اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ (شامی جلد اول باب الاذان) ؂

شامی نے اِس مسئلہ کا انکار نہ کیا، بلکہ اس کے فضائل میں جو احادیث مرفوعہ نقل فرمائیں اُن کے بارے میں فرمایا کہ کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں، جس سے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ موقوف احادیث اس بارے میں صحیح ہیں. نیز یہ نہ کہا کہ مرفوع احادیث ضعیف ہیں بلکہ فرمایا کہ صحیح نہیں، اور ظاہر ہے کہ صحیح نہ ہونے سے حدیث کا ضعیف ہونا لازم نہیں. بلکہ حسن وغیرہ بھی ہو سکتی ہے. اگر اس کی زیادہ تحقیق دیکھنا ہو، تو اعلیحضرت قدس سرّہٗ کا رسالہ مبارک "منیر العینین فی تقبیل الابہامین" دیکھو جس میں روایات سے ثابت کیا گیا ہے کہ اذان میں انگوٹھے چومنا سنّتِ صدیقی بلکہ سنّتِ حضرت آدم علیہ السلام ہے ؂

آیت ۴۶۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۱۵ پارہ ۱۶، سورۃ الکہف، رکوع ۱۲ + تم فرمادو کہ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہوں، تو ضرور سمندر ختم ہو جاوے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آدیں ؂

یہ آیت کریمہ بھی حضور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک ہے. اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک بار یہود نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا. کہ آپ فرماتے ہیں، کہ قرآن میں حکمت ہے، اور ہم کو حکمت دی گئی، اور قرآن فرماتا ہے کہ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت ہی خوبی مل گئی. پھر آپ یہ فرماتے ہیں کہ ہم کو علم دیا گیا مگر تھوڑا علم (یعنی آپ کی دو باتوں میں مقابلہ ہے. ہمارے علم کو تھوڑا بھی کہا گیا اور بہت بھی) اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر خزائن العرفان) اس میں فرمایا گیا کہ قرآن میں بے شک ہر چیز کا علم ہے. اور یہ علم واقعی بہت ہے. مگر علم الٰہی کے مقابلہ میں اس کو وہ نسبت بھی نہیں جو قطرے کو سمندر سے ہے، کیونکہ یہ انتہا رکھتا ہے، اور خدا کے علوم بے انتہا ہیں ؂

اب آیت کا مطلب یہ ہؤا کہ اگر دو سمندروں کا پانی روشنائی ہو، اور ان سے رب کے کلمات لکھے جاویں، تو بھی سمندر کا پانی ختم ہو جاوے گا. مگر رب کے کلمات ختم نہ ہوں گے + اِس میں مفسّرین کے چند قول ہیں. کہ رب کے کلمات سے کیا مراد ہے. بعض حضرات نے فرمایا کہ رب کے معلومات بعض نے کہا کہ رب کے مقدورات، بعض نے فرمایا کہ خدا کی حکمتیں (روح البیان) غرضکہ خدا کا علم اس کی قدرت اور اس کی حکمت اور اس کے صفات کی انتہا نہیں. لیکن حضرت شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی نے مدارج النبوت جلد اول باب سوم میں فرمایا کہ اہلِ تحقیق کے نزدیک رب کے کلمات سے مراد حضور علیہ السلام کے فضائل اور کمالات اور حضور کے علوم ہیں، تو آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ اگر دنیا بھر کے نعت خوان اور نعت گو اور واعظین اور کاتبین دو سمندروں کے پانی کی روشنائی لے کر صفات وکمالات مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھیں، تو یہ روشنائی ختم ہو جاوے گی. مگر حضور کے اوصاف ختم نہ ہوں گے. اِس آیت میں دو سمندروں کا ذکر ہے. مگر دوسری میں اس سے بھی زیادہ کا ذکر فرمایا گیا ہے + ارشاد ہؤا وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ یعنی اگر تمام زمین کے درخت قلم ہو جاویں اور سمندر کے ساتھ سات سمندر اور مل جاویں، پھر بھی رب کے کلمات یعنی صفات مصطفٰے علیہ السلام تمام نہ ہوں ؂

قربان اُس کمالات دینے والے کے اور لینے والے کے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم + شیخ کی اس تفسیر کی دوسری آیات بھی تائید فرماتی ہیں. دیکھو دنیا کی نعمتوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ تم ان کو شمار نہیں کر سکتے. اور واقعہ بھی یہ ہی ہے، کیونکہ ہم کو اپنے جسم کے بال اور رگیں اور تمام اعضا کی شمار نہیں معلوم، اور ایک ایک بال میں لاکھوں نعمتیں، تو ان نعمتوں کی شمار کس طرح ممکن ہے. یہ جسم کی داخلی نعمتوں کا ذکر ہے. خارجی نعمتیں اس کے علاوہ ہیں. چاند، سورج، زمین، آسمان وغیرہ وغیرہ

ان تمام نعمتوں کو قرآن نے فرمایا قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ فرمادو کہ دنیا کی متاع تھوڑی ہے، لیکن حضور علیہ السلام کے ہر وصف وکمال کو قرآن نے عظیم فرمایا، رب نے اپنی صفات کو عظیم فرمایا، اور اپنے محبوب علیہ السلام کے صفات کو بھی عظیم فرمایا۔ اپنے لئے فرمایا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ اور محبوب علیہ السلام کے لئے فرمایا اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ حضور علیہ السلام کے اخلاق کو عظیم فرمایا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا اے محبوب آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔ اس فضل عظیم میں تو تمامی صفات مصطفےٰ شامل ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی ہر صفت عظیم ہے۔

حضور علیہ السلام کے علم کے بارے میں فرمایا گیا اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا، سُبحان اللہ، سکھانے والا رحمٰن، سیکھنے والے حبیب الرحمٰن، کتاب قرآن پھر علم مصطفےٰ کا پوچھنا، غرضکہ حضور علیہ السلام کی ہر صفت وہر کمال عظیم ہے، تو اب کس انسان اور کس فرشتے یا جن میں طاقت ہے، کہ حضور علیہ السلام کی نعت کا احاطہ کر سکے۔ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصۂ مختصر

خدا و مصطفےٰ کی رمز سے ادراک عاجز ہے ۔ خدا کو مصطفےٰ جانے محمد کو خدا جانے

اسی لئے قصیدہ بردہ میں فرمایا گیا ہے

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ ۔ وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ مِّنْ عَظَمٍ

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَیْسَ لَهٗ ۔ حَدٌّ فَیُعْرِبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٍ

یعنی حضور کو وہ نہ کہو جو عیسائیوں نے اپنے نبی کے لئے کہا، (خدا کا بیٹا) اس کے سوا جو بھی عزت وعظمت کے کلمات ممکن ہوں بلا ٹھٹک کہدو، کیونکہ حضور علیہ السلام کے فضائل کی کوئی حد ہی نہیں، جس کو بولنے والا اپنے منہ سے بیان کرے۔ جس قدر حضور علیہ السلام کی نعتیں لکھی اور پڑھی جا چکیں ان کی بھی حد ہم کو نہیں معلوم، دنیا میں جس زبان میں دیکھو، حضور علیہ السلام کی نعت موجود ہے، اور بیشمار نعتیں ہیں۔ پھر جنات نے جو نعتیں کہیں اس کی ہم کو خبر نہیں۔

پھر مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات میں ہے۔ ہر روز ستر ہزار فرشتے روضہ پاک محبوب علیہ السلام پر حاضری دے کر صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں، جو صبح کو آتے ہیں وہ شام کو چلے جاتے ہیں، اور جو شام کو آتے ہیں صبح کو چلے جاتے ہیں (اور جو ایک بار آ گئے ان کو دوبارہ آنا نصیب نہیں ہوتا) یہ ملائکہ کی نعت ان سب کے علاوہ ہے۔ اب حساب تو لگاؤ کہ بھلا کس قدر نعت پاک بیان ہو چکی، مگر رب گواہ ہے کہ میرے آقا و مولےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے دفتر کا ایک نقطہ بھی بیان نہیں ہوا۔

اس کے علاوہ گذشتہ انبیائے کرام نے جو حضور علیہ السلام کی نعتیں بیان فرمائیں، وہ علاوہ ہیں قیامت میں جو مقام محمود پہ آپ کی تعریفیں ہوں گی، کہ دوست اور دشمن سب ہی مدح خوانی کرینگے وہ اس کے سوا ہیں۔

نیز پروردگار عالم نے جو ان کی نعت ارشاد فرمائی وہ بے حد وبے شمار ہے، اب کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی نعت احاطہ میں آ سکتی ہے۔ بس خدا کی حمد حضور علیہ السلام ہی کر سکتے ہیں، اور حضور علیہ السلام کی نعت خدا ہی فرماتا ہے۔

ہم لوگ جو کچھ نعت شہ لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھتے یا پڑھتے ہیں اس خیال سے نہیں کہ بس ہم نے حق نعت ادا کر دیا۔ بلکہ فقط اپنا نام نعت خوانوں کی فہرست میں لکھانے کی یہ ترکیب ہے مثل حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے کے لئے بازار مصر میں ایک بڑھیا سوت کی انٹی لے کر گئی، لوگوں نے کہا کہ بے وقوف تیرا منہ اور خریداری حسن یوسف۔ آج تو لوگوں نے ان کے خریدنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی ہے۔ خزانہ کے منہ کھول دیئے ہیں، وہ بولی یہ میں بھی جانتی ہوں، مگر خریداروں کی فہرست میں اپنا نام درج کرانا منظور ہے، یہ ہی معاملہ یہاں ہے صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وبارک وسلم۔

آیت ۴۷۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط پارہ ۱۶، سورہ کہف، رکوع ۱۲۔ تم فرماؤ کہ ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

اس آیت سے ظاہر بین لوگ اس پہ دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے انسان ہیں کھانے پینے، موت وزیست میں ہم جیسے ہیں، مگر اگر نظر ایمانی سے دیکھا جاوے، تو یہ آیت حضور علیہ السلام کی نعت کا گلدستہ ہے، اس جگہ چار طرح بحث کرنا ہے، اوّلاً یہ کہ اس آیت سے مقصد کیا ہے دوم یہ کہ آپ کو بشر وغیرہ خطاب عامہ سے پکارنا شرعاً جائز ہے یا حرام۔ تیسرے یہ کہ آیا شرعاً یا عقلاً حضور واقعی ہم جیسے بشر ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو آیت میں مِثْلُكُمْ سے کیا مراد ہے؟ چوتھے یہ کہ یُوْحٰٓی اِلَیَّ نے کیا فائدہ دیا۔

(۱) تمام مومن اور کافر جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کہ وہ انسانی میں جلوہ گر ہوئے، کفار تو کہا ہی کرتے تھے مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا نہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر، اور مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نبی ہیں اور نبی وہ انسان ہوتے ہیں جو اللہ کی طرف سے احکام شرعیہ کی تبلیغ فرمانے کے واسطے بھیجے گئے ہیں. غرضکہ تمام دنیا اس مسئلہ کو جانتی اور مانتی ہے. پھر اس قدر کھلی ہوئی، جانی ہوئی، مانی ہوئی بات کو جو قرآن کریم نے اس قدر اہتمام سے بیان فرمایا. اس سے کیا مقصد ہے ؟

وجہ یہ ہے کہ عیسائیوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے صرف دو معجزے دیکھے؛ بغیر باپ کے پیدا ہونا اور مُردوں کو زندہ فرمانا، بیماروں کو شفا بخشنا، ان دو معجزوں کو دیکھ کر اُن کو ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا کہدیا + یہودیوں نے حضرت عزیز علیہ السلام میں صرف ایک معجزہ یعنی سو برس کے بعد زندہ ہونے کو دیکھ کر اُن کو خدا کا بیٹا کہدیا، مشرکین نے فرشتوں کو خدا کی لڑکیاں مان لیا. کسی نے جنات اور رب العالمین میں رشتہ جوڑ دیا. غرضکہ ان بے وقوفوں نے معجزات یا قوت وطاقت دیکھ کر ان حضرات کی شان میں افراط کی، بعض بے دین لوگوں نے انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہکر اُن کی شان میں تفریط اور کمی کی، اسلام کا یہ منشاء ہے کہ مسلمان ان افراط و تفریط سے محفوظ رہیں، ان قوموں نے تو چند معجزات دیکھ کر انبیاء کو خدا کا بیٹا وغیرہ کہدیا + مگر بانئ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر معجزات دیکھے، دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا، اشارے سے ڈوبا ہوا سورج لوٹ آیا، حکم سے بادل آکر برسا اور اشارہ پاکر پھٹ گیا، ارشادِ سرکار سے وہ درخت جو دُور دُور تھے آپس میں جُڑ گئے. کنکروں نے کلمہ شہادت پڑھا، فراق میں لکڑیاں روئیں، تھوڑے سے کھانے سے لشکر کا پیٹ بھرا، انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے، اشارے پر مُردے زندہ ہوئے، غرضکہ بے شمار معجزات کا ظہور ہوا، تو خدشہ تھا کہ کوئی حضور علیہ السلام کو بھی خدا، یا خدا کا بیٹا نہ کہنے لگے، اس لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہر ایک ادا سے اپنی بندگی کو ظاہر فرمایا، اور کلمہ میں پڑھوایا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، قرآن نے یہ اعلان فرمایا اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ +

(۲) ہر مسلمان کا عقیدہ ہے، کہ انبیائے کرام اللہ کے بندے ہیں، اور اس کے محبوب ان کی جلوہ گری انسانوں میں ہوئی. مگر ان کو بشر یا بھائی یا بادا یا انسان یا آدمی کہکر پکارنا حرام ہے، اور اگر بہ نیتِ توہین کہا، تو کہنے والا کافر ہے (عالمگیری وغیرہ) +

قرآن کریم فرماتا ہے وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اس آیت میں صاف بتایا گیا. کہ جن خطابات سے ایک دوسرے کو معمولی طریقہ سے پکارتے ہو حضور کو نہ پکارو، ورنہ تمہارے اعمال ضبط ہو جاویں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی اور اعمال کا ضبط ہونا کفر سے ہوتا ہے. اسی لئے اس آیت کو کلمۂ قُلْ سے شروع فرمایا یعنی اے محبوب علیہ السلام آپ بطریقِ انکسار تواضع فرمادو کہ میں تم جیسا بشر ہوں. نہ تو ہم آپ کو بشر کے خطاب سے پکاریں گے اور نہ کسی فرد بشر کو اجازت ہے کہ آپ کو اس خطاب سے پکارے، اسی لئے قرآن نے کسی جگہ حضور علیہ السلام کو بشر یا آدمی یا مومنوں کا بھائی وغیرہ کہکر نہ پکارا، بلکہ يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ، يَآاَيُّهَا الرَّسُوْلُ، يَآاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ، يَآاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ. اے چادر کے اوڑھنے والے، اے کپڑوں کے پہننے والے، اے بڑے درجہ والے، اے ہمارا پیغام لوگوں کو سُنانے والے وغیرہ خطابوں سے پکارا، جب رب تعالیٰ اُن بشر وغیرہ خطاب سے نہ پکارے، تو ہم غلاموں کو کیا حق ہے ؟ کہ اس طرح اُن کو یاد کریں + دوسرے یہ بھی ہے کہ کسی دنیوی عظمت والے کو معمولی خطاب سے پکارنے کے معنے یہ ہیں کہ اُس کی عظمت کا انکار کرے، کسی خان بہادر یا نواب یا کلکٹر صاحب کو او آدمی، او بھائی، او انسان کہکر پکارنے والا مجرم ہے، مستحق سزا ہے، تو جو حضرات انبیاء بارگاہ الٰہی سے خطاب یافتہ ہوں، اُن کو عام القاب سے پکارنے والا بے دین ہے. اگر اپنی ماں کو کہے او باپ کی بیوی، اے میری بہن، یا باپ سے کہے او بھائی، او انسان، او مرد، تو گستاخ کہا جاتا ہے. تو حضور علیہ السلام کو ان القاب سے پکارنے والا کیونکر گستاخ نہ ہوگا. اور کیوں بے ادب نہ کہا جاوے گا +

اسی لئے بعض محققین علماء کے نزدیک قرآن میں يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم داخل نہیں چند وجہ سے. ایک یہ کہ حضور کو عام خطابوں سے نہ پکارا جائے، اور یہ عام خطاب ہے، دوسرے یہ کہ دیگر مومن حضور سے ایمان لینے والے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان دینے والے، اور اٰمَنُوْا میں ایمان لینے والے مراد ہیں، تیسرے اس لئے کہ اٰمَنُوْا سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا میں آکر مومن بنے اور حضور مومن بن کر دنیا میں تشریف لائے، بلکہ نبی بن کر آئے، چوتھے اس لئے کہ دیگر مومنوں پہ احکام کی آیتیں نازل ہونے کے بعد احکام فرض ہوئے. اور حضور نزولِ قرآن سے پہلے عابد زاہد نمازی عادل اور احکام پہ عامل تھے

یہ آیات حضور کے عمل کے لئے نہیں اتریں بلکہ تبلیغ احکام کے لئے آئیں۔ حضور نے معراج میں نماز پڑھائی اور ظہورِ نبوت سے پہلے غارِ حرا میں نمازیں پڑھیں، حالانکہ اُس وقت احکام نہ آئے تھے پانچویں اس لئے کہ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کے بعد ایسے احکام بھی آئے ہیں، جو حضور پر جاری نہیں ہو سکتے۔ جیسے اے ایمان والو! اپنی آوازیں حضور کی آواز پر اونچی نہ کرو، یا اے ایمان والو! اللہ رسول سے آگے نہ بڑھو۔ اور جو اعمال حضور نے کئے وہ ہماری تعلیم کے لئے۔ مسافر جہاز میں پار لگنے کو سوار ہوتے ہیں مگر کپتان پار لگانے کو، اسی لئے مسافر کرایہ دے کر بیٹھتے ہیں اور کپتان تنخواہ لے کر ۔

(۳) حضور علیہ السلام نہ شرعاً ہماری مثل ہیں اور نہ عقلاً۔ شرعاً تو اس لئے نہیں کہ ایمان اور اعمال اور احکام اور معاملات کسی میں بھی ہم کو آن سے مماثلت اور مشابہت نہیں۔ حضور علیہ السلام کا کلمہ ہے اَشۡھَدُ اَنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ یعنی میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر ہم یہ کہیں تو کافر ہو جاویں، یہ تو کلمہ میں فرق ہوا نمازیں ہم پر پانچ اور حضور پر چھ فرض ہیں، تہجد بھی حضور پر فرض (قرآن) ہمارے لئے ارکانِ اسلام پانچ، حضور علیہ السلام کے لئے صرف چار (زکوٰۃ فرض نہیں) شامی کتاب الزکوٰۃ ۔ ہم کو چار نکاح حلال۔ آپ کو جس قدر چاہیں ۔ ہماری بیوی موت کے بعد جس سے چاہے نکاح کرے، حضور کی بیویاں کسی سے نکاح نہ کر سکیں (قرآن کریم)، ہماری میراث تقسیم ہو، حضور کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ (حدیث)، ہم تو قانون کے پابند مگر قانونِ الٰہی جنبشِ لبِ مصطفٰے کا منتظر، جو جس کو چاہیں حلال فرما دیں اور جو جس کو چاہیں حرام۔ اس کے بے شمار دلائل موجود ہیں ۔

ایک حضرت ابو خزیمہ کی گواہی دو کے برابر فرما دی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاتونِ جنّت کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح سے روک دیا۔ ایک صاحب کا کفارہ اُن ہی کو کھلا دیا وغیرہ وغیرہ خود فرماتے ہیں صوم وصال کے موقعہ پر اَیُّکُمۡ مِثۡلِیۡ یُطۡعِمُنِیۡ رَبِّیۡ وَ یَسۡقِیۡنِیۡ تم میں مجھ جیسا کون ہے، مجھے تو رب کھلاتا پلاتا ہے ۔ بیٹھ کر نفل پڑھنے کے لئے فرماتے ہیں لَکِنِّیۡ لَسۡتُ کَاَحَدٍ مِّنۡکُمۡ لیکن ہم تم جیسے نہیں۔ غرضکہ ان تمام امور سے معلوم ہوا کہ شرعاً حضور علیہ السلام ہم جیسے نہیں ۔ اسی طرح عقلاً بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم جیسے نہیں، کیونکہ حضور علیہ السلام کا ایمان دیکھا ہوا، خدا کو دیکھا، جنّت و دوزخ کو دیکھا وغیرہ وغیرہ۔ آپ کو معراج ہوئی، ہم کو معراج نہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

این خورد گردد پلیدی زیں جدا ۔ آں خورد گردد ہمہ نورِ خدا

ہم جو کھاتے پیتے ہیں اُس سے پیشاب پاخانہ وغیرہ نجس چیزیں بنتی ہیں، حضور علیہ السلام جو کھاتے ہیں اُس سے نُورِ الٰہی ہوتا ہے۔ جیسے شہد کی مکھی جو کھاتی ہے۔ اُس سے شہد بنتا ہے، اور جو زنبور کھاتی ہے۔ اُس سے زہر بنتا ہے ۔ حضور رحمۃ للعالمین ہیں، ہم نہیں۔ حضور ایمان ہیں، ہم مومن، حضور علیہ السلام کے جسمِ پاک کا سایہ نہیں، ہمارا سایہ ہے، حضور علیہ السلام پر ابر سایہ کرتا تھا دھوپ سے، ہم کو یہ بات نہیں۔ غرضکہ عقلی طور پر بھی ہم حضور کی مثل نہیں ۔ مولوی عبد الحی صاحب نے اپنے فتاویٰ عبد الحی میں ایک حدیث نقل کی، فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، کہ جب ہم اپنی والدہ ماجدہ کے شکم پاک میں تھے۔ تب قلم الٰہی چلنے کی آواز سُنا کرتے تھے ۔ کہیئے کون ایسا ہو سکتا ہے؟ حضور علیہ السلام عارف باللہ پیدا ہوئے۔ ہم لوگ پیدا ہو کر علم سیکھ کر بھی اس درجہ پر نہیں پہنچے۔ پھر مماثلت اور مشابہت کیسی؟ اب آیت کریمہ کا مطلب کیا؟ مطلب یہ ہے، کہ اے محبوب فرما دو کہ ظاہری بشرہ میں ہم تم جیسے ہیں، بَشَر کہتے ہیں بُشرہ والا، اور بُشرہ کہتے ہیں ظاہری کھال کو، اور ظاہری بُشرہ میں بھی صرف ظاہری طور پر ہم جیسے معلوم ہوتے ہیں، ورنہ اس میں بھی بڑا فرق ہے، اسی طرح بعض انسانی ظاہری حالات میں ہم تم جیسے بشر ہیں مثلاً ظاہری طور پر کھانا پینا، چلنا بیٹھنا ظاہری طور پر امراض وغیرہ کا آنا، ورنہ حقیقتاً ان حالات میں بھی حضور علیہ السلام کا حال شریف ہم سے بالکل علیحدہ ہے۔ مِثۡلُکُمۡ سے مراد یہ ہے کہ جس طرح تم خالص بندے ہو، نہ تم اللہ ہو نہ الوہیت کی صفات سے موصوف، اسی طرح ہم بھی محض عبد اللہ ہیں، الوہیت ہم میں نہیں، نہ ہم اللہ ہیں، نہ اللہ کے بیٹے، بلکہ اللہ کے بندے اور بندوں کے آقا صلے اللہ علیہ وسلم مثل صرف اس امر میں ہیں نہ کہ ہر چیز میں ۔

(۴) یُوۡحٰۤی اِلَیَّ سے اس شبہ کو رد کر دیا جو مِثۡلُکُمۡ سے پیدا ہوتا تھا شاید کوئی کہدیتا کہ حضور علیہ السلام ہر وصف میں ہم جیسے ہیں، فرمایا گیا، نہیں، ہم صاحب وحی ہیں۔ اور تم ہمارے اُمتی، وحی والا اُمتی کی طرح کس طرح ہو سکتا ہے؟ یُوۡحٰی کی صفت نے نبی اور اُمتی میں ایسا فرق کر دیا، جیسا ناطق کی قید نے انسان اور غیر انسان میں۔ زید حیوان ہے دوسرے جانوروں کی طرح مگر ناطق ہے، ناطق سے زید کی حقیقت ہی کچھ اور ہو گئی۔ اور دوسرے جانوروں کی حقیقت ہی اور ۔

ال کہ فرماتے ہیں لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ یعنی
بعض اوقات ہم کو رب تعالیٰ سے وہ قرب ہوتا ہے کہ اُس جگہ نہ کسی مُقرّب فرشتے کی گنجائش ہوتی ہے
اور نہ کسی مرسل نبی کی ۔ بہرحال یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی بہت سی نعتوں پر مشتمل ہے مگر شرط یہ
ہے کہ نگاہ تحقیق سے دیکھا جاوے ۔

حضرت شیخ عبدالحق مدارج النبوت باب سوم میں فرماتے ہیں کہ اس قسم کی آیات جس میں حضور
علیہ السلام کی برابری اور مساوات معلوم ہوتی ہو ۔ وہ مثل متشابہات کے ہیں ، جیسے کہ پروردگار عالم
نے اپنے نور کی مثال چراغ سے دی کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ تو اب کوئی نہیں کہہ سکتا کہ نور الٰہی چراغ
جیسا نور ہے ، اسی طرح کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مصطفےٰ علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں ۔ مولوی قاسم نانوتوی
بانی مدرسہ دیوبند کہتے ہیں ؎

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت ۔ نہ جانا کچھ بھی کسی نے تجھے بجز ستار

یعنی حضور علیہ السلام نور ہیں اور نور محض کو دیکھنے کی انسان میں طاقت نہیں ، جیسے سورج کو آنکھ نہیں
دیکھ سکتی ، مگر جب آفتاب پر ہلکا سا بادل آجاوے ، تب اس بادل کے حجاب سے لوگ کچھ اُس کو
دیکھ لیتے ہیں ، اسی طرح نور کو دکھلانے کے لئے بشری حجاب ولباس پہنایا گیا ۔ پھر آپ جیسے ہیں
ویسا کسی نے نہ دیکھا بجز رب تعالیٰ کے ۔

صوفیا کی اصطلاح میں بشر حضور کی نعت ہے ۔ کیونکہ بشر کے معنی ہیں خاص رب کے دست
قدرت کا بنایا ہوا ، مباشرت بِالْیَدِ سے یہ لفظ بنا سارا عالم فرشتوں کے ذریعہ بنا ، مگر آدم علیہ السلام
کو رب نے خود اپنے دستِ قدرت سے لہٰذا بشریت انسان کی بڑی اعلیٰ صنعت ہے ۔ رب نے
شیطان سے خطاب فرمایا مَنَعَکَ اَنْ لَّا تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ اور فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ
فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ اسی لئے قلب مومن کو اپنا تجلی گاہ بنایا ؎

کعبہ تعمیر خلیل اکبر است ۔ دل گذر گاہ جلیل اکبر است

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

لیکن چونکہ ہم نے اپنی بشریت کو گناہوں سے گندہ کر لیا ۔ اس لئے یہ لفظ گویا بدنام سا ہو گیا اور انبیاء
کرام کو اس لفظ سے یاد کرنے سے ہمیں روک دیا گیا ۔

حضرت قبلہ عالم پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری علیہ الرحمۃ فرماتے تھے ۔ کہ
جوہر اعظم انسان میں تو پانچ درجہ کا فرق ہے ۔ کہ انسان کے اوپر حیوان اُس پر جسم نامی اُس پر جسم مطلق
اُس پر جوہر مگر بشر اور حضور علیہ السلام میں ستائیس درجہ فرق ہے یعنی بشریت سے مصطفویت ۲۷
درجہ بلند و بالا ہے ، جس کے بعد صرف الوہیت ہی کا درجہ ہے ۔ یہاں عبدیت کے سارے درجے ختم
ہو چکے ہیں ، یعنی بشر پر مومن اُس پر صالح ، اُس پر شہید ، اُس پر متقی ، اُس پر مجتہد ، اُس پر اوتاد ، اُس
پر ابدال ، اُس پر قطب ، اُس پر قطب الاقطاب ، اُس پر غوث ، اُس پر غوث اعظم وغیرہ ، پھر اس پر تابعی
پھر اس پر صحابی ، پھر اس پر انصاری ، پھر ان پر مہاجر ، پھر ان پر صدیق ، پھر ان پر نبی ، پھر ان پر رسول پھر
ان پر اولوالعزم پھر ان پر خلیل ، پھر ان پر خاتم النبیین ، پھر اس وصف پر رحمۃ للعالمین ، پھر ان پر
حبیب پھر اس پر درجہ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ، یہ اجمالی ذکر ہے ۔ تو جب ہم عام بشر عالم انوار اور
ملائکہ کی مثل نہیں حالانکہ وہ بھی جوہر ہیں ۔ اور ہم بھی جوہر ۔ مگر پانچ درجہ فرق نے فرق عظیم پیدا فرما دیا
تو عام بشر اور مصطفےٰ علیہ السلام برابر کس طرح ہوں گے ؟ حالانکہ یہاں ۲۷ درجہ فرق ہے ۔

لطیفہ ۔ کسی نعت خواں نے ڈاکٹر اقبال کے سامنے یہ نعت پڑھی " جس کا نام ہے محمدؐ اس سے
دو جگ ہے اُجالا " ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ دو شعر میرے بھی لکھ لو ، فرماتے ہیں ؎

جن کا نام ہے محمدؐ اُن کا ہر مومن متوالا

قدرت کی تحریر بن جائے ۔ اُمّی اور تقریر بن جائے
بخشش کی تدبیر بن جائے ۔ پھر ہے بھولا بھالا

جن کا نام ہے محمدؐ اُن کا ہر مومن متوالا

آن کی آن میں عرش پہ جاوے ۔ آنکھ کھلے تو فرش پہ آوے
مکّہ کا سورج کہلاوے ۔ دُنیا کا اُجیالا

جن کا نام ہے محمدؐ اُن کا ہر مومن متوالا

تفسیر روح البیان میں پارہ ۱۶ شروع سورہ مریم کٓھٰیٰعٓصٓ کے ماتحت فرماتے ہیں کہ حضور
علیہ السلام کی تین صورتیں ہیں ۔ ایک بشری جس کا ذکر ہے اس آیت میں ۔ دوسرے حقی جس کے
متعلق فرماتے ہیں مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ جس نے مجھ کو دیکھا ، اُس نے حق کو دیکھا ، تیسرے

طوطی کو سکھانے کا طریقہ یہ ہے، کہ اس کے سامنے قد آدم شیشہ رکھ کر آئینہ کے پیچھے سے خود بولتے ہیں۔ طوطی اس آواز کو اپنے ہم جنس کی آواز سمجھ کر خود بھی بولنے لگتی ہے۔ حضور علیہ السلام آئینۂ پروردگار ہیں۔ اگر یہ آئینہ درمیان میں نہ ہوتا، تو بندے رب سے فیض نہ لے سکتے۔ اس آئینہ کے دو رُخ ہیں۔ ایک بندوں کی طرف دوسرا خالق کی طرف۔ اِس رُخ کی یہ صدا ہے اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ تم جیسے نہ بد کو میں تمہارا ہم جنس ہوں۔ دوسرے رُخ کی یہ صدا ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

گفت من آئینہ ام مصقول دوست ٭ ترکی و ہندی در من آں بیند کہ اوست

اعلیحضرت نے خوب فرمایا ؎

آپ پردے میں رہے آئینہ حسن خاص کا ٭ بھیج کر انجانوں سے راہ داری واہ وا

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمْ ٭

آیت ۴۸۔ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا۔

پارہ ۱۶، سورۂ مریم، رکوع ۶۔ تو ہم نے تمہاری زبان میں یہ قرآن یوں ہی آسان فرمایا کہ تم اس سے ڈر والوں کو خوشخبری سناؤ اور جھگڑالو لوگوں کو اس سے ڈر سناؤ ٭

یہ آیت بھی حضور علیہ السلام کی نعت پاک ہے۔ اِس میں فرمایا گیا ہے۔ کہ ہم نے قرآن کریم کو آپ کی زبان پہ یا آپ کی زبان میں آسان فرما دیا۔ تاکہ اس سے آپ بشارت اور ڈر لوگوں کو سنائیں اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم بہت مشکل اور دشوار ہے، کہاں رب کا کلام اور کہاں انسان ضعیف البنیان۔ مگر اس قرآن کو زبان مصطفٰے علیہ السلام پہ آسان فرمایا جو پہاڑ سے بھی زیادہ ہمت والی ہے۔ کہ اس کو برداشت فرمایا ٭

روح البیان نے اِس آیت میں فرمایا کہ قرآن کریم صفت الٰہی قدیم اور غیر متناہی ہے۔ اس کو ہمارے الفاظ گھیر نہیں سکتے، کیونکہ یہ الفاظ حادث اور متناہی ہیں۔ لیکن قلب پاک اور زبان مبارک مصطفٰے علیہ السلام کو قدرت الٰہی نے یہ قوت عطا فرمائی۔ کہ اس کو کما حقہٗ جان لیا ٭

اِس سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن بالکل آسان اور مکمل کتاب ہے اب اِس کے ہوتے ہوئے حدیث کی کیا ضرورت ہے محض دھوکے میں ہیں، بے شک قرآن آسان ہے۔ مگر ہر زبان کے لئے نہیں بلکہ زبانِ محبوب علیہ السلام کے لئے یا اُس کے لئے جو اُس بارگاہ سے فیض حاصل کریں، اور بے شک قرآن مکمل کتاب ہے۔ مگر اس مکمل میں سے کچھ حاصل کرنے کے لئے اور موتی نکالنے کے لئے کسی مکمل ہی ذات کی ضرورت ہے۔ دریا سے موتی نکالنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے ٭ دوسرے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا، کہ قرآن کا وہ ہی مطلب اور وہ ہی پڑھنا درست سمجھا جاوے گا جو حضور علیہ السلام سے منقول ہو۔ جو کوئی کسی آیت کی ایسی تفسیر کرے جو تفسیر مصطفٰے علیہ السلام کے خلاف ہے، یا ایسی قرأت اختیار کرے، جو آں جناب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت نہیں وہ باطل و مردود ہے۔ مثلاً خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ کے معنے حضور علیہ السلام نے فرمائے لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ ہمارے بعد کوئی نبی نہیں، ہم سب سے آخری نبی ہیں۔ اب جو شخص اس معنی کو خیالِ عوام بتلائے اور اس کے معنے کرے بنی بالذات یا اصلی نبی، اور حضور علیہ السلام کے بعد کسی نئے نبی کا آنا جائز یا کہ ممکن مانے وہ مرتد ہے العیاذ باللہ ٭ اسی طرح قرآنی حروف کا ادا کرنا اُن کے مخارج، طریقہ تلاوت وہ ہی ہونا لازم ہے جو صاحب قرآن سے ثابت ہوں۔ صلی اللہ علیہ وسلم ٭

اِس آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اے پیارے محبوب ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان کی برکت سے آسان کر دیا یعنی بِلِسَانِكَ میں ب سبب کے لئے ہے۔ یعنی اگر یہ قرآن آپ کی زبان مبارک سے ادا نہ ہوتا، تو کسی کی کیا مجال تھی۔ کہ اس تک پہنچ جاتا، کیونکہ یہ قرآن اُسی لوح محفوظ میں تھا، جہاں کسی انسان کا وہم و گمان بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ آپ کی پاک زبان نے اس چھپے خزانہ اور دُرِّ مکنون کو خلق تک پہنچایا، اگر آپ کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا، تو مخلوق کا تعلق خالق سے قائم ہی نہ ہوتا، بلکہ حضور کی زبان نے قرآن کو قرآن بنا دیا، لاؤڈ اسپیکر کے دو رُخ ہوتے ہیں ایک بولنے والے کی طرف یعنی مائیکروفون اور دوسرا رُخ سامعین کی طرف یعنی ہونٹ۔ اس طرح وہ بولنے والے کا کلام سامعین تک پہنچاتا ہے، ایسے ہی آقائے دوجہان صلے اللہ علیہ وسلم کے دل و دماغ کا رُخ رب کی طرف اور زبانِ پاک کا رُخ مخلوق کی طرف ہے۔ اس طرح رب کا کلام ہم تک پہنچاتے ہیں ٭ خیال رہے کہ قرآنی الفاظ کا نزول کان شریف پر ہوا اُس کے مضامین کا نزول دماغ شریف پر اور اسرار کا نزول قلب مبارک پر، جیسے جو ملا حضور سے ملا ٭

آیت ۴۹۔ طٰهٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۞ پارہ ۱۶، سورہ طٰہٰ، رکوع ۱ + اسے

محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نہ اُتارا کہ تم مشقت میں پڑو ۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف ہے۔ اور اس میں پروردگار عالم کا اپنے محبوب علیہ السلام پر انتہائی کرم کا اظہار ہے ۔

اِس آیت کے شانِ نزول میں مفسرین کے دو قول ہیں ، اوّلاً تو یہ کہ حضور علیہ السلام عبادتِ الٰہی میں بہت ہی مشقت برداشت فرماتے تھے ، یہاں تک کہ رات کے قیام کی وجہ سے مبارک پاؤں پر ورم آجاتا ، اور ان کے خون جاری ہو جاری ہو جاتا تھا ، رب تبارک وتعالیٰ کو اپنے محبوب علیہ السلام کا اس قدر مشقت فرمانا منظور نہ ہوا ۔ اور فرمایا گیا ۔ اے محبوب یہ قرآن آپ پر اس لئے نہ اتارا گیا کہ آپ مشقت میں پڑ جاویں ۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی دلی خواہش مبارک یہ تھی کہ کوئی بھی اللہ کا بندہ اللہ کی راہ سے گمراہ نہ رہے ۔ تو کفار کے کفر پر اَڑنے سے آپ کے دل مبارک کو صدمہ پہنچتا تھا ۔ اِس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ، اور فرمایا گیا ۔ کہ آپ کے ذمّہ صرف تبلیغ احکام ہے ، وہ آپ نے پوری پوری فرمادی ۔ اگر یہ بدنصیب اس سے فائدہ نہ اٹھائیں ، تو محبوب تم کیوں رنج کی مشقت میں پڑتے ہو

اِس آیت میں دو طرح سے نعت شریف ظاہر ہو رہی ہے ۔ ایک تو کلمہ طٰہٰ سے اور ایک باقی آیت سے ۔ طٰہٰ بعض کے نزدیک متشابہات میں سے ہے (روح البیان) اور بعض علماء فرماتے ہیں ، کہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم مبارک ہے ۔ اور بعض فرماتے ہیں ، کہ یہ لقب پاک مصطفےٰ علیہ السلام ہے ۔ بعض نے کہا کہ اس سورۃ کا نام ہے ۔ اور بعض نے کہا کہ یہ قرآن کا نام ہے (روح البیان ومدارج) بعض نے کہا کہ یہ رب تعالیٰ کا نام ہے ۔ مگر ترجیح اس کو ہے کہ یا تو متشابہات میں سے ہے یا حضور علیہ السلام کا لقب ہے ۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

ترا عزِّ لولاک وتمکین بس است ۔ ثنائے تو طٰہٰ و یٰسین بس است

اِس سے مراد کیا ہے ؟ اور اگر حضور علیہ السلام کا لقب ہے ، تو اس میں کون کون سے اوصاف کی طرف اشارہ ہے ۔ اِس میں بہت سے قول ہیں ، ایک یہ کہ ط سے مراد ہے طالبِ شفاعت ، اور ہ سے مراد ہے ہادی بَشر ، یعنی اے شفیع اور ہادی گمراہاں ۔ دوسرے اے طاہر اور ہادی یعنی گناہوں سے پاک ، اور رب کی طرف سے لوگوں کے ہادی ، یا کہ اے طوبیٰ اور ہادیہ کے مختار ، طوبیٰ ، جنت اور جہنم ، یا اے طیبہ اور مکہ مکرمہ کو اپنے قدم سے شرف بخشنے والے یعنی امام الحرمین ، یا اے وہ ذات جس پر بساطِ نبوت پیٹا گیا یعنی خاتم النبیین ، یا اے چودھویں رات کے چاند ۔ اس لئے کہ ط کے عدد ۹ ہیں ۔ اور ہ کے ۵ ، ۹ اور ۵ = ۱۴ ، یعنی اے مکمّل چاند سی شکل والے ، اور یہ تشبیہ بھی فقط سمجھانے کے لئے ہے ۔ ورنہ چاند کو نعلین پاک سے بھی کیا نسبت ، چاند گھٹنے بڑھنے والا حضور ہمیشہ ترقی میں ، چاند کو گرہن لگتا ہے ، چاند اپنی روشنی میں سورج کا محتاج ، چاند رات میں نورانی مگر دن میں آفتاب کے سامنے بے نور ، یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے ؎

میں وہ شاعر نہیں جو چاند کہدوں اُن کے چہرے کو
میں اُن کی کفش پا پر چاند کو قربان کرتا ہوں

آگے کی آیت سے اُس کرم خداوندی کا پتہ لگتا ہے ۔ جو محبوب علیہ السلام پر ہے ، دنیا میں ہر شخص کو عبادت کرنے کی تاکید ہے ، نہ کرنے پر دھمکی ، لیکن حضور علیہ السلام ہی کی وہ ذات گرامی ہے کہ حکم ہو رہا ہے ۔ تم کو اتنی عبادت اور اتنی مشقت نہیں چاہیئے بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ ایک استاد تمام طلباء سے محنت کرنے کی تاکید کرتا ہے ۔ مگر ایک شاگرد کو بار بار فرماتا ہے ۔ کہ محنت کم کرو اِس سے جہاں استاد کی مہربانی کا پتہ چلتا ہے ۔ اُس شاگرد پر ، وہاں شاگرد کی محنت اور سعادت مندی بھی معلوم ہوتی ہے ۔ کہ استاد کا اتنا مطیع اور فرماں بردار ہے ۔ کہ اُستاد بجائے فرماں برداری کا حکم دینے کے اور محنت کم کرنے کو فرماتا ہے ۔ حضور علیہ السلام رب کی اطاعت میں اس قدر مشغول کہ رب تعالیٰ محنت کم کرنے کا حکم فرماتا ہے ۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم ۔

آیت ۵۰ ۔ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝ پارہ ۱۷ ، سورۃ انبیاء ، رکوع ۷ ۔ اور ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر سارے جہاں کے لئے رحمت بنا کر ۔

اِس آیت کریمہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت کے وہ پھول کھلائے ، جس سے دماغِ ایمان معطر ہو گیا ، حضور علیہ السلام کو رب نے بے شمار صفات عطا فرمائے ہیں ۔ اُن میں سے ایک صفت ہے رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ، اس خاص صفت کا اس آیت میں ذکر ہے ۔ لیکن آیت کے طریقہ بیان اور طرز ادا کو غور کرو ۔ کہ کس طرح حضور علیہ السلام کی رحمت کی وسعت کو ظاہر کیا ۔ یہاں چار طرح بحث ہے اوّلاً یہ کہ کون رحمت ہے ، کس پر رحمت ہے ۔ کب سے رحمت ہے ، اور کب تک رحمت ہے ۔

(۱) کون رحمت ہے؟ اس کو بیان فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ نے یعنی تمام جہانوں کے لئے رحمت
ہونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی صفت ہے۔ کسی کو یہ درجہ عنایت نہ ہوا۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام
کے لئے فرمایا گیا وَرَحْمَةً مِّنَّا یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہماری طرف سے رحمت ہیں، مگر کب
تک اور کس کے لئے رحمت ہیں، اس کا ذکر نہ فرمایا گیا۔ اور انبیائے کرام کے لئے فرمایا گیا وَمَا كُنَّا
مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا یعنی ہم اس وقت تک کسی ملک و قوم پر عذاب نہیں بھیجتے
جب تک اس کی طرف کسی خبر دینے والے رسول علیہ السلام کو نہ بھیج دیتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دیگر انبیائے کرام مومنین کے لئے رحمت ہوتے تھے، اور ان کی نافرمانی
غضب الٰہی کا باعث ہوتی تھی۔ دیکھو کہ قوم فرعون، قوم حضرت لوط وغیرہ کا کیا حشر ہوا اور قوم
حضرت نوح کس طرح غرق ہوئی۔ مگر محبوب علیہ السلام کے لئے فرمایا گیا کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ
وَاَنْتَ فِيْهِمْ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے گا، حالانکہ آپ ان میں ہیں۔ غرضکہ اس قدر وسیع
رحمت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں۔

(۲) کس قدر رحمت، اس کو لِلْعٰلَمِيْنَ نے بیان فرمایا، رب کی صفت ہے رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ
اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت ہے رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی جس کا خدا پاک رب ہے
اس کے لئے حضور علیہ السلام رحمت ہیں۔ بلکہ یوں کہو کہ ربوبیت الٰہی کا جس کسی کو فیض پہنچا وہ رحمت
مصطفےٰ کے صدقے سے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

عالم کہتے ہیں اللہ کے ماسوا کو۔ اب اس میں بہت سی قسمیں ہیں۔ عالم امکان، عالم امر،
عالم انوار، عالم اجسام، عالم ملائکہ وغیرہ، پھر عالم اجسام میں عالم انسان، عالم حیوانات، عالم نباتات
عالم جمادات۔ اس اَلْعٰلَمِيْنَ کے کلمے سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر ہر عالم کے
لئے رحمت ہیں، ملائکہ کے لئے بھی، جنات کے لئے بھی، انسانوں کے لئے بھی اور جانوروں کے
لئے بھی، کافروں کے لئے بھی، مسلمانوں کے لئے بھی۔

روح البیان نے اسی آیت کے ماتحت ایک حدیث نقل فرمائی۔ کہ ایک بار حضور علیہ السلام
نے حضرت جبریل سے پوچھا کہ اے جبریل ہم تو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہیں۔ اور تم بھی عالم میں ہو، بتاؤ
تم کو ہم سے کیا رحمت ملی؟ عرض کیا یا حبیب اللہ! اب تک مجھے اپنے انجام کار کی خبر نہ تھی۔

خراب ہوا یا اچھا (آخر ہاروت و ماروت اور ابلیس کا انجام حضرت جبریل دیکھ ہی چکے تھے) لیکن
آپ کی وجہ سے مجھ کو امن مل گئی، اور مجھے اطمینان ہوگیا۔ کیونکہ رب نے میرے بارے میں قرآن
میں فرمایا ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ○ پھر انبیاء و مرسلین ملائکہ مقربین
کو بھی حضور سے رحمت ملی۔ کفار کو بھی ہر طرح سے رحمت ملی حضور علیہ السلام سے پہلے دنیا میں عذاب
الٰہی آتے تھے اب وہ بند ہوئے۔ دنیا میں گناہوں پر رسوائی ہوتی تھی موقوف ہوئی، قیامت میں
بھی مقام محشر سے نجات دلانا اور حساب شروع کرانا حضور ہی کے دم سے ہوگا۔ ابولہب کو دو شنبہ
کے دن عذاب میں کمی ہوئی۔ حضور کی ولادت کی خوشی کی وجہ سے ابو طالب پر عذاب میں کمی ہوئی۔
حضور علیہ السلام کی برکت سے۔ شرح قصیدہ بردہ خرپوتی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی شفاعت
سات طرح ہوگی۔ تین سے کفار بھی فائدہ اٹھائیں گے۔ اور چار قسم کی شفاعت صرف مسلمانوں کے لئے
بعض گنہگاروں کے لئے اور بعض نیک کاروں کے لئے۔

(۳) کب سے حضور علیہ السلام رحمت ہیں۔ اس کو بھی اَلْعٰلَمِيْنَ نے بیان کر دیا۔ یعنی جب سے
عالم ہے، تب سے حضور علیہ السلام رحمت ہیں۔ جب سے رب کی ربوبیت کا ظہور ہے، حضور علیہ السلام
کی رحمت کی جلوہ گری ہوئی۔ اولاً تو عالم کا ظہور میں آنا حضور علیہ السلام کی طفیل، پھر ابو البشر حضرت آدم
علیہ السلام کو تمام اعزاز و اکرام ملنا حضور علیہ السلام کے طفیل، پھر ان کی خطا کا معاف ہونا حضور علیہ
السلام کی برکت سے پھر حضرت نوح کی کشتی کنارے پر لگنا حضور علیہ السلام کی برکت سے، دیکھو ہماری
بحث فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نار کا گلزار ہونا اور حضرت
اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ دُنبہ آنا حضور علیہ السلام کے طفیل سے

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم ۔ نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجّینا

(۴) حضور علیہ السلام کب تک رحمت ہیں؟ اس کو بھی اَلْعٰلَمِيْنَ نے ہی بیان فرمایا۔ کہ جب تک
عالم ہے تب تک رحمت مصطفےٰ ہے (صلے اللہ علیہ وسلم) یعنی اس جہان میں حضور کی رحمت قیامت
میں، میزان پر، حوض کوثر پہ، جنت میں اور گنہگار مسلمانوں پہ، جہنم میں غرضکہ ہر جگہ ان ہی کی رحمت ہے
اس کی تحقیق ہم حدیث شفاعت میں کر چکے ہیں۔ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے
کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، ہماری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور ہماری وفات بھی صحابہ کرام

نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ زندگی پاک تو ظاہر ہے۔ کہ بہتر ہے، وفات شریف کس طرح بہتر ہے؟
فرمایا کہ ہماری قبر انور میں ہر جمعہ اور دو شنبہ کو تمہارے اعمال پیش ہوتے رہیں گے۔ نیک اعمال دیکھ
کر تو ہم رب کا شکر کریں گے اور برے اعمال دیکھ کر تمہارے لئے دعائے مغفرت کریں گے ❁

لطیفہ: اِس آیت میں تو فرمایا گیا کہ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہوا وَ
بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ یعنی مسلمانوں پر رؤف و رحیم ہیں۔ اِن دونوں آیتوں میں مطابقت
کیسی ہو؟ وجہ یہ ہے کہ رحمتِ عامہ یعنی رزق کا حضور کے طفیل سے ملنا یا زمین و ہوا اور دھوپ
کا ملنا، دنیاوی عیش و آرام حاصل ہونا، قیامت میں میدانِ محشر سے نجات ملنا وغیرہ یہ تو عام
مخلوق کو حاصل ہے۔ لیکن رحمتِ خاصہ دنیا میں اور آخرت میں مثلاً ایمان کا ملنا، گناہ معاف ہونا
درجات کی ترقی، بارگاہِ الٰہی میں مقبولیت کا حاصل ہونا، معراج میں بھی بوقت خاص مسلمانوں کا تذکرہ
ہونا، راتوں کو جاگ جاگ کر مغفرت کی دعائیں فرمانا، قیامت میں درجات کی بلندی کرانا یہ صرف
مسلمانوں کے لئے۔ بلاتشبیہ رب تعالیٰ کی صفت ہے رحمان یعنی دنیا میں سب پر رحم فرمانے والا۔
اور دوسری صفت ہے رحیم یعنی آخرت میں اہلِ ایمان پر رحم فرمانے والا، جس طرح رب کی صفت
رحیم کا ظہور صرف مسلمانوں کے لئے ہے اور رحمت سب کے لئے ❁

تنبیہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام سب کے لئے دنیا میں رحمت ہیں تو کفار
سے جہاد کیوں فرمایا؟ اُن کو قتل کیوں کرایا؟ مگر جواب یہ ہے کہ رحمت کا معنے یہ نہیں ہے کہ سب کو دودھ
ہی پلایا جائے۔ سانپ کو مار دینا اور جسم کے خراب اور گلے ہوئے عضو کو کاٹ ڈالنا، فصد کھول کر خون
فاسد نکال دینا سب کے لئے رحمت ہے۔ اسی طرح حکومت کا چوروں اور ڈاکوؤں کو سزا دینا، ملک
کو اُن سے محفوظ رکھنا عین حکمت اور رحمت ہے۔ اسی طرح کفار کے غلبہ کو توڑ دینا اور کلمہ الٰہی کا
بلند کرنا، بندگانِ خدا پر رحمت ہے، بلاتشبیہ پروردگارِ عالم رحمان و رحیم ہے، مگر پھر کسی کو غریب رکھتا
ہے کسی کو مالدار، کسی کو عالم، کسی کو بے علم، تو یہ تمام انتظام حکمت و مصلحت سے ہیں خلافِ رحمت نہیں ❁

آیت ۵۱- اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ
اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ پارہ ۱۸، سورۂ نور، رکوع ۵ ❁ اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا
اُس کے نور کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ ایک طاق کہ اُس میں چراغ ہے، وہ چراغ ایک فانوس ہے ❁

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ ...

ہے۔ نور خدائے پاک کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس کے معنے ہیں روشن فرمانے والا، تو معنے
ہوئے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روشن فرمانے والا ہے ❁ اب روشن فرمانے کی تین صورتیں ہیں
ایک تو یہ کہ ان کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے، کیونکہ عدم تاریکی ہے اور وجود نور یعنی ان سب کا
خالق ہے، یا یہ کہ ان سب کو تاروں اور چاند اور سورج سے روشن فرمانے والا ہے، یا یہ کہ اِن سب میں
نور محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے روشنی پھیلانے والا ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہوا قَدْ
جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ اس آیت میں حضور علیہ السلام کو نور فرمایا گیا ہے (روح
البیان یہ ہی آیت) جس طرح کہ آسمان میں اُس نے چاند تارے اور سورج وغیرہ پیدا فرمائے۔ اسی طرح
زمین میں انبیاء مرسلین پھر علماء و مشائخ کا نور پھیلایا۔ تو آسمان کو اور چیزوں سے منور کرنے والا اور زمین کو
اور چیزوں سے اس معنی پر یہ جزو آیت بھی نعت رسول علیہ السلام ہے ❁

مَثَلُ نُوْرِهٖ میں جو کلمۂ نور آیا، اُس میں مفسرین کے چند قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ نُوْرِهٖ اللہ کا نور
اس سے مراد اہلِ ایمان کا ایمان ہے، اور مِشْكٰوة سے مراد مومنین کا سینہ، اور مصباح سے مراد اہلِ ایمان
کا دل وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ نُوْرِهٖ سے مراد حضور علیہ السلام ہیں (روح البیان اور مدارج النبوۃ باب
سوم) اب یہ ساری آیت حضور علیہ السلام کی نعت شریف ہے۔ ایمان محبوب نور، اور مشکوٰۃ یعنی طاق
وہ سینہ بے کینہ محبوب علیہ السلام اور مصباح یعنی چراغ قلب پاک محبوب علیہ السلام ہے ❁ روح
البیان نے فرمایا کہ نور تو حضور علیہ السلام اور مشکوٰۃ یعنی طاق حضرت آدم علیہ السلام، اور زجاج یعنے
فانوس حضرت نوح اور زیتون یعنی روغن حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ نہ وہ مشرقی ہیں نہ غربی یعنی نہ وہ یہودی
اور نہ نصرانی۔ اور بھی اس آیت کی بہت سی توجیہیں کی گئی ہیں ❁ اس سے اتنا معلوم ہوا کہ اگر نور الٰہی حاصل
کرنا ہے تو قلب پاک مصطفےٰ علیہ السلام میں ڈھونڈو، اور قلب مصطفےٰ علیہ السلام کا نور نہ ملے گا۔
مگر بواسطہ علمائے اُمت اور اولیائے ملت کے، تو نور الٰہی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور
اِس نور کا چراغ اور طاق سینہ اور اولیاء و علماء جو ان وسیلوں سے محروم ہے، وہ نورِ الٰہی سے محروم ❁
یہ بھی معلوم ہوا، کہ کوئی نور مصطفےٰ علیہ السلام کو بجھا نہیں سکتا کہ اِس نور کی چند طرح حفاظت
فرمائی گئی ہے۔ وہ تو فانوس میں اور فانوس طاق میں محفوظ ہے۔ جیسے دنیاوی چمنی نورِ شمع کو ہوا سے

محفوظ رکھی ہے۔ کارخانہ الٰہی کار جاجہ بھی اس نور کی پوری حفاظت فرمائے گا۔ اس کو دوسری آیت میں یوں بیان فرمایا۔ یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ ؛

آیت ۵۲۔ لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا پارہ ۱۸، سورہ نور، رکوع ۸ ؛ رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھیرالو، جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو ؛ یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے، اس میں صحابہ کرام کو بلکہ قیامت تک کے مسلمانوں کو بارگاہِ مصطفےٰ علیہ السلام کا ادب سکھایا گیا ہے۔ اس سے چند طرح نعت پاک ثابت ہوتی ہے: اولاً تو یہ کہ پروردگار عالم نے خدام بارگاہ کو اپنے محبوب علیہ السلام کے سامنے بات چیت اور عرض معروض کرنے کا بھی ادب سکھایا ؛ دوسرے اس طرح کہ فرمایا کہ ان کی شان تمہارے عام مسلمانوں کی طرح نہیں ہے۔ کہ جس طرح چاہو پکار لو، بلکہ یہ بارگاہ اور ہے اور یہاں کے ادب بھی اور ؛

اس آیت کے دو معنے ہیں دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ یعنی رسول کو پکارنا۔ یا رسول علیہ السلام کا پکارنا (روح البیان) پہلے توجیہ پر تو یہ معنے ہوئے کہ رسول علیہ السلام کو اس طرح نہ پکارو، جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو، ثابت ہوا کہ یا محمد یا احمد یا ابن عبداللہ، یا کہ اے بھائی، اے باپ وغیرہ خطابات سے پکارنا حرام ہے، بلکہ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ یا شفیع المذنبین وغیرہ القاب سے پکارو ؛ اس سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ حضور علیہ السلام کو ہر جگہ سے ہر وقت پکارنا جائز ہے، مگر ضروری ہے کہ اچھے القاب سے پکارا جاوے۔ شاعر لوگ ضرورت شعری کی وجہ سے یا محمد لکھ دیتے ہیں مگر پڑھنے والے کو چاہئے صلی اللہ علیہ وسلم کہہ لیا کرے ؛

دوسرے معنٰی یہ ہوئے کہ رسول علیہ السلام کا پکارنا ایسا نہ سمجھو جیسا ایک دوسرے کا پکارنا ہوتا ہے کہ چاہے تو اس کا پکارنا سنا اور چاہے تو نہ سنا بلکہ ان کے پکارنے پر فوراً حاضر ہو جاؤ۔ اس کی تحقیق ہم اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ میں کر چکے ہیں ؛

تیسرے معنٰی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی دعا کو جو کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں کرتے ہیں۔ ایسا نہ سمجھو جیسے کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے استدعا کرتے ہو۔ کہ خواہ قبول ہو یا نہ ہو بلکہ ان کی دعا ہماری بارگاہ میں قبول ہوتی ہے۔ ان کی جنبش لب کن کی کنجی ہے، اسی لئے اگر انبیائے کرام کوئی دعا ایسی کرنا چاہیں، جو مشیت الٰہی کے خلاف ہے، تو ان کو دعا سے روک

اظہار ہوتا، یہ مطلب ہوتا ہے۔ کہ چونکہ آپ کی بات خالی جاوے، یہ ہم کو منظور نہیں اور ہمارے ارادے کے خلاف ہو یہ ممکن نہیں۔ لہٰذا آپ اس بارے میں دعا نہ کریں ؛ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوط کے بارے میں سفارش کرنا چاہی، تو فرما دیا گیا یٰۤاِبۡرٰہِیۡمُ اَعۡرِضۡ عَنۡ ہٰذَا اے ابراہیم! اس دعا سے اعراض فرمائیے ؛ احادیث کے مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے جس کو جس وقت جو دعا دے دی ہو وہ ہی قبول ہوئی ؛

اس قسم کے بہت سے واقعات بیان کئے جا سکتے ہیں۔ مگر بطور اختصار ایک دو عرض کرتا ہوں: مدارج باب المعجزات میں ایک فصل باندھی۔ کہ حضور علیہ السلام کی دعا سے کتنے مردے زندہ ہوئے، ان میں حضرت جابر کے لڑکوں کا بھی ذکر کیا۔ اسی طرح حضرت عمر احمد خرپوتی شارح قصیدہ بردہ نے

لَوۡ نَاسَبَتۡ قَدۡرَہٗ اٰیَاتُہٗ عِظَمًا ؛ اَحۡیٰ اسۡمُہٗ حِیۡنَ یُدۡعٰی دَارِسَ الرِّمَمِ

کی بحث میں بھی یہ واقعہ نقل کیا۔ کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، کھانے کی تیاری ان کی بیوی کر رہی تھیں۔ کہ ان کے ایک لڑکے نے دوسرے کو ذبح کر دیا، کیونکہ والد کو جانور ذبح کرتے ہوئے دیکھا تھا، لڑکپن کا زمانہ تھا، اس ذبح کی نقل کی، اور اپنے بھائی کو ذبح کر دیا، پھر والدہ کے خوف سے اوپر چھت پر بھاگ گیا۔ مگر وہاں سے جو پاؤں پھسلا نیچے گر کر انتقال کر گیا۔ صابرہ ماں نے دعوت کی وجہ سے دونوں لاشوں کو چھپا دیا اور کھانا تیار کر لیا۔ حضور علیہ السلام کھانا ملاحظہ فرمانے کے لئے دسترخوان پر تشریف فرما ہوئے، حضرت جابر سے فرمایا، بچوں کو بلاؤ ہم ان کے ساتھ کھانا کھائیں گے، تب اس پاک بی بی نے سارا ماجرا عرض کیا، ان بچوں کی لاشوں پہ دعا فرمائی، بچے زندہ ہوئے اور کھانے میں شریک ہوئے ؛

ایک بار قحط سالی سخت واقع ہو گئی۔ جمعہ کا خطبہ حضور علیہ السلام ارشاد فرما رہے ہیں، کہ ایک صحابی نے عرض کیا، حضور بارش نہیں ہوتی، اسی حال میں دعا کے لئے محبوب کے ہاتھ اٹھ گئے اللہ جانے کہ وہ ہاتھ تھے یا کہ یداللہ کا مظہر اتم، ادھر ہاتھ اٹھے، ادھر بادل اٹھا، آن کی آن میں بادل بھی آ گیا اور بارش بھی شروع ہو گئی، یہاں تک کہ خطبہ کی حالت میں مسجد کی چھت ٹپکی اور پھر

اوپر پہ بارش کا پانی بہنے لگا۔ جب نمازِ جمعہ سے فارغ ہوئے تو مدینہ پاک کی ہر گلی کوچہ میں پانی ہی پانی تھا، لوگ گھر جانے کے لئے دشواری محسوس کرتے تھے۔ دوسرے جمعہ تک بارش مسلسل ہوتی رہی جب دوسرے جمعہ کے خطبہ کے لئے اللہ کے محبوب علیہ السلام نے منبر پر قیام فرمایا، تو ان ہی صحابی نے یا کسی دوسرے صاحب نے عرض کیا کہ راستے بند ہوگئے، مکانات گر رہے ہیں، بارش بہت زیادہ ہو چکی، تب عرض فرمایا اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا لَا عَلَیْنَا اے اللہ اب ہمارے آس پاس بارش ہو، ہم پر نہ ہو۔ یہ فرما کر جو انگلی کا اشارہ بادل کی طرف کیا۔ تو مکہ معظمہ میں تو اس اشارۂ انگشت سے چاند چرا تھا، یہاں بادل پھاڑ دیا، جس طرف کو انگلی گھمائی، اُدھر ہی بادل پھٹ گیا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ؎

فقط اشارے میں سب کی نجات ہو کے رہی ٭ تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی
کہا جو شب کو کہ دن ہے تو دن نکل آیا ٭ جو دن کو کہدیا شب ہے تو رات ہو کے رہی

جس کو عمر کی دعا دی، اس کی عمر میں برکت ہوئی، کسی کو مال کی، کسی کو اولاد کی، کسی کو علم کی دعا کی، کسی کو حاکم ہونے کی، جس کو جو بنا دیا، وہ ہی بن گیا ؛

مشکوٰۃ کتاب الامارت باب العمل فی القضاء میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا۔ میں نے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ ابھی میں نو عمر ہوں۔ اور مجھے قضا کا علم بھی نہیں ہے۔ فرمایا کہ اللہ تمہارے دل و زبان کو ہدایت دے، جاؤ فرماتے ہیں۔ کہ اس دعا کی برکت سے میں کسی فیصلہ میں رکا ہی نہیں ؛

اگر ہم کو اپنی اس کتاب کی طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا، تو کچھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے نہایت دلچسپ نقل کرتے، اور آج تک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم اور قضا کتبِ فقہ میں نقل ہوتا آرہا ہے۔ آخر یہ علم کس مدرسہ میں سیکھا، اور کون کون سی کتاب پڑھی۔ یہ سب اُس دعا کی برکت تھی، صلے اللہ علیہ وسلم ؛

آیت ۵۳۔ تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝

پارہ ۱۸، سورۂ فرقان، رکوع ۱؛ بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اُتارا قرآن اپنے بندے پر جو سارے جہانوں کو ڈر سنانے والا ہے ؛

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ اس میں حضور علیہ السلام کی رسالت عامہ کا ذکر ہے۔ پہلے تو گذر چکا کہ حضور علیہ السلام رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہیں۔ اس میں فرمایا گیا۔ کہ آپ نَذِیْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہیں۔ یعنی تمام مخلوق الٰہی کے رسول ہیں، اس عٰلَمِیْنَ میں ملائکہ، جن، انسان، حیوانات اور نباتات غرضکہ عرشی و فرشی سب ہی داخل ہیں۔ کوئی بھی حضور علیہ السلام کے اُمتی ہونے سے خارج نہیں۔ حضرت نوح اپنے زمانہ میں سارے انسانوں کے نبی تھے، مگر وہ عموم نبوت باقی نہ رہا۔ بعد میں منسوخ ہو گئی۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام تمام انسانوں اور جنات کے بادشاہ تھے۔ مگر ان سب کے نبی نہ تھے روح البیان یہ ہی آیت) نبوت اور سلطنت میں لزوم نہیں ؛ اس آیت کی تفسیر وہ حدیث ہے جس کو مشکوٰۃ نے باب فضائل سید المرسلین فصل اول میں بروایت مسلم نقل فرمایا۔ کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً۔ اس حدیث کی شرح ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں یعنی تمام موجودات کی طرف ہم نبی بنا کر بھیجے گئے، جن ہوں یا انسان، فرشتے ہوں یا حیوانات یا جمادات اور اس کی خوب تحقیق امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں فرمائی ؛

اس آیت نے بتایا کہ جس کو ربوبیت الٰہی سے حصہ ملا۔ اس کو نبوت مصطفائی میں پناہ ملی، اللہ ہر مخلوق کا خالق اور رسول علیہ السلام ہر مخلوق کے نبی۔ تفسیر جلالین و کبیر و روح البیان نے اس عموم سے فرشتوں وغیرہ کو علیحدہ کیا وہ بے دلیل ہے، اور حدیث مذکورہ کے خلاف اور اکابرِ اُمت نے اس تخصیص کو رد بھی کر دیا ؛

حضرت آدم علیہ السلام کی اُبُوَّت (باپ ہونا) اور حضور علیہ السلام کی نبوت سب کو عام ہے بلکہ اُبُوَّت حضرت آدم سے نبوتِ مصطفٰے علیہ السلام زیادہ عام ہے۔ کہ وہ صرف انسانوں کے لئے ہے، اور حضور کی نبوت سب کے لئے ؛

لطیفہ ؛۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی تو اس کی طرف بھیجے جاتے ہیں جن پر احکام تکلیفی آتے ہیں، اور جانور اور اینٹ، پتھر وغیرہ پر، اسی طرح ملائکہ پر احکام نماز روزہ وغیرہ ہیں ہی کہاں، تاکہ حضور علیہ السلام ان کے نبی ہوں، اور ڈرانا عذاب سے ہوتا ہے۔ اور عذاب جمادات اور ملائکہ کو ہے ہی نہیں۔ جواب یہ ہے کہ احکام الٰہی سب مخلوق کے لئے ہیں۔ مگر ہر ایک جنس کے علیحدہ، سب کے یکساں نہیں ؛

حدیث پاک میں آتا ہے کہ بروزِ قیامت بے سینگ والے جانور کا بدلہ سینگ والے جانور سے دلوایا جاوے گا، پھر اُن کو مٹی بنا دیا جاوے گا، جس سے معلوم ہُوا، کہ ظلم کرنا جانوروں پر بھی حرام ہے، ورنہ بدلہ کیسا؟ مگر اُن کے احکام اور سزا کی نوعیت اور ہے۔ ان پر نماز روزہ وغیرہ فرض نہیں اسی طرح اُن کے آپس کے مقدمہ قاضی کے یہاں پیش نہ ہوں گے، جن احکام کے لائق ہیں وہ ادا کرینگے۔

اسی طرح گھاس درخت وغیرہ عبادت الٰہی کرتے ہیں وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ۔ معلوم ہُوا۔ کہ ہر گھاس درخت تسبیح الٰہی کرتے ہیں، اسی لئے اُن کی برکت سے میّت کا عذاب قبر میں کم ہوتا ہے۔ اسی طرح پتھّر اور پہاڑ میں بھی احساس ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اُحد ہم سے محبّت رکھتا ہے۔ اور ہم اُحد سے، حنانہ ستون حضور علیہ السلام کے فراق میں رویا، اُحد پہاڑ پر حضور علیہ السلام مع صدیق و فاروق و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم تشریف لے گئے تو وہ ہلنے لگا۔ غرضکہ سب کو احساس ہے، اور حضور علیہ السلام کو پہچانتے ہیں۔ اسی طرح جہنّم میں بعض پتھر بھی جائیں گے۔ خواہ وہ پتھر پرست لوگوں کو دکھانے کے لئے جائیں یا سزا کے لئے، غرضکہ حضور علیہ السلام سب کے لئے نبی ہیں۔ اور ہر ایک قوم حضور علیہ السلام سے اپنے اپنے متعلق احکام الٰہیہ حاصل کرتی ہے۔ جنّات نے حضور علیہ السلام کی بیعت کی اور عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آپ اپنی اُمّت کو منع فرما دیں کہ ہڈی اور گوبر سے استنجا نہ کریں۔ کیونکہ اِس میں ہمارا رزق ہے (مشکوٰۃ باب آداب الخلاء)۔

اِسی طرح ملائکہ کو بھی حضور علیہ السلام سے فیوض پہنچے، ہم کچھ تذکرہ اس کا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ میں کر چکے، ثابت ہُوا کہ حضور علیہ السلام سب کے نبی ہیں، اور ہر مخلوق پر اُس کی حیثیت کے مطابق احکام اور سزائیں ہیں۔

نکتہ: اِس آیت میں فقط نَذِیْرًا فرمایا گیا یعنی ڈرانے والا بَشِیْرًا نہ فرمایا گیا یعنی خوشی سُنانے والا، کیونکہ جنّت صرف انسانوں کے لئے ہے، نیک کار جنّ، یا ملائکہ، یا جانور، یا جمادات جنّت میں نہ جائیں گے، بلکہ بدکار جنّ سزا پائیں گے، اور نیک کار مومن جنّ فنا کر دیئے جائیں گے یعنی سزا سے بچ جائیں گے (روح البیان یہ ہی آیت) تو چونکہ اس جگہ عٰلَمِیْنَ تھا لہٰذا بَشِیْرٌ نہ فرمایا فرشتے بھی جنّت میں ہوں گے، وہ انتظام یا خدمت اہلِ جنّت کے لئے ہوں گے، نہ کہ ثواب کے لئے جیسے کہ جہنّم میں فرشتے ہیں انتظام کے لئے، نہ کہ عذاب کے لئے، جیسے کہ جیل خانہ میں پولیس کے آدمی بھی انتظام کے لئے رہتے ہیں۔

آیت ۵۴۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ الَّذِیْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِيْنَ ۝ پارہ ۱۹، سورۂ شعراء، رکوع ۱۱۔ اور اُس پر بھروسہ کرو جو کہ عزت والا مہروالا ہے، جو تم کو دیکھتا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو، اور نمازیوں میں تمہارے دورے کو۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی زبردست نعت ہے۔ اور اس میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے چند اوصاف حمیدہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اول تو یہ کہ آپ کو ارشاد فرمایا گیا۔ کہ آپ صرف اپنے رب پر بھروسہ فرما دیں، کیونکہ رب تعالیٰ آپ کی ایک ایک ادا کو دیکھتا ہے۔ اگرچہ پروردگار عالم سب کو دیکھتا ہے۔ مگر اپنے محبوب علیہ السلام کو فرماتا ہے، کہ آپ کے کھڑے ہونے اور نماز پڑھنے اور دورہ فرمانے کو نظر میں رکھتا ہے۔ معلوم ہُوا کہ محبوب علیہ السلام کی ہر ادا پیاری ہے۔ اور بہ نظرِ رحمت رب العالمین اس کو دیکھتا ہے۔

حِیْنَ تَقُوْمُ میں مفسّرین کے چند قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب آپ نماز تہجد کے لئے اپنے خواب گاہ ناز سے اُٹھتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں۔ یا جب آپ ہم سے دعا مانگنے اُٹھتے ہیں، تو ہم آپ کو دیکھتے ہیں، یا جس جگہ بھی اور جس کام کے لئے آپ قیام فرماتے ہیں، تو ہم آپ کو دیکھتے ہیں۔

اسی طرح وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِيْنَ میں چند قول ہیں۔ دورہ کرنے سے کیا مراد ہے، اور ساجدین سے کون لوگ مراد ہیں؟ بعض مفسّرین نے کہا کہ حضور علیہ السلام بوقتِ تہجّد اپنے صحابہ کرام کے احوال دریافت فرمانے کے لئے مدینہ کے کوچوں میں دورہ فرماتے تھے۔ کہ دیکھیں ہمارے جان نثار اس وقت کو کس طرح گزار رہے ہیں۔ تو اُن کے گھروں سے تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی کی ایسی آوازیں آتی تھیں، جس طرح کہ شہد کی مکھیوں کی آوازیں نہایت عمدہ اور دلکش (روح البیان)

تو اس میں اُس دورہ کی طرف اشارہ ہے کہ اے محبوب تمہارا صحابہ کرام کے حالات کی تلاش میں دورہ فرمانا ہم خوب دیکھتے ہیں یعنی آپ تو ہمارے ذاکرین کو دیکھتے ہو، اور ہم آپ کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ تم جو نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہو، اور رکوع سجدہ کرتے ہیں، دور کرتے ہو، وہ ہم دیکھتے ہیں، بعض نے کہا کہ رب تمہارے گردشِ چشم کو دیکھتا ہے، کہ آپ بحالتِ نماز آگے پیچھے ملاحظہ

فرماتے ہیں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم پر مقتدیوں کے احوال چھپے نہیں رہتے یعنی حضور علیہ السلام کی مبارک آنکھ پیچھے بھی اُسی طرح ملاحظہ فرماتی ہے جس طرح کہ آگے ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہاں سٰجِدِیْن سے مراد مومنین ہیں، اور تَقَلُّبَ سے مراد ہے نسلاً بعد نسلٍ، حضور علیہ السلام کا پاک پیٹ اور پاک پیٹ میں منتقل ہوکر آنا (روح البیان) جس سے معلوم ہوا کہ آپ کے تمام آباو اجداد از حضرت آدم تا حضرت عبداللہ و آمنہ خاتون تمام کے تمام مومن ہیں، کوئی بھی مشرک نہیں۔ اس کی پوری تحقیق لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ میں ہو چکی، ملاحظہ کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارخ ہیں نہ کہ آذر، دیکھو وہ ہی مقام ۔

آیت ۵۵۔ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا الآیۃ ، پارہ ۱۹ ، سورۃ النمل ، رکوع ۲ ۔ یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے نالے پر آئے ایک چیونٹی بولی کہ اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں چلی جاؤ، تم کو کچل نہ ڈالیں سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تو (حضرت سلیمان) اُس بات کو سن کر مسکرا کر ہنسے ۔

یہ آیت کریمہ مع اپنی اگلی پچھلی آیات کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک سفر کا واقعہ بیان فرما رہی ہے، اولاً وہ واقعہ مختصر طریقہ سے عرض کرتا ہوں، پھر اس سے اِس کے فائدے اور انبیاء کرام کی عظمت، پھر اس سے حضور علیہ السلام کی نعت پاک بیان کی جاوے گی انشاء اللہ ۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام شام سے یمن کی طرف روانہ ہوئے اور آپ کا طریقہ مبارک یہ تھا، کہ جب سفر فرماتے، تو تمام جن و انس، وحوش و طیور کے لشکروں کو اپنے ہمراہ لیتے۔ اس سفر میں بھی تمام مخلوق الٰہی کا لشکر آپ کے ہمراہ تھا۔ چنانچہ روح البیان نے لکھا کہ یہ لشکر ساڑھے بارہ ہزار میل مربع زمین میں تھا، اس میں انسان، جن اور وحشی جانور وغیرہ سب تھے، اسی سفر کے اثنا میں شام کے ایک جنگل میں گزر ہوا، جہاں کہ چیونٹیاں بہت تھیں، یہ چیونٹیاں جنگل میں پھیلی ہوئی تھیں، اس لشکر کو دیکھ کر ان چیونٹیوں کے سردار ایک چیونٹی نے جس کا نام مُنذرہ یا طاخیہ تھا، تمام چیونٹیوں سے کہا، کہ اے چیونٹیو! فوراً اپنے اپنے گھروں (سوراخوں) میں گھس جاؤ، ایسا نہ ہو کہ تم سب کی سب حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر سے

کچل جاؤ اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ جس وقت یہ بات اس چیونٹی نے کہی

سے تین میل فاصلہ پر تھے، اُس کی اِس معمولی سی آواز کو سن لیا، اور اس کی بات بھی سمجھ کر اس کی دانائی پر تعجب فرماتے ہوئے مسکرائے اور خدا کا شکر ادا کیا، مسکرانا تو اس کی دانائی پر تھا، اور شکر الٰہی بجا لانا اپنے اس ملک اور علم پر تھا ۔

اِس آیت کے فوائد حسب ذیل ہیں:-

(۱) حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت عامہ کہ انسان تو درکنار دیگر مخلوقات پر بھی تھی ۔

(۲) آپ کا علم کہ انسانی علوم سے بڑھ کر کہ دیگر حیوانات کی بات بھی سمجھ لیتے تھے ۔

(۳) آپ کی دور سے سننے کی طاقت کہ چیونٹی کی معمولی آواز تین میل کے فاصلہ سے سنی ۔

(۴) آپ کا ظلم سے معصوم ہونا کہ چیونٹی کو بھی یقین تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی عصمت کی وجہ سے اور ان کا لشکر ایک پیغمبر کے فیضِ صحبت کی وجہ سے عمداً ہم کو نہ کچلیں گے، اسی لئے اس نے کہا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝

(۵) چیونٹی کا حضرت پیغمبر سلیمان علیہ السلام کو پہچان لینا کیونکہ چیونٹی پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت واجب تھی۔ اس لئے کہ حضرت سلیمان اُس کے سلطان تھے، اور رعایا پر اپنے سلطان الٰہی کو جاننا ضروری ہے ۔

یہ سلطنت حضرت سلیمان کا ذکر تھا، اب میرے محبوب سلطانوں کے سلطان، شاہوں کے شہنشاہ امام القبلتین نبی الحرمین حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سلطنت کا بھی ذکر سن لو۔ یہ تو ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ تمام کمالاتِ انبیاء حضور علیہ السلام میں جمع ہیں، مع زیادتی کے، قرآن فرماتا ہے فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ اور مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

حسن یوسف دم عیسٰے ید بیضا داری ۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور سلطنت حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ایک کمال ہے۔ لہٰذا ضروری ہے، کہ حضور علیہ السلام کو عطا ہو، نیز تمام انبیائے کرام کے معجزات حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ مگر جو معجزہ کسی نبی کی خصوصیت قرار پایا، اُس کا ظہور حضور علیہ السلام سے اور طریقہ سے ہوا، مثلاً بغیر باپ کے حضرت مسیح پیدا ہوئے تو حضور علیہ السلام بغیر ماں باپ کے عالم ارواح میں نور الٰہی سے مستفیض ہوئے اَنَا نُوْرٌ مِّنْ

تو ہے اللہ. حضرت موسےٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہوئے طور پر، تو حضور علیہ السلام معراج میں کلیم اللہ ہے

حضرت موسےٰ علیہ السلام نے پتھر سے پانی نکالا، حضور علیہ السلام نے اپنی انگلیوں سے پانی کے فوارے جاری فرمائے. حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے مُردوں کو جان بخشی، تو حضور علیہ السلام نے بھی مُردوں کو جان بخشی. اور بے جان کنکروں اور پتھروں اور لکڑیوں سے بھی اپنا کلمہ پڑھوالیا. اسی طرح اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی ساری زمین کی جاندار چیزیں رعایا تھیں، تو حضور علیہ السلام کی ساری زمین کی، آسمان کی، فرش کی اور عرش کی جاندار اور بے جان چیزیں، غرضکہ ساری مخلوق الٰہی اُمّت قرار پائی لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا اس کی بحث گذر چکی. اور حقیقت تو یہ ہے کہ سب پر حضور کی سلطنت بھی ہے. مگر اس کو ظاہر نہ فرمایا ؛

مشکوٰۃ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، کہ آج رات شیطان ہمارے پاس بحالت نماز آیا، ہم نے چاہا کہ اُس کو پکڑ کر باندھ دیں، اگر باندھ دیتے، تو مدینہ کے بچے اُس سے کھیلتے. مگر پھر حضرۃ سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آگئی، کہ اُنہوں نے عرض کیا تھا خدایا تُو مجھے ایسا مُلک دے جو کسی کے لائق نہ ہو، تو چھوڑ دیا، صاف معلوم ہُوا کہ شیطان پر قبضہ ہے، مگر اُس کو ظاہر نہیں فرماتے. بلکہ اسی مشکوٰۃ میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زکوٰۃ کے مال کے محافظ تھے، شیطان چوری کرنے آیا، تو اُنہوں نے اُس کو قید کر دیا، نہ چھوٹ سکا، مگر اُن کی خوشامد کر کے آفتاب ڈُوبا ہُوا لوٹا چاند پھٹ گیا، درختوں نے اطاعت کی، تو اگر سب پر سلطنت نہیں ہے، تو یہ اطاعت سب کیوں کر رہے ہیں. مگر ؎

سلام اُس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی

سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

حضرت سلیمان علیہ السلام جانوروں کی بولی جانتے ہیں، مگر میرے محبوب علیہ السلام جانور تو درکنار پتھروں اور لکڑیوں کی بولی جانتے ہیں. ہرنی نے آپ سے شکایت کی کہ مَیں قید ہو گئی ہوں (دیکھو دلائل الخیرات) اُونٹ نے مالک کی شکایت کی، کہ مجھے کھانا کم دیتا ہے اور کام زیادہ لیتا ہے (دیکھو مشکوٰۃ و ابوداؤد) حضور نے فرمایا کہ مَیں اُس پتھر کو پہچانتا ہوں، جو مجھ کو قبل نبوت سلام کرتا تھا (دیکھو مشکوٰۃ) ستون حنانہ نے آپ کے فراق میں گریہ فرمایا، جب اُس کو سینہ سے لگایا، تو

عرض کیا ؎ مسند نشین بودم از من تاجی ؛ بر سر منبر ... مسند ...

حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل سے چیونٹی کی آواز سُن لی، مگر اُس کان کے قربان جس نے اپنی والدہ کے پیٹ میں سے قلم کے لوح محفوظ پر چلنے کی آواز سُنی، یہ تمام بحث ہماری کتاب جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ میں دیکھو ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ساریہ کو مدینہ پاک سے پکارا، اور نہاوند سے حضرت ساریہ نے یہ آواز سُن لی ؛ حضرت سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی نے ظلم وستم سے معصوم جانا، لیکن آقائے دو جہان علیہ السلام کو ہر مخلوق معصوم جانتی ہے. اور ظالموں کی فریادیں لے کر حاضر بارگاہ ہوتی ہے. جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا، کہ جنگل کے ہرن اور اُونٹ اور لکڑیاں آپ سے فریادی ہوئیں. اور جانی دشمن یہود وغیرہ بھی اپنے اپنے فیصلے لے کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں آتے تھے. کیونکہ جانتے تھے کہ یہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی دکھایا جاتا ہے. اور یہ ہی وہ بارگاہ ہے کہ جہاں کوئی ستایا نہیں جاتا، بلکہ ستانے والوں سے بچایا جاتا ہے. اس کی بہت سی مثالیں بیان کی جا چکیں ؛

حضرت سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی نے پہچانا، ہمارے رسول مکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو چاند وسورج اور تاروں نے پہچانا، اِس کے متعلق ایک دو واقعہ عرض کئے جاتے ہیں :-

مشکوٰۃ شریف کتاب الحج باب الھدیٰ میں ہے، کہ حجۃ الوداع میں کچھ اُونٹ آپ کے سامنے قربانی کے لئے پیش کئے گئے. جانوروں کا قاعدہ تو یہ ہے کہ بوقت ذبح گھبراتے اور ڈرتے ہیں. مگر اُن اُونٹوں کا یہ حال تھا. کہ ہر ایک چاہتا تھا کہ حضور علیہ السلام میری قربانی پہلے فرمادیں. آپس میں لڑتے تھے. اور ایک دوسرے سے پہلے بڑھتے تھے، اسی طرف اشارہ اس شعر میں ہے :؎

ہمہ آہوان صحرا سرِ خود نہادہ بر کف ؛ بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

بلکہ حضور علیہ السلام کے غلاموں کو بھی جانور پہچانتے ہیں ؛

اسی مشکوٰۃ کتاب الکرامات میں ہے، کہ حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روم میں گرفتار ہو گئے. یہ حضور علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام تھے. زمانہ فاروقی میں جب لشکرِ اسلام روم کی زمین میں پہنچا، اُن کو جیل خانہ میں خبر لگ گئی، کہ اس مُلک میں لشکرِ اسلام آیا ہُوا ہے، یہ موقعہ پاکر راتوں رات قید سے بھاگ نکلے، مگر راستہ سے واقف نہ تھے، نہ یہ جانتے تھے کہ لشکر کہاں ہے، راستہ میں بھاگے

جا رہے تھے، کہ جنگل میں سے شیر نکلا، تو حضرت سفینہ نے فرمایا، کہ اے شیر تو جانتا ہے میں رسول اللہ کا آزاد کردہ غلام ہوں، راستہ بھول گیا ہوں، شیر یہ سن کر دم ہلاتا ہوا سامنے آگیا، اور آگے آگے چل دیا، یہاں تک کہ لشکرِ اسلام تک پہنچا دیا ۔

اِس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک تو یہ کہ حضرت سفینہ کو شیر نے پہچان لیا، دوسرے یہ کہ لشکرِ اسلام کی ایمانی خوشبو شیر کو دُور سے معلوم ہو رہی تھی، جس خوشبو کے ذریعہ سے شیر نے لشکر کا ٹھکانا معلوم کر لیا، جیسے کوئی شخص باہر سے مکانات کے اندر کے کھانا وغیرہ پکنے کی خوشبو پا لیتا ہے، اِتنا ثابت ہوا کہ جانور حضور علیہ السلام کو بلکہ اُن کے غلاموں کو بھی پہچان لیتے ہیں صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ۔

آیت ۵۶. وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ پارہ ۲۱، سورۂ عنکبوت، رکوع ۵ ۔ اور اِس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے، اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے، یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے ۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت ہے، اِس کا مقصد یہ ہے، کہ اے محبوب علیہ السلام اہلِ عرب آپ کی پرورش اور نبوت سے پہلے کے حالات سے بخوبی واقف ہیں کہ نہ تو آپ نے نبوت سے پہلے کبھی کچھ لکھا اور نہ کبھی کوئی کتاب پڑھی، بلکہ علماء کی صحبت بھی اس سے پہلے اختیار نہ فرمائی، پھر اس زبان پاک سے ایسا بے مثل کلام الٰہی کا بیان ہونا، اور ایسی حکمت کی باتیں ادا ہونا کہ جس کی عالم میں مثال نہیں ملتی، یہ اس بات کو ماننے کے لئے کافی ہے کہ آپ سچے نبی ہیں، اور یہ قرآن اللہ کا کلام ہے، اگر اس سے پہلے آپ نے لکھنے پڑھنے کا مشغلہ اختیار فرمایا ہوتا، تو دو طرح سے آپ کے متعلق شک کیا جا سکتا تھا:۔

ایک تو یہ کہ اہلِ کتاب کہتے کہ ہماری کتب میں نبی آخر الزمان کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اُمّی ہوں گے، اور یہ تو لکھتے پڑھتے ہیں، یہ کس طرح نبی آخر الزمان ہو سکتے ہیں ۔

دوسرے یہ کہ مشرکین عرب یہ کہتے ہیں، کہ چونکہ بچپن شریف سے آپ کو علم کا شغل رہا، علماء کی کتابیں دیکھیں، تواریخ کا مطالعہ کیا، اہلِ علم کی صحبت حاصل ہوئی، اِس لئے ان تاریخی واقعات اور حکمت کی باتوں کو جو اُن کی کتابوں میں دیکھی تھیں، یا اہلِ علم سے سنی تھیں بیان کر رہے ہیں، اور اسی کا نام قرآن فرما رہے ہیں ۔

اب جبکہ آپ نے لکھنا پڑھنا اختیار ہی نہ فرمایا، تو اب کسی قسم کے شک و شبہ کی اُن کو گنجائش ہی نہیں، یعنی آپ کا اُمّی ہو کر قرآن کریم کو پڑھنا اور لوگوں کو پہنچانا آپ کی صداقت اور نبوت کی دلیل ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ساری کتب الٰہیہ کے عارف اور اُن کی اصلی و نقلی عبارتوں سے واقف ہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام اہلِ کتاب کی تمام تبدیل کردہ احکام و آیات کو جانتے ہیں. مگر بعض کی پردہ پوشی فرماتے ہیں کہ ارادہ الٰہی یہ ہی ہے ۔

نکتہ: اس جگہ تفسیر روح البیان نے دو باتیں نہایت ہی پُر لطف بیان فرمائی ہیں:۔

ایک تو یہ کہ لکھنا انسان کا کمال ہے، قرآن نے فرمایا عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ اللہ نے قلم سے علم سکھایا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کمال کیوں نہ عطا ہوا، بلکہ نہ لکھنے کو اُن کا کمال فرمایا گیا ۔

اِس کا جواب دو طرح سے دیا: اوّلاً تو یہ کہ لکھنا انسان کا کمال اس لئے بنا کہ انسان بھول جاتا ہے، اور خطا کرتا ہے، قلم کی وجہ سے بھول و خطا سے بچے گا، مثل مشہور ہے، کہ قلم علم کی قید ہے، اور نبی کریم علیہ السلام کا یہ کمال ہے، کہ لکھتے نہیں مگر علم آپ کو بھولتا نہیں، تمام مخلوق الٰہی میں بڑے عالم اور اس بڑے علم کو سینہ میں محفوظ رکھا نہ کہ سفینہ میں، چنانچہ فرمایا گیا اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ اے محبوب جو آیات کہ آپ پر اُتریں، اُن کے بھول جانے کا خیال نہ کریں، اُس کو آپ کے سینہ پاک میں جمع کر دینا اور آپ کی زبان پاک سے ادا کرا دینا ہمارے ذمّہ کرم پر ہے، نیز اگر آپ لکھتے پڑھتے ہوتے، تو کوئی کہتا کہ قرآن کے مضامین پُرانی کتابوں سے یاد کر کے سُناتے ہیں۔

دوسرے اِس طرح کہ لکھنے والے کے قلم کا سایہ حروف پر پڑتا ہے، اور محبوب علیہ السلام کی خواہش نہ ہوئی ہوگی، کہ میرے قلم کا سایہ رب کے ذکر پر ہو یعنی میرا قلم تو اُوپر ہو اور رب کا نام اُس کے نیچے، اس پر رب کی طرف سے حبیب علیہ السلام کو یہ انعام ملا، کہ آپ تو نہیں چاہتے کہ آپ کا قلم ہمارے نام پر ہو، اور ہم نہیں چاہتے کہ کسی کا قدم آپ کے سایہ پر ہو، لہٰذا آپ کا سایہ ہی نہ رکھا، کہ کسی کے پاؤں کے نیچے نہ آوے، اور ہم نہیں چاہتے، کہ کسی کی آواز آپ کی آواز

پر ہو، اس لئے حرام فرمادیا، کہ کوئی انسان یا فرشتہ یا جن، غرض کوئی بھی اپنی آواز نبی علیہ السلام کی
آواز پر اونچی کرے ؀

لطیفہ: اسی روح البیان میں اسی جگہ ہے، کہ حضور علیہ السلام نوری بشکل بشری تھے
اسی لئے سایہ نہ تھا، حضرت جبریل علیہ السلام جب کبھی شکل انسانی میں آتے، تو ان کا جسم بے سایہ
ہوتا تھا، کیونکہ وہ بھی بشری شکل اور ملکی صفت میں ہوتے تھے، کسی نے خوب کہا ہے ؎

بشر صورت ملک سیرت میں ظل نور یزدانی

تحقیق یہ ہے، کہ حضور علیہ السلام کو رب نے اپنی قدرت سے لکھنے کا بھی علم عطا فرمایا، اور آپ لکھنا
جانتے تھے، جس کے متعلق روایات ملتی ہیں۔ ایک تو روح البیان میں اسی آیت میں یہ لکھا، دوسرے
شرح قصیدہ بردہ خرپوتی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کاتب وحی سے روایت کی، کہ
حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو دوات رکھنے، قلم پکڑنے اور حروف لکھنے کے طریقہ کی تعلیم
فرمائی، کہ اس طرح رحمان کی میم لکھو، اور اس طرح فلاں فلاں حرف لکھو، تیسرے بخاری جلد اول کتاب
الصلح میں ہے، کہ صلح حدیبیہ کے دن جب صلح نامہ لکھا گیا، تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ
السلام کی طرف سے کاتب تھے، لکھا گیا کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، کفار نے کہا، آپ رسول اللہ نہ
لکھیں بلکہ لکھیں محمد ابن عبد اللہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا گیا، کہ اچھا اتنے لفظ
رسول اللہ پر قلم کھینچ دو، حضرت علی نے اس سے انکار کیا کہ میرا قلم اس پر نہ چلے گا، حضور علیہ
السلام نے خود اس پر خط کھینچا ؀

نیز اسی بخاری میں حدیث قرطاس میں ہے، کہ مرض وفات شریف میں جمعرات کے دن
فرمایا اِیْتُوْنِیْ بِکَتِفٍ اَکْتُبْ لَکُمْ بِکِتَابٍ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اَبَدًا یعنی ہمارے پاس کاغذ
لاؤ، ہم کچھ لکھ دیں۔ کہ اس کے بعد کبھی بے راہ نہ ہو ؀

اب قرآن کریم کا علم خط کی نفی فرمانا زمانہ نبوت سے پہلے کے متعلق ہے یعنی آپ ظہور نبوت
سے پہلے خط نہ جانتے تھے، بعد نبوت جہاں اور علوم دیئے، وہاں علم خط و قلم بھی دیا، ہاں لکھنے کی
عادت اختیار نہ فرمائی، اور کیوں لکھتے، ان کی لوح لوح محفوظ، ان کا قلم قلم اعلےٰ، ان کو کیا ضرورت
تھی، کہ اب اس دنیاوی قلموں سے ان کاغذوں پر لکھتے (روح البیان یہ ہی آیت) ؀

ضروری ہدایت: سب سے اول لکھنے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ آپ
نے عربی، فارسی، عبرانی، یونانی، رومی، قبطی، بربری، اندلسی، ہندی اور چینی زبانیں مٹی پر
لکھیں، پھر ان سے یہ زبانیں ان کی اولاد کی طرف منتقل ہوئیں، چنانچہ حضرت اسمٰعیل علیہ
السلام نے خط عربی میں لکھا، کیونکہ عرب آپ ہی کی نسل سے ہیں، وہ جو روایت میں آتا ہے
اَوَّلُ مَنْ خَطَّ بِالْقَلَمِ اِدْرِیْسُ علیہ السلام یعنی قلم سے سب سے پہلے لکھنے والے حضرت
ادریس علیہ السلام اور یہاں خط سے مراد علم جفر کے نقوش ہیں۔ نہ کہ زبانوں کی تحریر وَاللّٰہُ اَعْلَمُ
(روح البیان) ؀

غرضکہ یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی نعت ہے، نہ کہ علم خط کی نفی کرنے والی صَلَّی اللّٰہُ
تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ ؀

آیت ۵۷۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّہٰتُہُمْ۔ پارہ ۲۱
سورۃ الاحزاب، رکوع ۱، نبی مسلمانوں کے ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہیں اور ان کی بیویاں
مسلمانوں کی مائیں ہیں ؀

یہ آیت کریمہ بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صریح نعت ہے، اس کے نزول کا واقعہ یہ ہے،
کہ حضور علیہ السلام نے ایک بار صحابہ کرام غزوہ تبوک کے لئے چلنے کا حکم دیا، تو بعض حضرات نے عرض
کیا کہ ہم اس بارے میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کرلیں، ان کا یہ جواب دینا اور اطاعت رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کو ماں باپ کے مشورہ پر موقوف رکھنا بارگاہ الٰہی میں ناپسند آیا، اس پر یہ آیت
کریمہ نازل ہوئی (روح البیان) اس میں فرمایا یہ گیا، کہ جس قدر قرب و ملکیت تمہاری جانوں سے تم
کو ہے، اس سے بھی زیادہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تم سے ہے۔ تو ان کے حکم کے ہوتے ہوئے
کسی کے مشورہ کا انتظار کرنا ناپسند ہے، جب حضور علیہ السلام نے حکم دے دیا، تو چاہے ماں کہے یا
نہ کہے، تمہارا دل قبول کرے یا نہ کرے، بہر حال تم پر ان کی اطاعت واجب ہے۔ اَوْلٰی کے چند معنی ہیں
ایک تو معنی زیادہ مالک، تو اب مطلب یہ ہوا، کہ نبی علیہ السلام کو تم پر اتنا اختیار اور ملکیت ہے
کہ اتنی ملکیت تمہاری جان کو، تمہارے جسموں اور اعضاء پر نہیں ہے، دیکھو جان جسم کے اعضاء کی
ایسی مالک ہے کہ عضو کی کوئی بھی حرکت بغیر جان کے ارادے کے نہیں ہوتی، ہاتھ، پاؤں، آنکھ

ناک، کان وغیرہ بالکل بے بس ہیں۔ اور جان کے قبضہ میں ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کی ملکیت اور قبضہ اس سے بھی زیادہ ہونا چاہیئے۔ کہ جو بھی حرکت ہو وہ حضور علیہ السلام کے فرمان کے ماتحت ہو، حضرت سہل نے فرمایا کہ سُنتِ رسول علیہ السلام کی لذت وہ کبھی نہیں پا سکتا، جو اپنی جان، اپنے مال، اپنی اولاد، اپنی ہر چیز کو حضور علیہ السلام کی بالکل ملکیت نہ سمجھے (روح البیان)۔

دوسرے معنی میں زیادہ لائق، تو معنے یہ ہوئے، کہ حضور علیہ السلام جان سے بھی زیادہ اطاعت کے لائق ہیں۔

اگر سردی کا موسم ہے، جان و دل چاہتے ہیں کہ پانی کو ہاتھ نہ لگاؤ، مگر رات میں غسل واجب ہو گیا، حکمِ سرورِ عالم علیہ السلام ہے کہ فجر کی نماز سے پہلے غسل کر لو، اب جان و دل کی بات نہ مانو بلکہ رسول علیہ السلام کی اطاعت کرو، اور بات بھی یہ ہے کہ جس قدر احسانات حضور علیہ السلام کے ہم پر ہیں وہ کسی کے بھی نہیں، موت کے بعد ہاتھ پاؤں بیکار، قیامت میں یہ ہی ہاتھ پاؤں خلاف گواہی دیں۔ مگر محبوب علیہ السلام کا کرم زندگی، موت، قبر، حشر ہر جگہ شامل حال ہے۔ اسی طرح ماں باپ، قرابت دار کی محبتیں فنا ہونے والی ہیں، کہ قیامت میں کوئی پہچانے گا بھی نہیں، مگر حضور علیہ السلام کسی جگہ فراموش نہیں فرماتے، اور جس قدر احسان زیادہ اُسی قدر استحقاق زیادہ۔

تیسرے معنے ہیں زیادہ قریب، جیسا کہ مدارج النبوت جلد اوّل باب سوم میں ہے کہ نزدیک تر نیز یہ ہی معنے کئے مولوی قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں۔ تو اب معنے ہوئے کہ نبی مسلمانوں سے زیادہ قریب ہیں، بمقابلہ اُن کی جان کے۔ اور یہ معلوم ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ قریب ہماری جان ہے، اسی لئے اگر جسم کو ذرا بھی تکلیف پہنچ جاوے، تو روح کو خبر ہو جاتی ہے۔ اور جان سے بھی زیادہ قریب محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس سے مسئلہ حاضر و ناظر بھی حل ہو گیا، کہ جان جسم کے ہر ہر عضو میں حاضر و ناظر ہوتی ہے تو حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے پاس حاضر ہیں اور ناظر، اور مسلمان تو زمین و آسمان کے ہر گوشہ میں رہتے ہیں۔ کیونکہ فرشتہ اور جنّ و انسان سب ہی میں مسلمان ہیں، تو حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ **نکتہ:** رب نے اپنے لئے فرمایا وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ہم تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں، اور حبیب علیہ السلام کے لئے فرمایا اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کہ نبی علیہ السلام مسلمانوں سے بمقابلہ ان کی جانوں کے زیادہ قریب ہیں۔ اگر شہ رگ کٹ جاوے تو بھی موت آگئی، اگر جان نکل گئی، تو بھی موت آگئی، نتیجہ یہ نکلا کہ اگر اللہ سے کوئی شخص اپنے کو قریب نہ جانے، تو ایمان ختم ہو گیا۔ اور اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنے کو قریب نہ جانے تو بھی بے دین ہوا، اسی لئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا کہ مسلمانوں کے بہت سے فرقے ہوئے اور اُن میں بہت سے اختلافات بھی ہیں۔ مگر اس پر سب متفق ہیں کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اسی لئے اَلتَّحِیَّاتُ میں ہر شخص ہی کہتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ اے نبی آپ پر سلام قبر میں ہر شخص کو حضور علیہ السلام کا دیدار کرایا جاتا ہے۔ چاہے وہ کہیں بھی مرے، جب تنہا گھر میں جائے تو کہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ۔

غرضکہ بہت سی آیات و احادیث اور اقوال فقہاء سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے، اور بہت سے مسائل اس پر مبنی ہیں، اس کی پوری تحقیق مع تمام سوال و جواب ہماری کتاب جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ میں دیکھو، اس میں ایسی وضاحت کر دی گئی ہے، کہ جس سے زیادہ آسانی مشکل ہے۔

اب جو فرمایا گیا وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ نبی علیہ السلام کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں، یہ بھی اَوْلٰی سے بخوبی چسپاں ہے۔ کہ باپ کے خون سے ہم پیدا ہوئے، تو اس خونی رشتہ کا یہ اثر ہوا، کہ باپ ہمارا اور ہمارے مال کا مالک قرار دیا گیا، باپ کی اطاعت واجب ہوئی، اور جس عورت سے بھی باپ نکاح کرے، وہ بیٹے کے لئے حرام۔ اور وہ اُس کی ماں ہے، تو نبی کریم علیہ السلام کے نور سے ہم سب وجود میں آئے اور حضور علیہ السلام سب کی اصل، تو جس بی بی سے حضور علیہ السلام نکاح فرمائیں، اور وہ بیوی حضور علیہ السلام کے نکاح میں رہیں، وہ مسلمانوں کی مثل ماں کے بدرجہ اولیٰ ہونی چاہیئے۔ مگر یہ ماں ہونا چند احکام میں ہے نہ کہ کُل میں، اِن سے نکاح کرنا حرام ہے، اور ان کا ادب و احترام ماں کی طرح بلکہ اُس سے بھی زیادہ ہے، لیکن اُن کو بے حجاب دیکھنا، اُن کے ساتھ تنہا سفر کرنا ناجائز ہے۔

اسی طرح بعد موت کسی مسلمان کی میراث اُن کو نہ ملے گی، اور اُن کے ساتھ خلوت کرنا کسی مسلمان کو جائز نہیں، اُن کے اہل قرابت یعنی بہن بھائی مسلمانوں کے ماموں یا خالہ قرار نہ پائیں گے بلکہ اُن سے

نکاح جائز ہوگا، مثلاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلمانوں کی والدہ ماجدہ ہیں۔ مگر اُن کے بھائی عبد الرحمٰن مسلمان عورتوں کے ماموں نہیں۔ اور ان کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلمانوں کی خالہ نہیں، اُن کے ساتھ نکاح اہلِ اسلام ہوا۔ جس طرح حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کا ادب و احترام ضروری ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے سارے اہلِ قرابت مسلمین کا احترام ضروری ہے۔ بلکہ اُن کی اولاد امجاد حضرات سید لوگ واجب التعظیم ہیں۔ کہ ان کی عزت و حرمت مسلمانوں پر لازم ہے۔ اور اُن کی عیب جوئی یا دل آزاری سخت حرام اور حضور علیہ السلام کے غضب کا باعث ہے۔ دیکھو تمام سید صاحبان پر زکوٰۃ کھانا حرام ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ لوگوں کے مال کا میل ہے۔ تو اُن کو مال کا میل دینا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ میں نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے شان میں عرض کیا ہے ؎

ہے صدقہ میل پھر اُس پاک وستھرے کو روا کیوں ہو
کہ دنیا کھاری ہے جس کے آلِ پاک کا صدقہ
وہ ہے خاموش قرآں اور یہ قرآنِ ناطق ہیں
نہ ہو جس دل میں یہ اُس میں نہیں قرآن کا رشتہ

اسی طرح سادات کرام کو معمولی نوکر رکھنا، اُن سے ذلت کے کام لینا، اُن کو بُرے الفاظ سے پکارنا بھی سخت جرم ہے۔ اُن کو عزت کی جگہ دو، اُن میں علم کی تبلیغ کرو، اُن کے گھر سے تم کو کلمہ ملا، ایمان ملا، قرآن ملا، رحمٰن ملا، اسلام ملا، پھر تم پر بھی ضروری ہے، کہ اُن کو اپنا پڑھا ہوا علم دو، اور اپنا پیسہ خرچ کر کے اُن میں علم و ہنر کی اشاعت کرو، اس آیت کو غور سے پڑھو قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى فرما دو اے محبوب کہ میں تم سے اس تبلیغ پر اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت ؛ ایک معنے یہ بھی اس آیت کے ہیں۔ کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو، اللہ توفیق دے ؛

لطیفہ :- اس آیت کے ماتحت روح البیان نے فرمایا کہ مرید کو چاہیئے کہ اپنے پیر و مرشد کی بیوی سے بعد طلاق نکاح نہ کرے، اسی طرح شاگرد کو لائق ہے، کہ اپنے استاد کی بیوی سے بعد طلاق نکاح نہ کرے، کہ اگرچہ یہ بروئے فتوے جائز ہے، مگر تقوے کے خلاف، اور تقوے فتوے سے اوپر ہے۔ اگر مرید یا شاگرد نے اپنے مرشد یا اُستاد کی بیوی سے نکاح کیا، تو دنیا و آخرۃ میں بھلائی نہ دیکھے گا ؛

آیت ۵۸ - لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ؕ پارہ ۲۱، سورۂ احزاب، رکوع ۳ ؛ بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے، اس کے لئے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے ؛

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے۔ اور اس میں مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ اگر تم اللہ سے کچھ انعام کی امید رکھتے ہو، اور قیامت کی بہتری چاہتے ہو، تو رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک کو اپنی زندگی کے لئے نمونہ بنالو، اور اُن کی پیروی کرو، اس میں دو طرح سے حضور علیہ السلام کے صفات حمیدہ کا ذکر ہے ؛

ایک، تو یہ کہ اُن کی زندگی پاک کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنانا کامیابی کا ذریعہ ہے، اور یہی معنے ہیں وسیلہ کے، اللہ کے محبوب علیہ السلام مسلمانوں کے لئے وسیلۂ عظمیٰ ہیں ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید ؛ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

دوسرے اِس طرح کہ یہ حکم ہر مسلمان کو دیا گیا ہے، خواہ کسی ملک کا ہو یا کسی وقت ہو، مطلب یہ ہوا، کہ قیامت تک کے تمام مسلمان اپنی زندگی حضور علیہ السلام کے تابع کر دیں، اور ظاہر ہے۔ کہ مسلمانوں میں بعض تو بادشاہ ہوں گے اور بعض وزیر، بعض حاکم، بعض محکوم، بعض مالدار بعض غریب، بعض گھر والے اور بعض تارک الدنیا۔ اب ہر شخص چاہتا ہے، کہ میری زندگی حضور علیہ السلام کی زندگی کے ماتحت ہو، تو اس قدر فرقِ زندگی کے ہوتے ہوتے سب لوگ کس طرح حضور علیہ السلام کی پیروی کریں ؛

تو اب اِس آیت سے یہ نکلا، کہ ہمارے محبوب کی زندگی پاک ایسی بے مثال اور انوکھی ہے کہ دنیا میں ہر شخص اپنے لئے اس کو مثال بنا سکتا ہے۔ ایسی زندگی عالم میں کسی کی نہیں گذری، بطور مثال سمجھو کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے اپنی زندگی ترکِ دنیا میں گذاری، کہ مکان تک نہ بنایا، اُن کی پیروی تارک الدنیا تو بطورِ نمونہ کر سکتا ہے۔ مگر ایک قاضی، بادشاہ اپنے لئے اُن کی زندگی کو مثال نہیں

بناسکتا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی زندگی پاک سلطنت وحکومت کے ساتھ گذری۔ تو سلطان وبادشاہ تو اُن کی زندگی کو مثالی بنا سکتا ہے۔ مگر فقیر بے نوا کے لئے اُن کی زندگی نمونہ نہیں علیٰ ھٰذا القیاس۔ مگر یہ تو شان میرے محبوب علیہ السلام ہی کی ہے۔ کہ حاکم ہو، چاہے محکوم، رعایا ہو چاہے بادشاہ، مالدار ہو یا فقیر بے نوا، سب کے لئے دعوتِ عامہ ہے کہ آؤ میرے محبوب کی زندگی کو دیکھو اور اُن کے نقشِ قدم پر چلے آؤ۔

سرکار ابد قرار صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ہر انسان کے ہر درجہ و مراتب کے لئے نمونہ ہے آپ متوکل ایسے کہ دو دو ماہ تک گھر میں آگ نہیں جلتی، صرف کھجوروں اور پانی پر گذارہ ہے ؎

اور کبھی تھوڑی کھجوریں کھانا، پانی پی کر پھر رہ جانا
دو دو مہینہ یوں ہی گذرا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ
قبضہ میں جس کے ساری خدائی، اُس کا بچھونا ایک چٹائی
نظروں میں کتنی ہیچ ہے دنیا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ
کھانا جو دیکھو جَو کی روٹی، بے چھنا آٹا روٹی موٹی
وہ بھی شکم بھر روز نہ کھانا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

قیامت کے مساکین اِن حالات مبارک کو دیکھیں اور صبر سے کام لیں۔ اگر سلطنت اور بادشاہت کی زندگی گذارنی ہے۔ تو اِن حالات کو ملاحظہ کرو، کہ فتح مکہ ہو گئی، تمام وہ کفار مکہ سامنے حاضر ہیں جنہوں نے بے انتہا تکلیفیں پہنچائی تھیں، آج موقعہ تھا، کہ ان تمام گستاخوں سے بدلہ لیا جاوے مگر ہوا یہ کہ فتح فرماتے ہی عام معافی کا اعلان فرمادیا۔ کہ جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جاوے، اُس کو امن ہے، جو اپنا دروازہ بند کرلے، اُس کو امن ہے، جو ہتھیار ڈال دے، اُس کو امن ہے غرضکہ یوسف علیہ السلام پر دس بھائیوں نے چند گھنٹہ ظلم وستم کیا۔ اور جب سلطنتِ حضرت یوسف میں غلہ لینے کو حاضر ہوئے، تو فرمایا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ آج تم پر کوئی سختی نہ ہوگی، اللہ تمہاری مغفرت فرمادے۔

مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۳ سال تک اپنے پر اہل مکہ کی طرف سے سختیاں برداشت کیں، صحابہ کرام اہل بیت عظام ان کے گھر والے اور ان حضرات کی جان ومال، عزت وآبرو سب

ہی خطرے میں رہے، آخر کار دیس چھوڑ پردیسی ہونا پڑا۔ مگر جب اپنا موقعہ آیا، تو سب کو معاف فرمادیا۔ قیامت تک کے سلاطین اس کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں۔ اگر مالداری اور تونگری کی زندگی کوئی گذارنا چاہتا ہے، تو اِن حالات کو ملاحظہ کرے۔

کہ ایک شخص کے کھیت میں لمبی ککڑی پیدا ہوئی، تحفہ کے طور پر حاضر بارگاہ کی، اُس کے عوض میں ایک لپ بھر سونا عنایت فرمایا + ایک بار بکریوں سے بھرا ہوا جنگل حضور علیہ السلام کی ملکیت میں آیا، کسی نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ! اب اللہ نے حضور کو بہت ہی مالدار اور تونگر بنادیا، فرمایا کہ تو نے میری تونگری کیا دیکھی؟ عرض کیا کہ اس قدر بکریاں ملکیت میں ہیں، فرمایا جا سب تجھ کو عطا فرمادیں + وہ اپنی قوم میں یہ مال لے کر پہنچے، اور قوم والوں سے کہا، کہ اے لوگو! ایمان لے آؤ قسم رب کی محمد رسول اللہ اتنا دیتے ہیں کہ فقر کا خوف نہیں فرماتے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک بار اتنا دیا کہ وہ اٹھا نہ سکے۔ یہ سب واقعات احادیث میں موجود ہیں + اور خرپوتی نے ان کو ایک جگہ بیان کیا ہے، مالدار یہ واقعات مبارک خیال میں رکھیں اور زندگی گذاریں۔

اگر کسی کی زندگی اہل وعیال کی زندگی ہے، تو خیال کرے کہ میرے تو ایک یا دو یا زیادہ سے چار بیویاں ہیں، اور کچھ اولاد، مگر محبوب علیہ السلام کی ۹ بیویاں ہیں، اولاد اور اولاد کی اولاد، داماد، غلام، لونڈیاں، متوسلین اور مہمانوں کا ہجوم ہے، پھر کس طرح ان سے برتاؤ فرمایا، اور اسی کے ساتھ ساتھ کس طرح رب کی یاد فرمائی۔

اگر کوئی تارک الدنیا اپنی زندگی گذارنا چاہتا ہے، تو غارِ حرا کی عبادت وہاں کی ریاضت دنیا کی بے رغبتی کو دیکھے، اور کتاب الرقاق کی احادیث کا مطالعہ کرے، غرضکہ ساری قومیں اپنے لئے نمونہ بنا کر بے دھڑک دنیا میں آرام اور ہدایت سے رہ سکتی ہیں۔

قوت وطاقت کا یہ حال ہے کہ جنگِ حُنین میں حضور علیہ السلام خچر پر تنہا رہ گئے، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، کفار نے خچر کو گھیر لیا، حضرت عباس اور ابو سفین رضی اللہ تعالیٰ عنہما باگ پکڑے ہوئے تھے، جب ملاحظہ فرمایا کہ کفار نے یلغار کی ہے۔ تو خچر سے اُترے اور فرمایا کہ ہم جھوٹے نبی نہیں۔ ہم عبد المطلب کے پوتے ہیں، کسی کی ہمت اور جرأت نہ ہوتی۔ کہ سامنے ٹھہر جاتا۔

ابو رکانہ عرب کا مشہور پہلوان تھا جو کبھی بھی کسی سے مغلوب نہ ہوتا تھا، حضور صلے اللہ علیہ و
سلم نے تین بار اُس کو زمین پر مارا، وہ اسی پر حضور علیہ السلام کا مداح بن گیا۔ مگر اس کے ساتھ رحم
وکرم کا یہ حال کہ نہ تو کبھی کسی کو بُرا فرمایا، نہ کسی خادم یا اہلِ خانہ کو اپنے ہاتھ سے مارا ۔

غرضکہ زندگی کیا ہے، ایک قدرت الٰہیہ کا نمونہ ہے، اسی لئے آیت کریمہ میں سب کو عام اعلان
ہے کہ سب لوگ اپنے لئے اس مبارک زندگی کو نمونہ بنالیں ۔

اس کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں، کہ حضور کی ذات تمہارے لئے قدرتِ رب کا نمونہ یا سیمپل
جیسے کہ کاریگر نمونہ پر اپنا سارا زورِ ہنر لگا دیتا ہے، اسی طرح دستِ قدرت نے اس ذات پر اپنے
سارے کمالات کا اظہار فرمایا، اور جیسے کہ دکان کا نمونہ ایک ہی ہوتا ہے، اور بازار میں نمائش گاہِ
خلائق ہوتا ہے، ایسے ہی یہ ذاتِ کریم بھی کارخانہ قدرت کا ایک ہی نمونہ ہے، جو اس کے کمالات
کا انکار کرے، وہ درپردہ رب کے کمال کا منکر ہے ۔

روح البیان نے اس جگہ ایک نئی بات کہی۔ کہ یہ تو تفصیل جب تھی، جبکہ اس آیت کے
معنے کئے جاویں کہ تمہارے لئے حضور کی پیروی بہتر ہے، یعنی اپنی آئندہ زندگی میں، مگر دوسرے
معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تمہارے لئے حضور کی پیروی بہتر تھی یعنی عالمِ ارواح میں ہر جگہ حضور علیہ
السلام مقتدا رہے ہیں اور تم سب اُن کے مقتدی، وہ اس طرح کہ سب سے پہلے نور رسول صلے اللہ
علیہ وسلم پیدا ہوا، پھر تم سب میں سب سے اوّل ربانی فیض روحِ مصطفےٰ علیہ السلام نے حاصل کیا
بعد میں تم نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں سب سے پہلے روحِ رسول علیہ السلام نے بلیٰ کہا، بعد
میں اوروں نے، صلب حضرت آدم سے سب سے پہلے حضور علیہ السلام کی روح عہد و پیمان کے لئے
باہر تشریف لائی، بعد میں تم سب کی ارواح وغیرہ وغیرہ، تو اب لازم ہے کہ آئندہ زندگی میں بھی
تم اُن کے پیرو کار ہو کر رہو صلے اللہ علیہ وسلم ۔

آیت ۵۹ - یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ الآیۃ ۔ پارہ ۲۲ - سورۂ احزاب
رکوع ۴ ۔ اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو ۔

اِس آیت میں پہلے اور بعد والی آیات کے ساتھ بظاہر تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی
ازواج پاک کو ہدایات فرمائی جارہی ہیں، اور اُن کے فضائل کا ذکر ہے۔ مگر درحقیقت یہ حضور علیہ
السلام کی نعت پاک ہے۔ اس میں فرمایا کہ اے ہمارے پیغمبر کی بیویو تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں
ہو، تمہارے درجات اور تمہارے احکام بہت سے جداگانہ ہیں۔ مگر یہ درجات و فضائل کس لئے
ہوئے۔ اس لئے کہ تم نبی کی بیوی ہو ۔

جس ذاتِ کریم کی نسبت میں یہ عظمت ہو، تو وہ ذات پاک کیسی عزت و عظمت والی ہے

اس آیت میں چند فائدے حاصل ہوئے :-

ایک تو یہ کہ حضور علیہ السلام کی بیویاں تمام جہان کی عورتوں سے افضل ہیں، کیونکہ یہاں
نِسَآءِ میں کوئی قید نہیں۔ حضرت مریم اور حضرت آسیہ زوجۂ فرعون اور حضرت موسےٰ علیہ السلام کی
والدہ رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے اپنے وقت کی عورتوں سے افضل تھیں، لیکن حضور علیہ السلام
کی ازواج پاک ہر زمانہ کی بیویوں سے افضل اور بہتر ہیں، جیسے کہ بنی اسرائیل کے لئے فرمایا گیا
کہ اِنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ہم نے تم کو تمام عالم والوں پر بزرگی دی، تو اُس زمانہ کے لوگوں
پر واقعی وہ افضل تھے، اور اب غلامانِ مصطفےٰ علیہ السلام سب اُمتوں سے افضل ۔

دوسرے یہ کہ اس میں گفتگو ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا افضل ہیں یا حضرت عائشہ صدیقہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ عائشہ صدیقہ افضل ہیں اس آیت کی وجہ سے، بلکہ تمام
صاحبزادیوں سے تمام ازواج پاک افضل ہیں۔ کیونکہ اس آیت نے کسی کی قید نہ لگائی، دوسرے
یہ کہ صاحبزادیاں اولاد ہیں اور ازواج پاک والدات اور والدہ مخدومہ ہوتی ہیں ۔

تیسرے یہ کہ جنت میں حضرت عائشہ صدیقہ و دیگر ازواج پاک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ مقام فرمائیں گی، اور حضرت زہرا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ، ان وجوہ سے معلوم ہوتا ہے
کہ صاحبزادیوں سے ازواج پاک افضل ہیں، اور بعض حضرات فرماتے ہیں، کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی
اللہ تعالیٰ عنہا ازواج پاک سے افضل ہیں چند وجہوں سے :-

ایک تو یہ کہ ان کا خمیر خونِ خیر الرسل سے ہے، یعنی ان کی طہارت ذاتی ہے، کیونکہ جزءِ مصطفےٰ
ہیں علیہ السلام، اور ازواج کی خارجی ۔

دوسرے یہ کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام جنتی بیویوں کی سردار ہیں، اسی لئے
اُن کا لقب ہے سیدۃ النساء، اور جنتی بیویوں میں حضرات اُمّہات المومنین بھی داخل ہیں۔

تیسرے یہ کہ حضرت فاطمہ زہرا ہمشکل محبوب ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام، چوتھے یہ کہ حضرت فاطمہ زہرا حیض ونفاس سے پاک ہیں (دیکھو مدارج النبوت) اسی لئے ان کو زہرا یا کہ بتول یا کہ فاطمہ کہتے ہیں، زہرا کے معنی ہیں جنّت کی کلی، فاطمہ اور بتول کے معنے ہیں دنیا میں ہوتے ہوئے دنیا سے بے تعلق، ہم نے عرض کیا ہے ۔

بتول و فاطمہ زہرا لقب اس واسطے پایا ٭ کہ دنیا میں رہیں اور دیں پتہ جنّت کی نکہت کا

مبسوط سرخسی کتاب الکراہیۃ باب اللمس میں ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم حضرت خاتون جنّت کے جسم کو سونگھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے اِن سے جنّت کی خوشبو آتی ہے، (دیکھو ہمارا دیوان، دیوانِ سالک) اس میں بہت سے مناقب ازواج واولاد جمع ہیں مع شرح کے ٭

مگر فیصلہ یہ ہے کہ اولاً تو ان امور میں بحث نہ چاہیئے، جیسا کہ شامی باب الکفو میں نقل فرمایا بلکہ دونوں حضرات ہمارے آقا ہیں، ایک تو محبوب کی محبوبہ ہیں، دوسری محبوب کی لختِ جگر رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اگر قیامت میں کسی کی نعلین پاک ہاتھ آجائیں ہم فقیروں کا بیڑا پار ہے۔ اگر فیصلہ ہی منظور ہے تو یوں کہہ لو، کہ بعض لحاظ سے حضرت خاتونِ جنّت افضل اور بعض سے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ٭ تیسرا فائدہ اس سے یہ حاصل ہوا کہ احکام شرعیہ میں بھی حضور علیہ السلام کی ازواج پاک دیگر بیویوں کی طرح نہیں۔ مثلاً دیگر عورتیں بعد طلاق یا شوہر کی وفات کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکیں، مگر یہ حضرات سب مسلمانوں کی والدہ، دوسری بیویاں شوہر کی میراث پا دیں مگر یہ حضرات نہیں، دیگر عورتوں کو احتلام ہو، مگر اُمّہات المومنین اس سے محفوظ، کیونکہ احتلام شیطان کے اثر سے ہوتا ہے، اور محبوب کی ازواج تک شیطان کس طرح پہنچ سکتا ہے، دیکھو مشکوٰۃ باب الغسل کہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عورت کے احتلام کو سُن کر تعجب فرمایا، اُمّہات المومنین نے حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد اپنے سروں کے بال کتروا دیئے تھے (دیکھو مسلم مقدار پانی غسل کی بحث) کیونکہ اب اُن کو زینت کی ضرورت ہی نہ رہی۔ دوسری عورتوں کو بال کتروانے حرام ہیں۔ ان کے دولت خانہ میں حضور علیہ السلام دفن ہوئے۔ دوسری عورتوں کے گھروں میں اُن کے شوہر دفن نہ ہوں، غرضکہ بہت سے احکام میں فرق ہے ٭

فائدہ ۷: تمام ازواج مطہرات جہان بھر کی عورتوں سے افضل ہیں۔ مگر پھر ان میں آپس میں درجات ہیں، حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باقی ازواج سے افضل ہیں عائشہ صدیقہ تو حضور کو کنواری ملیں، اور حضور علیہ السلام خدیجۃ الکبریٰ کو بے شادی شدہ، اور نسل رسول علیہ السلام حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے پھیلی، حضرت خدیجہ کی زندگی میں اور نکاح نہ فرمایا ہمیشہ حضرت خدیجہ کی طرف سے قربانی فرمائی وغیرہ وغیرہ ٭ اور حضرت عائشہ صدیقہ علم وفضل میں تمام عورتوں میں بے مثل کہ صحابہ کرام کے علمی اختلافات کا آپ فیصلہ فرماتی تھیں، محبوبۂ محبوب رب العٰلمین آپ کا لقب ہوا۔ آپ کے بستر میں حضور علیہ السلام پر وحی آئی۔ حضرت جبریل نے سلام عرض کیا، حضور علیہ السلام کا وصال شریف آپ کے سینہ پاک اور گود شریف میں ہوا، آپ کا حجرہ قیامت تک فرشتوں اور انسانوں اور جنات کا زیارت گاہ بنا، کیونکہ حضور علیہ السلام کا یہی حجرہ آخری آرامگاہ بنا، خود صدیقہ، صدیق کی بیٹی سیّد الانبیاء کی دنیا و آخرت میں زوجہ ۔

جن کا پہلو ہو نبی کی آخری آرام گاہ ٭ جن کے حجرے میں قیامت تک نبی ہوں جاگزیں

جب آپ پر بعض لوگوں نے تہمت لگائی، تو سورۂ نور نے اُن کی نورانیت اور بریت کو بیان فرمایا اب جو بھی مسلمان قیامت تک قرآن پڑھے گا وہ اُن کی عصمت کی گواہی دے گا ۔

وہ جو ہے سُوْرَۃُ نُوْرُ جن کی گواہ ٭ اُن کی نورانی صورت پہ لاکھوں سلام

آیت ۶۰۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ پارہ ۲۲، سورۂ احزاب، رکوع ۵ ٭ اور کسی مرد، نہ کسی مسلمان عورت کا حق ہے، کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرما دیں اور انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے ٭

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی صریح نعت ہے، اور اس میں حضور علیہ السلام کے خداداد اختیارات کا بیان ہے۔ اِس کا شانِ نزول یہ ہے، کہ حضرت زید ابن حارث جن کو حضور علیہ السلام نے آزاد فرمایا تھا، اور وہ حضور ہی کی خدمت میں رہتے تھے، حضور علیہ السلام نے اُن کے نکاح کا پیام حضرت زینب بنت حجش کے لئے دیا، حضرت زینب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی دختر تھیں یعنی امیمہ بنت عبد المطلب کی صاحبزادی تھیں، اس پیغام کو حضرت زینب بنتِ حجش اور اُن کے بھائی عبد اللہ ابن حجش نے منظور نہ کیا، کیونکہ حضرت

زینب قریش میں عالی خاندان کی لڑکی تھیں، اور حضرت زید اس درجہ کے خاندانی نہ تھے۔ راس پر یہ
آیت کریمہ نازل ہوئی، اور اس میں فرمایا گیا، کہ جب اے مسلمانو اللہ اور اس کے رسول کسی چیز
کا حکم کر دیں، تمہاری جانوں یا مال یا کسی کے متعلق، تو تم کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں رہتا
اس پر سر جھکا دینا تمہارا فرض ہے۔

اس آیت کو سن کر حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ بھی اس نکاح پر طیار ہو گئے
اور بخیر و خوبی نکاح ہو گیا۔ اور اس نکاح کا مہر دس دینار، ساٹھ درم، ایک جوڑا، پچاس مد کھانا
تیس صاع کھجوریں حضور علیہ السلام نے حضرت زینب کو دیا۔ اس سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

اولاً تو یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم یکساں طور پر واجب العمل ہے، قرآن کے احکام
اور احادیث کے احکام ایک ہی حکم میں ہیں، کیونکہ یہاں فرمایا گیا اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ جب
اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام فیصلہ فرمادیں، اور ہونا بھی یہ ہی چاہیئے۔ کیونکہ فرمان خدا حضور
علیہ السلام ہی کے ذریعہ سے پہنچتے ہیں۔ حدیث و قرآن میں فرق صرف اس قدر ہے، کہ قرآن کا
مضمون اور عبارت یعنی کلمات وحی سے آئے، اور حدیث کا مضمون تو وحی سے آیا، مگر کلمات حضور
علیہ السلام کے ہیں۔ اسی لئے حدیث کی تلاوت نماز میں نہیں ہوتی۔ ہاں اب اگر یقینی طور پر ثابت
ہو جاوے کہ یہ حدیث صحیح ہے، تو اس پر سارے احکام قرآن کے جاری ہوں گے، اور اس کا انکار کفر
اس سے قرآن کا نسخ جائز ہوگا۔ اور اگر اس کے حدیث ہونے میں شک ہے، تو اس شک کی وجہ سے
انکار کفر نہ ہوگا۔ اور نہ اس سے نسخ قرآن ہو، نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ قرآن سے ثابت ہیں،
اگر نماز کے اوقات، ان کی تعداد، کہ پانچ ہیں، ان کی رکعتیں، اسی طرح زکوٰۃ کا نصاب، ادا کا طریقہ
روزے کے فرائض، طریقہ حج اس کے ارکان غرضکہ سب چیزیں احادیث سے ہی ثابت ہیں، بلکہ
یہ امر کہ قرآن کے تیس پارے ہیں، اتنی سورتیں ہیں، یہ مکی ہے یہ مدنی، اس میں فلاں جگہ آیت وغیرہ
وغیرہ یہ سب احادیث ہی سے ثابت ہیں، لہذا ماننا پڑے گا کہ احادیث دین میں ضروری ہیں۔

دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام مسلمانوں کی جانوں اور مالوں اور اولاد سب کے مالک ہیں
جس طرح کہ مولیٰ کے حکم کے ہوتے ہوئے غلام کو کوئی حق ہی نہیں ہوتا کہ انکار کرے، اسی طرح حضور
علیہ السلام کے حکم پر کسی کو انکار کا حق نہیں، لڑکیوں کے پیغام و سلام تو جگہ جگہ سے آیا ہی کرتے ہیں

کسی کو منع اور کسی سے اقرار لڑکی والے کیا ہی کرتے ہیں، مگر یہ حضرت زید کا کیسا پیغام تھا کہ اس کے
انکار کا، نہ حضرت عبداللہ کو حق رہا نہ حضرت زینب کو، یہ پیغام نہ تھا بلکہ حکم مصطفےٰ تھا۔ علیہ السلام
اسی طرح پیغام کے بعد خاص نکاح کے وقت لڑکی سے اذن لیتے ہیں کہ تیرا نکاح فلاں سے کر دیں
لڑکی کو ہاں یا نہ کا اختیار رہتا ہے، مگر حضرت زینب کو اس کا بھی اختیار نہ رہا۔ یہ ہے سلطنت مصطفےٰ
صلے اللہ علیہ وعلےٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

فائدہ: حضور علیہ السلام کا جو فرمان بطور شاہی حکم کے ہوگا، اس کے نہ ماننے کا کسی کو حق
نہ ہوگا، اور جو فرمان کہ بطور مشورہ ہوگا، اس کا قبول کرنا بہتر ہوگا، مگر قبول نہ کرنے کا بھی حق ہوگا، اسی
لئے آیت میں فرمایا گیا قَضٰی یعنی فیصلہ فرمادیں۔

حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آزاد ہوئیں، ان کا نکاح حضرت مغیث سے ہو چکا تھا آزادی
سے پہلے، اس وقت ان کا نکاح فسخ کرنے کا اختیار ملا، انہوں نے چاہا کہ نکاح فسخ کر دوں، حضور
علیہ السلام نے مغیث کی سفارش فرمائی۔ کہ تم نکاح فسخ نہ کرو، عرض کرنے لگیں۔ کہ یا حبیب اللہ یہ
حکم ہے یا مشورہ۔ فرمایا مشورہ ہے، تو عرض کیا اگر مشورہ ہے، تو میں مغیث سے راضی نہیں ہوں
اور نکاح فسخ کر دیا۔

تیسرا فائدہ یہ حاصل ہوا، کہ اگر کوئی بھی حکم سرکاری اپنی طبیعت کے مطابق ہو، تو اس پر حمد
الٰہی ادا کرے۔ اور اگر اپنی طبیعت یا اپنی رائے یا اپنی عقل کے خلاف ہو، تو یہ قصور اپنی طبیعت اور
عقل کا جانے اور اپنے کو اطاعت کرنے پر مجبور کرے، ان شاء اللہ اسی میں بہتری دیکھے گا اس
حکم پر اعتراض کرنا بدبختی کی نشانی ہے۔ دیکھو نکاح میں کفو کا لحاظ ہوتا ہے۔ بظاہر حضرت زید
حضرت زینب کے کفو نہ تھے، مگر جب حکم رسالت مل گیا، پھر یہ امور کیسے، حکم سب پر مقدم ہے۔

روح البیان نے اس آیت کے ماتحت فرمایا کہ مرید کو چاہیئے کہ اپنے مرشد کامل کے حکم کو
بے چون و چرا تسلیم کرے اور بے دھڑک اس پر اعتراض نہ کرے، مولانا روم فرماتے ہیں ؎

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر ٭ ہست بس پر آفت و خوف و خطر
چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو ٭ ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

یعنی سفر راہ طریقت کے لئے پیر کو اختیار کرو، ورنہ خطرہ ہے، اور جب پیر پکڑ لیا، تو سراپا تسلیم و رضا

سے کام لو، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خضر علیہ السلام نے فرمایا تھا، کہ تم میری کسی بات پر اعتراض نہ کرنا، پھر فرماتے ہیں ؎

گرچہ کشتی بشکند تودم مزن ٭ گرچہ طفلے را کُشد تو مُو مکن

یعنی اگر وہ کشتی توڑے تو دم نہ مارو، اگر وہ بچّہ کو قتل کرے تو سوال نہ کرو، مگر یہ احکام مرشد کامل کے ہیں، ناقص مرشد تو تباہی کا باعث ہے۔ گمراہ پیر یا فاسق پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دینا سخت ظلم ہے، مولانا فرماتے ہیں ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ٭ پس بہر دستے نباید داد دست

مرشد کامل کون ہوتا ہے، اس کی بحث ہم کریں گے اِنْ شاء اللہ زیرِ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ٭

آیت ۹۱. مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ٭ پارہ ۲۲، سورۂ احزاب، رکوع ۵ ٭ محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں سے پچھلے ٭

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی صریح نعت ہے، اِس کے متعلق چند امور قابلِ غور ہیں۔ اولاً تو شانِ نزول، دوم اس کے فائدے، تیسرے خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کے معنی، اِس آیت کا گذری ہوئی آیات سے تعلق ہے۔ وہ اِس طرح کہ جب حضرت زینب کا نکاح حضرت زید سے کر دیا گیا، تو قضاء الٰہی کہ ان شوہر و بیوی میں نا اتفاقی رہی، اور حضرت زید نے حضرتِ زینب کو طلاق دے دی، اُس کے بعد حضرت زینب کا نکاح حضور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوا، جس کا ذکر اس آیت سے پہلے کی آیت میں ہے ٭

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا پھر جب زید کی غرض اُن سے نکل گئی، تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دے دی، حضرت زینب فخر فرمایا کرتی تھیں۔ کہ سب بیویوں کا نکاح تو اُن کے اہل قرابت کرتے ہیں اور میرا نکاح میرے رب نے عرش پہ کیا، چونکہ حضرت زید ابن حارثہ کو حضور علیہ السلام نے اپنا فرزند فرمایا تھا اور منہ بولا بیٹا بنایا تھا، اِس لئے بعض کفار نے اعتراض کیا کہ حضور علیہ السلام نے اپنے فرزند کی بیوی سے نکاح کر لیا، اس اعتراض کا رب نے جواب دیا۔ کہ یہ حرمت کے احکام تو نسبی فرزند کے لئے ہوتے ہیں، ہمارے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ پھر ان کا کوئی فرزند کیونکر ہوگا۔ اور جب فرزند ہی نہیں، تو اس کی بیوی حضور علیہ السلام کو کیونکر حرام ہوں گی ٭

اِس آیت میں چند طرح سے نعت ثابت ہو رہی ہے۔ اولاً تو یہ کہ اعتراض ہو محبوب علیہ السلام پہ اور جواب دے پروردگار، پھر یہ بھی نہیں کہ اُن سے فرمایا جاتا، کہ محبوب آپ کہدو نہیں بلکہ خود جواب دیا، جس کے معنے ہوئے، کہ حبیب پہ اعتراض کرنا یقیناً پروردگار پر اعتراض ہے۔ اسی لئے پہلے فرمایا گیا تھا زَوَّجْنٰكَهَا ہم نے آپ کا نکاح کر دیا، کہو اب کون کیا اعتراض کرتا ہے؟

دوسرے یہ کہ سارے قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو نام پاک سے کہیں یاد نہ فرمایا، مگر صرف چار جگہ، ایک تو یہاں، دوسرے سورۂ فتح میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، تیسرے سورۂ محمد میں بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ، چوتھے وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ اس نام پاک کے آنے میں بہت سی مصلحتیں ہیں۔ چار جگہ نام پاک آیا، کہ لفظ محمد میں حرف بھی چار ہی ہیں، اللہ جانے کہ چار میں کیا خصوصیّت ہے۔ مَیں نے ایک نعت میں دو شعر اسی مطلب کے عرض کئے ہیں اپنے دیوان سالک میں ؎

چار رسل، فرشتے چار، چار کتب ہیں، دین چار
سلسلے دونوں چار چار، لطف عجب ہے چار میں
آتش و آب و خاک و باد، سب کا انہی سے ہے ثبات
چار کا سارا ماجرا، ختم ہے چار یار میں

کلمۂ محمد حضور علیہ السلام کا اسم ذاتی ہے، اور باقی اسمائے طیّبہ اسمائے صفاتیہ جیسے کہ کلمۂ اللہ خدا کا اسم ذاتی، باقی اسماء صفاتیہ ہیں، مگر اس کلمۂ محمد کو لفظ اللہ کے ساتھ بہت ہی مناسبت ہے، محمد میں حرف چار ہیں، اللہ میں بھی چار، محمدؐ میں تشدید ایک، اللہ میں بھی ایک، مگر لفظ اللہ کی تشدید پر الف ہے اور یہاں نہیں۔ جس سے معلوم ہوا، کہ رب سلطان اور محمد رسول اللہ وزیر اعظم، پھر اللہ بولو، تو دونوں لب علیحدہ علیحدہ ہو جاویں، اور محمدؐ بولو، تو نیچے کا ہونٹ اوپر سے مل جاوے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات بلند و بالا کہ ہم بندوں کی وہاں تک رسائی ناممکن مگر محمد رسول اللہ ان نیچوں کو اُس بلند و بالا تک پہنچانے والے ہیں ٭

ایک نکتہ ہے محمدؐ کے نام میں، جس کو ہم نے اپنے دیوان میں اس شعر ادا کیا ہے

تری ذات میں جو فنا ہوا ، وہ فنا سے نو کا عدد بنا

جو اسے مٹائے وہ خود مٹے ، وہ ہے باقی اس کو فنا نہیں

لفظ محمدؐ کے عدد ہیں بانوے ۹۲ اور بانوے میں دہائی نو کی ہے ، اور نو کے عدد میں عجب تماشہ ہے ، کہ نو کو سارے پہاڑے میں گن جاؤ ، مگر نو ہی رہتا ہے : ۹ ، ۱۸ ، ۲۷ ، ۳۶ ، ۴۵ ، ۵۴ ، ۶۳ ، ۷۲ ، ۸۱ ، ۹۰ ، ان کے مکتوبی عددوں کو ملاؤ ، تو نو ہی بن رہے ہیں ، اسی طرح ایک سے لے کر نو تک کی اکائیاں لو ، جب کناروں کی اکائیاں ملاؤ گے تو نو ہی بنے گا ، جیسے کہ ۱ ، اور ۸ ، ۲ اور ۷ ، ۳ اور ۶ ، ۴ اور ۵ ۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں بارہ حرف ہیں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ میں بھی بارہ حرف ہیں ، اسی طرح ابوبکر صدیق اور عمر ابن الخطاب اور عثمان ابن عفان اور علی بن ابو طالب کہ ان سب میں بارہ بارہ حرف ہیں ۔ اس لفظ محمدؐ میں بہت سی تاثیرات ہیں ، اگر کسی کے فقط لڑکیاں ہوتی ہوں تو وہ اپنی حاملہ بیوی کے شکم پر انگلی سے لکھ دیا کرے کہ مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذَا الْبَطْنِ فَاسْمُہٗ مُحَمَّدٌ چالیس روز تک یہ عمل کیا جاوے ، مگر شروع حمل میں ہو ، تو انشاء اللہ لڑکا ہی پیدا ہوگا ، اور جس بچہ کا نام محمدؐ ہو اس کا ادب و احترام کیا جاوے ، اس نام کو بگاڑ کر نہ لیا جاوے ، غرضکہ اس کے بہت سے آداب ہیں (روح البیان) ۔

لفظ محمدؐ کے کچھ خصوصیات ہم قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ میں بیان کر چکے ہیں یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ محمدؐ کے معنے ہیں ہر طرح تعریف کے لائق کہ اس میں نقص اور عیب کی گنجائش نہ ہو ، جو ان کو محمد کہکر ان میں عیب نکالے وہ اپنے منہ سے خود جھوٹا ہے ۔ اسی لئے کفار آپ کو مذمم کہکر بکواس کیا کرتے تھے ، سرکار نے فرمایا کہ رب نے مجھے ان کی گالیوں سے بچا لیا ، کہ وہ مذمم کو برا کہتے ہیں اور ہم محمد ہیں صلے اللہ علیہ وسلم ، یا اس کے معنے ہیں سب کا سراہا ہوا یعنی خالق بھی آپ کی تعریف فرماتا ہے ، اور ساری مخلوق بھی ، اور ہمیشہ آپ تعریف کئے ہوئے کہ دنیا کی آفرینش سے پہلے آپ کی تعریف شروع ہوئی ، اور قیامت تک بلکہ ہمیشہ تک آپ کی تعریف ہوتی رہے گی ، اور ہر جگہ تعریف کیا ہوا کہ عرش و فرش ، بحر و بر ، دشت و جبل ہر جگہ حضور کی تعریف ہے

محمد میں دو میم ، ایک ح ، اور ایک دال ہے ، دو میم سے مراد ملک دنیا و آخرت ہے ، ح سے مراد رحمت اور دال سے مراد دائمی یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم دونوں جہان کی دائمی رحمت (دیکھو دلائل الخیرات شریف) ۔ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ میں فرمایا گیا ، کہ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ، یعنی حضرت فاطمہ زہرا ، رقیہ و کلثوم و زینب رضی اللہ عنہن کے والد ہیں ، مرد کے باپ نہیں رہے ، حضرت ابراہیم اور طیب و طاہر و قاسم رضی اللہ عنہم وہ بچپن شریف ہی میں وفات پا گئے ، ان کو مرد نہ کہا جاوے گا ۔ ایک فائدہ یہ بھی حاصل ہوا ، کہ کسی کو یہ حق نہیں کہ حضور علیہ السلام کو باپ کہکر پکارے تو بھائی کہکر پکارنا بدرجۂ اولیٰ حرام ہے ۔

خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ میں فرمایا گیا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں ، اور نبیوں میں سب سے پچھلے نبی خاتم ختم سے مشتق ہے ، اور ختم کے معنی ہیں مہر کے بھی اور آخری کے بھی ، بلکہ مہر کو بھی خاتم اسی واسطے کہتے ہیں ، کہ وہ مضمون کے آخر میں لگائی جاتی ہے ، یا یہ کہ جب کسی تھیلے پر مہر لگ گئی ، تو اب کوئی چیز باہر کی اندر اور اندر کی باہر نہیں جا سکتی ، اسی طرح یہ آخری مہر لگ چکی ، باغ نبوت کا آخری پھول کھل چکا ، خود حضور علیہ السلام نے خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کے معنے بیان فرمائے ہیں کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میرے بعد کوئی نبی نہیں ، اب جو شخص کسی طرح کا ظلی ، بروزی ، اصلی ، عارضی ، مراقی ، مذاقی ، شرابی افیونی نبی حضور علیہ السلام کے بعد مانے وہ بے دین اور مرتد ہے ۔

اسی طرح جو خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کے معنے کرے بالذات نبی اور کسی نبی کا آنا ممکن جانے وہ مرتد ہے ۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام بے شک تشریف لائیں گے ، مگر وہ پہلے کے نبی ہوں گے نہ کہ بعد کے ، اور اب امتی کی حیثیت سے تشریف فرما ہوں گے ، آخری فرزند کے معنی یہ ہوتے ہیں ، کہ اس کے بعد کوئی فرزند پیدا نہ ہوا ، نہ کہ پہلے والے بھی وفات پا گئے ، تو اگرچہ حضرت عیسٰے علیہ السلام ، حضرت خضر ، حضرت ادریس ، حضرت الیاس علیہم السلام ، حضور علیہ السلام کے زمانہ میں زندہ رہے ، اور اب بھی زندہ ہیں ، مگر ان کو نبوت پہلے مل چکی تھی ، اور حضور علیہ السلام کی آمد پر سب کے احکام منسوخ ہوگئے ، اب بعد میں نبوت نہ ملی ، جیسے کہ آفتاب کے نکلنے پر جو تارا جس جگہ بھی ہوتا ہے ، وہاں ہی چھپ جاتا ہے ، تو خضر و الیاس تو زمین پر زندہ ہیں ، اور حضرت عیسٰے و ادریس علیہما السلام آسمانوں پر ، مگر یہاں بھی جو تھے ان کے احکام وہاں ہی ختم ہوگئے ۔ ع

سب جگمگائے رات بھر چمکے جو تم کوئی نہیں

اگر ایک مجسٹریٹ دوسرے مجسٹریٹ کی کچہری میں گواہی دینے جاوے، تو اگرچہ وہ اپنے حلقہ کا جج ہے۔ مگر یہاں گواہ کی حیثیت سے حاضر ہوا ہے، اسی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنے زمانہ کے نبی ہیں۔ مگر اب جو آئیں گے سلطنتِ مصطفےٰ میں آئیں گے، نبوت کا ظہور نہ ہوگا۔

دوسرے یہ کہ نبوت کا تعلق ایک رب سے ہے، رفع درجات تقرب وغیرہ کا، اور ایک مخلوق سے تبلیغ احکام کا، تو جو قرب الٰہی اُن کو حاصل ہو چکا ہے، وہ تو کبھی بھی زائل نہیں ہو سکتا، ہاں مخلوق کو تبلیغ فرمانا، وہ ختم ہو گیا، اپنے احکام کی تبلیغ نہیں فرما سکتے، آخرت حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کرنے گئے، تو فرمایا کہ اے موسےٰ آپ بنی اسرائیل کے نبی ہیں۔ میرے کسی فعل پر اعتراض نہ کرنا یعنی میں آپ کے حلقے میں نہیں ہوں، فرمایا بہت اچھا۔ اب جو کچھ کام خضر سے واقع ہوئے، وہ دینِ موسوی کے سراسر خلاف تھے، کہ بچہ کو گناہ سے پہلے ہی ختم کر دیا وغیرہ وغیرہ، مگر حضرت موسےٰ علیہ السلام اُن پر اپنے احکام جاری نہ فرما سکے، آخر یہ کیوں؟ کیا نبی نہ رہے تھے، نبی تو تھے، مگر یہاں تبلیغ نہ فرما سکتے تھے۔

اسی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور زمانہ محمدی کا حال ہے، یہ مختصر سی تقریر انشاء اللہ بہت ہی نفع دے گی، اگر غور کیا جاوے۔

آیت ٦٢. يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا وَّدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝ پارہ ٢٢، سورہ احزاب، رکوع ٦ + اے غیب کی خبریں بتانے والے بے شک ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اُس کے حکم سے بلانے والا اور چمکا دینے والا چراغ۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی نعتوں کا مجموعہ ہے، اور اس میں حضور علیہ السلام کی بہت سی خاص صفتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

اس آیت میں آٹھ امور قابل غور ہیں، یَا سے بحث، اَلنَّبِيُّ، اَرْسَلْنٰكَ، شَاهِدًا، مُبَشِّرًا، نَذِيرًا، دَاعِيًا، سِرَاجًا مُّنِيرًا۔ اگر ان آٹھ کی پوری تفصیل کی جاوے، تو آٹھ دفتر درکار ہیں کچھ خاص چیزیں پیش کی جاتی ہیں:-

(۱) یَا پکارنے کا کلمہ ہے، اور پکارنا چند مصلحتوں سے ہوتا ہے، غافل کو متوجہ کرنا عتاب کا اظہار جیسے او خبیث، بزرگی کا اظہار جیسے يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ، تکوین، تاثیر (شی کو بنانا) اظہارِ محبت، جیسے کہ اے پیارے وغیرہ، یہاں یَا اظہارِ محبت کے لئے ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام ایک آن کے لئے بھی رب سے غافل نہیں، اسی لئے اچھے القاب سے خطاب کیا جاتا ہے۔

(۲) نبی کے معنیٰ دو ہیں، خبریں دینے والا یا بڑے درجہ والا، یہاں دونوں معنیٰ بن سکتے تو ہیں مگر پہلے معنیٰ زیادہ مناسب ہیں۔ کیونکہ آگے آرہا ہے شَاهِدًا گواہ وغیرہ اور یہ خبریں ہی ہیں حضور علیہ السلام نبی بھی ہیں، رسول بھی، مزمّل بھی ہیں، مدثّر بھی، مگر یہاں نبی سے اس لئے خطاب فرمایا کہ آگے اَرْسَلْنَا میں رسالت کا ذکر آتا ہے، تو اب نبوّت اور رسالت دونوں ذکر ہو گئیں۔

نیز نبی سے مراد تو لی جاوے ہماری خبریں بندوں کو پہنچانے والے اور شاہد یعنی گواہ سے مراد ہو کہ بندوں کی خبریں ہم کو دینے والے بروزِ قیامت، یا نبی ہماری خبریں دینے والے اور شاہد جنّت و دوزخ کی گواہی دینے والے تو بہت ہی پُر لطف بات ہوگی۔ اَرْسَلْنٰكَ سے ادھر اشارہ ہے کہ چونکہ ہم نے آپ کو بھیجا اس لئے آپ کی تعظیم و توہین ہماری تعظیم و توہین ہے اور آپ پر اعتراض ہم پر اعتراض ہے۔ اسی لئے رب نے حضور علیہ السلام کی طرف سے جوابات دیئے۔

(۳) شاہد کے تین معنیٰ ہیں گواہ، موجود، حاضر، محبوب اور حقیقتاً شاہد تو حاضر ہی کو کہتے ہیں عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، گواہ اور محبوب کو بھی اسی لئے شاہد کہتے ہیں، کہ گواہ تو واقعہ وار دات پر موجود تھا اور محبوب عاشق کے دل میں حاضر رہتا ہے، اور یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں، گواہ کے معنیٰ تو اس لئے کہ حضور علیہ السلام قیامت میں سب کی گواہی دیں گے وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا، نیز تمام انبیاء نے جنّت و دوزخ کی گواہی سن کر دی، اور حضور علیہ السلام نے گواہی معراج میں دیکھ کر دی، اسی لئے آپ شاہد حقیقی ہیں، لہٰذا آپ جس کے ایمان یا کفر کی گواہی دے دیں، تو ممکن نہیں کہ اُس کے خلاف ہو جاوے، اب جو کوئی حضرت صدیق و فاروق وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان میں شک کرے، وہ خود بے دین ہے، کہ وہ حضور کی شہادت کی صداقت میں شک کرتا ہے، کیونکہ اُن کے ایمان کی حضور نے گواہی دی۔

پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم سلطنت الٰہیہ کے سرکاری گواہ ہیں، اور سرکاری گواہ کی گواہی بغیر جرح قبول ہوتی ہے. بلکہ جو اُس گواہ پہ جرح کرے وہ مجرم ہوتا ہے. سول سرجن جسے بیمار کہدے یا انجنیئر جس مکان کو کمزور بتادے یا یونیورسٹی جسے پاس کرکے اور علم و فضل کی گواہی دے دے اُسے حکومت بغیر جرح قبول کرلیتی ہے، اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم جس کے ایمان یا کفر کی گواہی دے دیں، وہ رب تعالیٰ کے ہاں بلا جرح قبول ہوتی ہے، نیز مقدمہ کا دارومدار اور فریقین کی ہار و جیت صرف گواہی پہ ہوتی ہے، اگر گواہ قوی ہے تو وکیل بھی قوی، اور حاکم کا فیصلہ بھی جیت ہوگا، ورنہ نہیں ؎

دنیا میں ثبوت توحید کا دارومدار حضور علیہ السلام پہ ہے، اور آخرت میں تمام خلق کے جنتی دوزخی ہونے کا مدار حضور علیہ السلام پہ ہے، وہاں سارے حضور علیہ السلام ہی کا منہ تکیں گے کیونکہ حضور علیہ السلام دنیا میں خالق کے گواہ ہیں اور آخرت میں مخلوق کے گواہ ؎

گواہ میں بہت صفات ہوتی ہیں، مگر تین صفات لازم ہیں:-

(۱) گواہ گواہی حاصل کرتے وقت واردات کے موقعہ پر حاضر ہوکر مشاہدہ کرے اور گواہی دیتے وقت حاکم کے روبرو حاضر ہو، اسی لئے اُسے شاہد یا شہید کہتے ہیں یعنی حاضر ؎

(۲) مدعی کی انتہائی کوشش ہوتی ہے، کہ گواہ کامیاب ہو، تاکہ مقدمہ کامیاب ہو، مدعیٰ علیہ گواہ کے ناکام کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ ہی گواہ پر جرح کرتا ہے، وہ ہی گواہ کے علم پر اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ گواہ بے خبر ہے ؎

(۳) گواہ پر اعتراض درپردہ مدعی پہ اعتراض ہے، اسی لئے گواہ کا دشمن مدعی کا دشمن ہوتا ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم دُنیا میں خلق کے سامنے خالق کے، جنّت و دوزخ کے اور تمام غیبی چیزوں کے گواہ ہیں، لہٰذا دنیا میں تشریف آوری سے پہلے خالق کے قرب خاص میں رہ کر تمام چیزوں کا مشاہدہ فرما کر یہاں تشریف لائے. اور آخرت میں خالق کے سامنے مخلوق کے گواہ ہوں گے لہٰذا ضروری ہے کہ ہر مخلوق کے ہر حال سے باخبر ہوں، ورنہ گواہی کیسی؟ نیز آج جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پہ اعتراض کر رہے ہیں، سمجھ لو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گواہی اُن کے خلاف ہونے والی ہے، اور یہ لوگ مدعیٰ علیہ ہیں، کیونکہ گواہ کے علم کی تنقیص وہ کرے گا جس کے خلاف گواہی ہو ؎

نیز حضور علیہ السلام کے علم اور کمالات کی مخالفت درپردہ رب تعالیٰ کی مخالفت ہے، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رب تعالیٰ کے گواہ ہیں ؎

خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی چار طرح کی ہے، خالق کے گواہ مخلوق کے سامنے، مخلوق کے گواہ خالق کے سامنے، خالق کے گواہ خالق کے پاس، مخلوق کے گواہ مخلوق کے سامنے، جس کے جنتی ہونے کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گواہی دیں، وہ یقیناً جنتی ہے، جسے اچھا کہدیں، وہ اچھا ہے، جسے بُرا کہدیں وہ بُرا ہے، جس چیز کو حلال فرمادیں وہ حلال ہے، جسے حرام کہدیں وہ حرام. کیونکہ گواہ مطلق ہیں، اس شاہد رب العٰلمین کے منہ سے جو نکلے وہ حق، جیسے سونے کی کان سے لوہا نہیں نکل سکتا، ایسے ہی اس شاہد پروردگار کی زبان سے باطل نہیں نکلتا، اور حاضر کے معنے بھی ہو سکتے ہیں، یعنی آپ عالم کے ذرہ ذرہ میں حاضر و ناظر ہیں ؎ اِس مسئلہ کی تحقیق ہم تفسیر نعیمی پارہ دوم میں کرچکے ہیں. اور اگر پوری تحقیق اس مسئلہ کی دیکھنا ہے. تو کتاب جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ میں ملاحظہ کرو، جس میں حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا قرآنی آیات و احادیث اور اقوال محدثین و مفسرین سے ثابت کیا گیا ہے، جس کا انشاء اللہ مخالف سے جواب نہ بنے گا ؎

یہاں اتنا سمجھ لو کہ آج حکیم کہتے ہیں کہ دوا کی طاقت مرض سے زیادہ ہونا چاہیئے، تاکہ مرض کو دبا سکے، ورنہ دوا خود مرض سے دب جاوے گی، شیطان بیماری ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم علاج، جب شیطان کو یہ قوت دی گئی، کہ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (قرآن) کہ وہ اور اُس کی ذریت تم سب کو ہر وقت دیکھتے ہیں، اور شیطان سارے عالم پہ نگاہ رکھتا ہے، کہ جہاں کسی نے نیکی کا ارادہ کیا اور اُس نے آکر بہکایا. اب اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل بے خبر رکھا جاوے، تو رب تعالیٰ پہ اعتراض ہوگا، کہ اُس نے بیماری قوی پیدا کی، اور دوا کمزور. لہٰذا ضروری ہے، کہ حضور کو ہدایت دینے کے لئے ہر وقت ہر ایک کی خبر ہو ؎

نکتہ: عربی قاعدہ سے شَاهِدًا حال ہے، تو معنے یہ ہوئے، کہ ہم نے آپ کو بھیجا اس حال میں کہ آپ حاضر و ناظر ہیں، یعنی بھیجنے سے پہلے آپ حاضر و ناظر ہو چکے تھے، جیسے کوئی کے

کہ زید آیا سوار یعنی آنے سے پہلے سوار ہو چکا تھا، تو معنے یہ ہوئے، کہ آپ دنیا میں تشریف لانے
سے پہلے بھی عالم میں حاضر تھے، اور پردہ فرمانے کے بعد بھی حاضر ہیں ۔

چنانچہ روح البیان پارہ ۲۶، سورۂ فتح زیر آیت اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام تمام عالم کے پیدا ہونے سے پہلے رب کی وحدانیت اور ربوبیت کو مشاہدہ فرماتے تھے، اور جو ارواح، نفوس، اجسام، حیوانات، نباتات، جمادات جن، شیاطین، فرشتے اور انسان پیدا کیئے گئے، ان کے پیدا ہونے کو ملاحظہ فرما رہے تھے، اسی طرح تمام مخلوقات کے ہر ہر کام اور سزا و جزا، شیطان کا اوّل عابد ہونا، بعد میں گمراہ ہونا، حضرت آدم علیہ السلام کا خطا فرمانا، بعد میں توبہ قبول ہونا، جنت میں رہنا، بعد میں زمین پر آنا، انبیاء کا دنیا میں آنا، ان کا تبلیغ فرمانا، قوموں کا ان کے ساتھ اچھا یا برا سلوک کرنا، غرضکہ ایک ایک واقعہ حضور علیہ السلام کے پیش نظر تھا، اسی لئے فرمایا گیا عَلِمْتُ مَا كَانَ وَمَا سَيَكُوْنُ جان لیا ہم نے جو کچھ ہو چکا اور ہوگا، اور کیوں نہ ہوتا، کہ دنیا کا وجود آپ کے وجود سے ہے، اور ہر نبی کے علوم حضرت آدم کے صحیفے، حضرت موسےٰ علیہ السلام کی کتاب، تمام پیغمبروں کے علوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم کا حصہ ہے ۔

پھر فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کا قول ہے، کہ دنیا میں ہر نیک بخت پر کرم مصطفےٰ رہتا ہے اور حضور ہی رَقِيْب اور عَتِيْد ہیں، جب کبھی حضور علیہ السلام کسی سے بے توجہی فرما لیتے ہیں تو وہ بدبخت بنتا ہے، اور گناہ کرتا ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے خطا کا ہونا اس سبب سے ہوا، کہ توجہ محبوب علیہ السلام کچھ ہٹ گئی تھی، اور اسی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ جو زانی زنا کرتا ہے، تو اس سے ایمان نکال لیا جاتا ہے۔ اور جب اس سے ہٹتا ہے ایمان واپس ہوتا ہے، ایمان توجہ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہے، اس توجیہ پر شَاهِدًا کے معنے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا، علم غیب اور امداد سب بخوبی ثابت ہوئیں ۔

اور شاہد کے معنے محبوب بھی ہو سکتے ہیں، اور واقعی آپ عالم کے محبوب ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام، انسان، جن، ملائکہ اور لکڑی، پتھر، درخت وغیرہ سب ہی آپ سے محبت کرتے ہیں، احد پہاڑ محبت کرتا ہے، لکڑیاں فراق میں روتی ہیں۔ جانور آپ کو دیکھ کر دامن پاک سے لپٹ کر روتے ہیں، ہرن فریادیں کرتے ہیں، غرضکہ ع

در ہر دلے سودائے تو، عالم ہمہ شیدائے تو

انبیاء کرام کی محبوبیت بھی ان کا معجزہ ہے، رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا، وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ انہیں جو دیکھتا عاشق ہو جاتا، حضرت آسیہ نے دیکھ کر فرمایا قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ اے فرعون یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، حسن یوسفی اور آواز داؤدی اسی محبوبیت کے لئے عطا ہوئے، جیسے حضور علیہ السلام کے تمام معجزات اعلیٰ ہیں، ایسے ہی آپ کی محبوبیت زمانہ اور مکان کی پابند نہیں، آج نہ کوئی حسن یوسفی کا عاشق ہے نہ لحن داؤدی پہ فدا، کسی محبوب کا غائبانہ عاشق کوئی نہیں ہوا، لیکن حضور کی محبوبیت کا یہ عالم ہے، کہ آج بھی بغیر دیکھے کروڑوں ان کے نام پر جانیں فدا کر رہے ہیں، حسن یوسف کے چاہنے والوں نے دیدار یوسفی کے لئے روپے خرچ کئے، مگر حضور علیہ السلام کے صرف نام پر سر فدا ہو رہے ہیں، یہ جلسے جلوس، وعظ، مدرسے سب حضور ہی کی خاطر ہیں، پھر دوسروں کے عاشق انسان ہوئے، مگر حضور علیہ السلام کے عاشق انسان ہی نہیں، بلکہ خشک لکڑیاں ان کے فراق میں روتی ہیں، کنکر، پتھر ان پہ قربان ہیں، ان کی جدائی میں آنسو بہاتے ہیں۔ غرضکہ خدا کے محبوب ہیں اور خدائی کے محبوب ۔

(۴) مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ میں تین صفتوں کا ذکر ہے، خوش خبریاں دینا ڈرانا، اللہ کی طرف بلانا، اگرچہ پہلے انبیائے کرام نے بھی یہ فرائض انجام دیئے، مگر ان کی تبلیغ میں اور حضور علیہ السلام کی تبلیغ میں تین طرح فرق ہے، اوّلاً تو وہ حضرات سن کر یہ کام انجام دیتے تھے، اور حضور علیہ السلام دیکھ کر، دوسرے وہ خاص جماعتوں کے نبی اور مبشر و نذیر تھے اور حضور علیہ السلام تمام عالم کے بشیر اور نذیر، اور دوسرے پیغمبر خاص وقت تک کے لئے مبلغ اور بشیر و نذیر، مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت تک کے لئے، آج جو تبلیغ بذریعہ علماء و مشائخ و قرآن ہو رہی ہے، وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی تبلیغ ہے، ان خصوصیتوں کی وجہ سے اس جگہ ان تین صفتوں سے آپ کو موصوف کیا، روح البیان، سورۂ فتح زیر آیت اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کی امتوں کی بروز قیامت ۴۰ صف ہونگی،

مگر حضور علیہ السلام کی اُمت کی ۸۰ صفوف ۔

(۵) حضور علیہ السلام کو اس آیت میں فرمایا گیا چمکانے والا، سراج قرآن میں آفتاب کو بھی فرمایا گیا ہے سِرَاجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا ، اگر مراد سورج ہے، تو آپ بھی آسمانِ ہدایت کے سورج ہیں۔ کہ سورج سے سب روشن ہوتے ہیں، وہ کسی سے روشن نہیں۔ اسی طرح حضور علیہ السلام سے سب منوّر مگر حضور کسی سے مستنیر نہیں صلے اللہ علیہ وسلم، اگر اس کے معنے چراغ کئے جاویں تو بھی بالکل درست ہے۔ چراغ سے تاریکی دور ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام سے تاریکی جہل وکفر دور ہوئی، چراغ سے گمی ہوئی چیز تلاش کی جاتی ہے، حضور علیہ السلام سے گمی ہوئی راہ ہدایت ملی۔ چراغ گھر والے کے لئے رحمت ہے اور چور کے لئے زحمت، اسی طرح حضور علیہ السلام مومن کے ایمان کے محافظ، اور شیطان چور کو دفع فرمانے والے، ایک چراغ سے ہزاروں چراغ جلا لو، مگر اس چراغ کے نور میں کمی نہیں، اسی طرح حضور علیہ السلام کے نور سے سب منوّر، مگر نورِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں کمی نہیں، چراغ ہر طرف اپنا نور دیتا ہے، حضور نے بھی ہر طرف کو منوّر فرمایا، فرش کو بھی، عرش کو بھی چراغ کی آگ اوپر کو جاتی ہے۔ حضور علیہ السلام بھی معراج میں اوپر تشریف لے گئے، ایسے اوپر کہ جہاں کوئی فرشتہ بھی نہ پہنچ سکے، چراغ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے، حضور علیہ السلام مکہ مکرمہ کو چمکا کر مدینہ شریف میں تشریف لے گئے ۔

(۶) منیر اس لئے فرمایا کہ اور چراغ کے نیچے اندھیرا رہتا ہے، مگر یہ چراغ نیچے، اوپر ہر طرف روشنی دیتا ہے، اور چراغ صرف ظاہر کو چمکاتے ہیں، مگر یہ چراغ ظاہر و باطن دونوں کو، اور چراغ ہوا سے گل ہو جاتے ہیں، مگر اس چراغِ محمدی کو جو بجھانا چاہے، وہ خود بجھ جاتا ہے، اور چراغ دن میں بیکار ہوتے ہیں، مگر یہ چراغ ہمیشہ منوّر کرنے والا ہے ۔

رات میں ہر گلی کوچہ میں مختلف چراغوں، بجلیوں سے روشنی مل جاتی ہے، مگر آفتاب نکلتے ہی سب بجھا دیئے جاتے ہیں۔ پہلے ہر شہر، ہر قبیلے میں انبیاء تھے، اب صرف حضور ہی کی نبوت سارے جہان میں ہے، رات میں چوری ہوتی ہے دن میں نہیں، حضور سے پہلے کتب الٰہیہ میں چوری ہوئی تحریفیں کی گئیں، شیاطین بھی ملائکہ کی باتوں کی چوری کیا کرتے تھے، اس آفتاب ہدایت کے چمکتے ہی ساری چوریاں بند ہو گئیں، قرآن میں چوری، تحریف ناممکن ہو گئی، اور شیطان چور کا آسمان پر جانا بند ہوا، اسے رجم کیا جانے لگا، کیونکہ آفتاب ہدایت طلوع ہو گیا، دن نکل آیا ۔

لطیفہ بعض مشائخ نے کہا کہ قرآن میں حضور کو بھی سراج کہا گیا اور آفتاب کو بھی، اس لئے کہ آفتاب کو چند طرح حضور علیہ السلام سے نسبت ہے، وہ چراغ آسمان، حضور علیہ السلام سراجِ زمین و آسمان، وہ چراغِ دنیا، حضور چراغِ دین، وہ چراغِ بروج، آپ چراغِ محافل، وہ چراغِ اجسام آپ چراغِ ایمان، اس چراغ کے نکلنے سے لوگ بیدار ہوتے ہیں نیند سے، اس چراغ سے لوگ عدم سے وجود میں آئے۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ وبارک وسلم ۔

آیت ۶۳ - يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ إِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِيْنَ إِنَاهُ ۔ پارہ ۲۲، سورۂ احزاب، رکوع ۷ ۔ اے ایمان والو نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو، جب تک کہ اجازت نہ پاؤ مثلاً کھانے کے لئے بلائے جاؤ، نہ یہ کہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو ۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت پاک ہے، اس میں مسلمانوں کو اس دولتخانہ کا ادب و احترام سکھایا گیا ہے، کہ جس میں وہ آفتابِ نبوت جلوہ گر تھا ۔

اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا، اور دعوتِ ولیمہ کی، لوگ جماعت جماعت آتے تھے، اور کھاتے جاتے تھے، لوگ کھا کر چلے گئے۔ مگر تین شخص کھانا کھا کر اسی جگہ باتوں میں مشغول ہو گئے، اور باتوں کا سلسلہ اس قدر دراز ہو گیا، کہ ان کا بیٹھنا حضور علیہ السلام پر بھاری معلوم ہوا، حضور علیہ السلام اس جگہ سے اس لئے اُٹھے، کہ یہ لوگ بھی ہم کو قیام فرما دیکھ کر اٹھ جاویں، مگر وہ حضرات نہ سمجھے، مکان تنگ تھا، گھر والوں کو بھی اُن کی وجہ سے تکلیف ہوئی، حضور علیہ السلام وہاں سے اُٹھ کر حجروں میں تشریف لے گئے، دَورہ فرما کر جو تشریف لائے، تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضور علیہ السلام یہ دیکھ کر پھر واپس ہو گئے، تب اُن لوگوں کو خیال ہوا، اور اُٹھ گئے۔ اس پر یہ آیت کریمہ میں چند باتوں کی مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے:۔

اولاً تو یہ کہ بلا اجازت اس دولت خانہ میں نہ آؤ، دوسرے یہ کہ اگر تمہاری دعوت کی جاوے تو کھانا پکنے سے پہلے ہی نہ آ جاؤ، کہ وہاں بیٹھ کر انتظار کرو، تیسرے یہ کہ کھانا کھا کر اب بلا وجہ نہ

بیٹھو، بلکہ اپنے اپنے گھر چلے جاؤ، اس گھر کے بھی قربان اور گھر والے شہنشاہ کے بھی قربان، جس کا ادب رب العالمین سکھا رہا ہے، اور اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں اگر ملائکہ بھی داخل ہوں تو کیا تعجب ہے، ملائکہ بھی یہ ہی ادب کرتے ہیں، کہ بغیر اجازت اس گھر میں نہیں جاتے ؎

وفات کے وقت ملک الموت نے اہل بیت سے داخلہ کے لئے اذن طلب کیا، فاطمہ زہرا کے منع کرنے پر واپس نہ ہوئے کہ رب کے بھیجے ہوئے تھے، مگر اجازت سے گھر میں آئے ؎

بے اجازت اُن کے گھر میں جبریل آتے نہیں
آنکھ والے جانتے ہیں قدر و شانِ اہل بیت

اس آیت سے حضور علیہ السلام کا خلق اور کمالِ حیا اور شان معلوم ہوئی، کہ اگرچہ کسی سے تکلیف پہنچے، مگر خود نہیں فرماتے، رب تعالیٰ فرماتا ہے ؎
اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ بغیر دعوت کسی جگہ نہ جاؤ، اور بلا ضرورت کسی کے مہمان نہ ہو کہ اُس پر بوجھ پڑ جاؤ، واللہ اعلم بالصواب ؎

آیت ۶۴ - اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، رکوع ۷، ؎ تحقیق اللہ اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں، اس نبی پر اے ایمان والو اُن پر درود بھیجو، اور خوب سلام بھیجو ؎

یہ آیت کریمہ بھی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی صریح نعت ہے، اس میں مسلمانوں کو اُس ذات پاک پر درود شریف پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر لطف یہ ہے، کہ قرآن کریم نے بہت سے احکام دیئے نماز کا، روزہ کا، حج وغیرہ کا، ایمان کا حکم دیا، مگر کسی جگہ یہ نہ فرمایا کہ یہ کام ہم بھی کرتے ہیں، ہمارے فرشتے بھی کرتے ہیں، اور مسلمانو تم بھی کرو، صرف درود پاک کے لئے اس طرح فرمایا، وجہ بالکل ظاہر ہے، کیونکہ کوئی بھی کام ایسا نہیں، جو کہ رب کا بھی ہو، اور بندے بھی اس کو کریں، رب تعالیٰ کے کام ہم نہیں کر سکتے، اور ہمارے کاموں سے رب تعالیٰ بلند و بالا ہے، رب کا کام ہے پیدا فرمانا، رزق دینا، مارنا، جلانا، یہ بندے ہرگز نہیں کر سکتے، ہمارا کام ہے عبادت کرنا، اطاعت کرنا وغیرہ، رب تعالیٰ اس سے پاک ہے، اگر کوئی ایسا کام ہے، کہ جو رب کریم کا بھی ہو، ملائکہ بھی کرتے ہو، اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا گیا ہو، وہ صرف آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا ہے، جیسے کہ ہلال پر سب کی نظریں جمع ہو جاتی ہیں، اسی طرح مدینہ کے چاند پر ساری مخلوق کی اور خالق کی بھی نظر ہے، حضور کی ذات جامع ہے، ہندی شاعر نے کہا ہے ؎

آج چندر دیوج ہے سب دیکھی ہاکی اور ؎ میری اور سجن کی نیناں پڑینگی ایک ہی ٹھور

اگرچہ رب تعالیٰ کا درود ہے رحمت نازل فرمانا، فرشتوں کا درود ہے دعائے رحمت کرنا، مگر تعظیم مصطفےٰ علیہ السلام سب میں مشترک ہے ؎

نکتہ اس آیت میں اولاً تو خبر دی کہ ہم ہر آن اور ہر وقت رحمتوں کی بارشوں برساتے ہیں اپنے محبوب علیہ السلام پر، اور پھر ہم کو حکم دیا، کہ تم بھی اُن پر درود پڑھو یعنی ہم سے اُن کے لئے رحمت مانگو، اور مانگی وہ چیز جاتی ہے جو پہلے سے حاصل نہ ہو، تو جب ہمارے بغیر مانگے رحمتیں اتر رہی ہیں، پھر مانگنے کا حکم کیوں دیا؟

وجہ یہ ہے کہ فقیر جب کسی کے دروازے پر مانگنے جاتا ہے، تو گھر والے کی اولاد اور مال کی دعائیں مانگتا ہوا جاتا ہے، مالک کا گھر آباد، بچے زندہ رہیں، مال سلامت رہے، مالک سمجھ جاتا ہے کہ یہ تہذیب والا بھکاری ہے، مانگنا چاہتا ہے، مگر ہمارے بچوں کی خیر مانگ رہا ہے، یہاں حکم دیا گیا ہے کہ اے مسلمانو جب تم ہمارے یہاں کچھ مانگنے کے لئے آؤ، تو ہم اولاد سے پاک ہیں، مگر ہمارا ایک حبیب ہے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُس کی اُس کے اہل بیت واصحاب کی خیر مانگتے ہوئے، اُن کو دعائیں دیتے ہوئے آؤ، تو جن رحمتوں کی اُن پر بارش ہو رہی ہے، اُس کا تم پر بھی ایک چھینٹا مار دیا جاوے گا، تمہارا بھلا ہو جاوے گا، درود پڑھنا حقیقت میں رب سے مانگنے کی ایک ترکیب ہے ؎

وہ ہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ؎ ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا

نیز اس آیت میں مسلمانوں کو متنبہ فرمایا گیا کہ اے درود پڑھنے والو یہ خیال نہ کرنا کہ ہمارے محبوب پر ہماری رحمتیں تمہارے مانگنے پر موقوف ہیں، ہمارے محبوب تمہارے درود کے حاجتمند ہیں جیسے ممبر ووٹ کے ہیں تم درود پڑھو یا نہ پڑھو، اُن پر ہماری رحمتیں برابر برستی رہتی ہیں، تمہاری پیدائش اور تمہارا درود شریف پڑھنا تو کل سے ہوا، اُن پر رحمتوں کی بارش تو جب سے ہو رہی ہے جبکہ جب اور کب بھی نہ بنا تھا، جہاں، وہاں، کہاں سے پہلے اُن پر رحمتیں ہیں۔ تم سے دعا منگوانا

تمہارے بھلے کے لئے ہے، جب رب تعالیٰ ہماری حمد وثنا کا حاجتمند نہیں، کہ وہ محمود ہے خواہ
کوئی حمد کرے یا نہ کرے، ایسے ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کسی کی نعت خوانی کے حاجتمند نہیں
وہ محمد ہیں، خواہ کوئی اُن کی نعت پڑھے یا نہ پڑھے، حمد الٰہی کے لئے حضور کافی اور نعتِ
مصطفائی کے لئے رب بس ہے ؎

اسی وجہ سے ہر دعا کے اول و آخر میں درود شریف پڑھنا ضروری ہے، اور اگر کوئی شخص
تمام دعائیں چھوڑ دے اور صرف درود پاک ہی پڑھا کرے، تو خدا چاہے کسی دعا کی ضرورت ہی
نہ پڑے گی، تمام حاجتیں خود بخود پوری ہوں گی ؎

مشکوٰۃ شریف باب الصلوٰۃ علے النبی علیہ السلام میں اُبی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
ایک حدیث نقل فرمائی ہے، کہ انہوں نے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ میں کس قدر درود شریف
آپ پر پڑھا کروں؟ فرمایا جس قدر چاہو، عرض کیا کہ چوتھائی پڑھوں یعنی تین حصہ دیگر وظیفے
اور دعائیں اور چوتھائی حصہ درود شریف، فرمایا جتنا چاہو، مگر اگر اور زیادہ کرو تو بہتر ہے، عرض
کیا کہ آدھا، فرمایا جتنا چاہو، مگر درود اگر اور زیادہ کرو تو بہتر ہے، عرض کیا کہ اچھا دو تہائی
درود شریف، فرمایا جس قدر چاہو، مگر اگر درود اور زیادہ کرو تو بہتر ہے، عرض کیا کہ کل درود
شریف ہی پڑھا کروں گا، یعنی بجائے دیگر دعاؤں اور وظیفوں کے صرف درود پڑھا کروں گا، فرمایا کہ
إِذًا تُكْفٰى هَمَّكَ وَيُكَفَّرُ لَكَ ذَنْبُكَ تو یہ درود تمہارے سارے رنج وغم کو کافی ہے، اور تمہارے
گناہوں کو مٹا دے گا ؎

درود شریف کے متعلق تین باتیں عرض کرتا ہوں، اولاً تو یہ کہ اس کے فضائل کیا ہیں؟ دوسرے
یہ کہ کونسا درود شریف پڑھنا بہتر یا ضروری ہے، اور درود شریف پڑھنا واجب ہے یا فرض
یا سنت، تیسرے یہ کہ نبی علیہ السلام کے سوا کسی اور پر درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

(۱) درود پاک کے فضائل بے شمار ہیں، جن کے لکھنے کو دفتر چاہیئے، اگر کچھ ان کی تفصیل
دیکھنا ہو، تو تفسیر روح البیان یہی آیت اور مدارج النبوت اور نسیم الریاض، شرح شفا قاضی
عیاض اور مواہب لدنیہ کا مطالعہ کرو، مگر بطور اختصار کچھ یہاں عرض کئے جاتے ہیں:-
مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علے النبی علیہ السلام میں ہے، کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں، کہ جس نے

مجھ پر ایک بار درود پڑھا، خدائے پاک اُس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، اور دس گناہ معاف
فرماتا ہے، اور دس درجات بلند کرتا ہے، یعنی اگر کوئی روزانہ ایک ہزار بار درود شریف پڑھے تو
روزانہ دس ہزار گناہ معاف، دس ہزار درجہ بلند اور دس ہزار رحمتوں کا نزول، اگر ساری عمر یہ عمل
کیا جاوے تو اب حساب لگالو، کس قدر فائدہ ہوا ؎

اسی مشکوٰۃ میں اسی باب میں ہے، کہ قیامت میں مجھ سے زیادہ قریب وہ ہوگا، جو مجھ پر زیادہ
درود شریف پڑھے گا۔ اسی مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ
تمہاری دعائیں آسمانوں اور زمین کے درمیان معلق رہتی ہیں، جب تک کہ تم درود پاک نہ پڑھ لو، اور
چاہیئے یہ کہ ہماری دعائیں درمیان میں ہوں اور آس پاس درود پاک رہے، کیونکہ قبول تو درود ہوتا
ہے اور رحمت الٰہی سے بعید ہے کہ درود تو قبول فرمالے، اور درمیان کی دعا کو رد فرمادے، درود شریف
کے طفیل دعا بھی قبول ہو جاوے گی ؎ اسی مشکوٰۃ اسی باب میں ہے، کہ اللہ کے فرشتے پھرتے رہتے
ہیں، اور درود پاک پڑھنے والوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں، جب کوئی بھی درود شریف پڑھتا ہے
تو اُس کا درود ہماری بارگاہ میں پیش کرتے ہیں ؎

سبحان اللہ درود پاک کے قربان، کہ اُس کی برکت سے ہم گنہگاروں کے نام اُس بارگاہِ بیکس
پناہ میں لئے جاویں، بھلا ایسی کہاں تقدیر، اس سے لازم یہ نہیں کہ دُور سے درود حضور نہ سنیں بلکہ
تو رب کی بارگاہ میں اعمال بھی لے جاتے ہیں۔ عقل بھی چاہتی ہے، کہ درود پڑھنا بہت ضروری ہے
دو وجہ سے، اولاً تو یہ کہ اگر کوئی شخص کسی پر احسان کرے، تو چاہیئے کہ محسن کا بدلہ دیا جاوے، اگر
بدلہ نہ ہو سکے، تو کم سے کم اُس کے لئے دعا کر دی جاوے۔ اگر کسی کے گھر دعوت کھاؤ، تو صاحبِ خانہ
کے لئے دعا کر دو، حضور علیہ السلام کے احسانات شمار سے باہر ہیں، ہماری کیا مجال کہ اُن کا شکریہ
ادا کریں، تو کم از کم یہ ہی کریں، کہ اُن کو دعائیں دیا کریں، جیسے کہ فقراء سخی داتا کو دعائیں دیتے ہیں،
نیز ایک بار سلطان محمود نے درباریوں کو حکم دیا، کہ تم لوگ میرے گھر میں جو کچھ ہے وہ لُوٹ
لو، سب لوگ لُوٹنے میں مشغول ہو گئے، مگر ایاز رحمۃ اللہ علیہ سلطان کے پاس آکر کھڑے ہو گئے،
سلطان نے کہا، کہ ایاز تم کیوں نہیں کچھ لُوٹتے، عرض کیا، کہ سب نے تو مال کو لیا، میں تو حضور کو لیتا
ہوں، جو مالک ہیں۔ سلطان نے کہا، تم نے مجھ کو لیا، میں نے بھی تم کو لیا، تم میرے اور میں تمہارا ؎

اسی طرح تمام دعاؤں سے تو دنیا ملتی ہے. مگر درود پاک کی تلاوت سے دنیا والے یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ملتے ہیں، جب وہ ملے تو پھر کمی کس چیز کی ہے ؎

دنیا کو مبارک ہو دنیا اللہ کرے وہ مجھ کو ملیں
ہر سر میں جن کا سودا ہے ہر دل جن کا شیدائی ہے

درود پاک دعاؤں و عبادات کی رجسٹری ہے، جیسے بیمہ لیبل لگ جانے سے مال ضائع نہیں ہوتا، مقصود تک پہنچ جاتا ہے، ایسے ہی درود شریف کی برکت سے نیکیاں قبول ہوتی ہیں. اسی لئے ہر دعا میں درود شریف پڑھا جاتا ہے ؎

میں مجرم ہوں مجھے ساتھ لے لو ٭ کہ رستے میں ہیں جا بجا تھانے والے

مثنوی شریف میں ہے کہ ایک بار نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے شہد کی مکھی سے پوچھا کہ تو شہد کیسے بناتی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ ہم چمن میں جاکر ہر قسم کے پھولوں کا رس چوستے ہیں پھر وہ رس اپنے منہ میں لئے ہوئے اپنے چھتوں میں آجاتے ہیں، اور وہاں اُگل دیتے ہیں. وہ ہی شہد ہے فرمایا کہ پھولوں کے رس پھیکے یا بکبکے ہوتے ہیں، اور شہد میٹھا، بتاؤ شہد میں مٹھاس کہاں سے آتا ہے؟ مکھی نے عرض کیا ؎

گفت چوں خوانیم بر احمدؐ درود ٭ مے شود شیریں وتلخی را ربود

ہمیں قدرت نے سکھا دیا ہے کہ چمن سے اپنے گھر تک آپ پر درود شریف پڑھتے ہوئے آتے ہیں، شہد کی یہ لذت اور مٹھاس درود کی برکت سے ہے، امید ہے کہ ہماری روکھی پھیکی عبادت میں بھی درود شریف کی برکت سے قبولیت کا مٹھاس پیدا ہو جاوے، نیز جیسے کہ درود کی برکت سے تمام پھولوں کے رس گھل مل کر ایک ہو گئے، اور سب کا نام شہد ہو گیا، ایسے ہی حضور کی برکت سے سارے ہندی، سندھی، عربی، عجمی انسان ایک ہو گئے، جن کا نام مسلمان ہو گیا، اور جیسے درود شریف کی برکت سے شہد شفاء بن گیا. ایسے ہی ہر دعا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کی برکت سے مرضِ گناہ کی دوا ہے ٭

(۲) درود پاک پڑھنا فرض بھی ہے، واجب بھی، سنّت بھی ہے مستحب بھی، مکروہ بھی ہے اور حرام بھی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ درمختار جلد اول کتاب الصلوٰۃ میں ہے، کہ عمر میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض ہے، اور جس مجلس میں بیٹھے اور حضور علیہ السلام کا اسم شریف ذکر بار بار آوے، تو صاحب درمختار کے نزدیک تو جب بھی نام پاک سُنے، درود شریف پڑھنا واجب ہے نام لینے والے پر بھی اور سُننے والے پر بھی. مگر جمہور کے نزدیک ایک مجلس میں ایک بار پڑھنا واجب ہے، اور ہر بار پڑھنا مستحب، اور چند موقعوں میں درود پڑھنا مستحب ہے، جن کو شامی نے بیان فرمایا جمعہ کی شب میں اور جمعہ کے دن میں، ہفتہ، اتوار اور سوموار کے دن اور روزانہ صبح وشام اور مسجد میں آتے جاتے وقت، اور حضور علیہ السلام کے روضہ کی زیارت کے وقت اور صفا ومروہ کے پاس اور جمعہ کے خطبہ میں مگر خطبہ سُننے والے درود شریف دل میں پڑھیں، اور اذان کے بعد اور ہر دعا کے اول وآخر اور وضو کے وقت اور جبکہ کان میں غیبی آواز آنے لگے، جب کوئی چیز بھول جاوے، اور وعظ کے وقت، اور سبق پڑھاتے اور پڑھتے وقت اور فتوے لکھتے وقت، اور نکاح کے وقت، اور ہر کسی مشکل پڑنے پر وغیرہ وغیرہ ٭

سات جگہ درود پاک پڑھنا مکروہ ہے (۱) جماع کے وقت (۲) پیشاب پاخانہ پھرتے میں (۳) تجارت کے سامان کو شہرت دینے کے لئے (۴) پھسلنے کے وقت (۵) تعجب (۶) ذبح (۷) چھینک کے وقت ٭

تین جگہ درود پاک پڑھنا حرام ہے، ایک جب تاجر اپنی کوئی چیز خریدار کو دکھائے اور اُس کی عمدگی بتانے کے لئے درود پڑھے، دوسرے جبکہ کسی مجلس میں کوئی بڑا آدمی آوے، تو اُس کی آمد کی خبر دینے کے لئے درود پڑھا جاوے (شامی) اسی طرح فرض نماز کی اَلتَّحِیَّاتُ میں جب حضور علیہ السلام کا نام آوے، تو درود ناجائز ہے ٭

فائدہ: قرآن کریم کی تلاوت میں جب حضور علیہ السلام کا نام قرآن میں آجائے، تو درود نہ پڑھنا افضل ہے، تاکہ قرآن کی روانی میں فرق نہ آوے (شامی) ٭

نماز میں اَلتَّحِیَّاتُ کے بعد درود شریف پڑھنا سنّت ہے، فرض، واجب نماز میں تو دوسری اَلتَّحِیَّاتُ میں سُنّت ہے، اور پہلی میں منع، نوافل میں دونوں بار کی اَلتَّحِیَّاتُ کے بعد درود پڑھنا سنّت یعنی پہلے قعدہ میں بھی درود شریف پڑھ کر کھڑا ہو ٭

درود پاک کونسا پڑھنا چاہئے؟ مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی علیہ السلام

میں حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ ہم نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ہم آپ پر درود پاک کس طرح پڑھیں، تو آپ نے وہ درود بتایا، جو نماز میں بعد اَلتَّحِیَّات پڑھا جاتا ہے۔ یعنی درود ابراہیمی ؛

اس حدیث کی وجہ سے بعض لوگ کہتے ہیں، کہ سوائے درود ابراہیمی کے اور درود پڑھنا منع ہے۔ مگر یہ محض غلط ہے، ورنہ پھر لازم آوے گا کہ محدثین جب کبھی حضور علیہ السلام کا اسم پاک لیتے ہیں تو صرف یہی کہتے ہیں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یہ بھی ناجائز ہو، اگر منقول کے سوا دوسرے درود پڑھنا منع ہیں، تو وہ ہی غذائیں اور دوائیں استعمال کرنی چاہئیں جو منقول ہیں جس طرح کہ ہر غذا جو شریعت میں حرام نہیں کھانا جائز ہے، اسی طرح ہر درود جو کہ شریعت میں منع نہیں پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا میں تو کھانا اور پینا مطلق ہے، اور صَلُّوْا عَلَیْہِ میں صلوٰۃ مطلق، کوئی درود پڑھ لیا جاوے، ثواب پاوے گا، ہاں منقول درود دیگر سے زیادہ بہتر ہے ؛

دلائل الخیرات شریف میں بہت سے درود نقل کئے، روح البیان نے اس درود شریف کی بہت افضلیت اور نفع بیان کیا اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ، اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ، اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاخَلِیْلَ اللّٰہِ۔ یہ بہت ہی طویل درود شریف ہے ؛

فقیر کا تجربہ یہ ہے، کہ یہ درود بہت نافع ہے، کہ بعد نماز جمعہ مدینہ پاک کی طرف منہ کرکے سو بار یہ پڑھے صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ مگر ہاتھ باندھ کر مدینہ پاک کی طرف کھڑا ہو، مدینہ پاک کا رُخ مغرب اور شمال کے درمیان ہے، ہمارے ہندوستان میں ؛

تنبیہ: ہمارے یہاں پنجاب میں قاعدہ ہے کہ نماز عشاء اور فجر کے بعد نماز سے فارغ ہو کر بلند آواز سے یہ درود شریف پڑھتے ہیں، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحٰبِکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ ؛

بعض لوگ اس کو شرک و کفر کہتے ہیں۔ لیکن یہ محض غلط ہے۔ ہر درود جس طرح چاہو پڑھو صَلُّوْا عَلَیْہِ میں صلوٰۃ میں کوئی پابندی نہیں، بلند آواز سے پڑھو، آہستہ پڑھو اور کوئی سا درود پڑھو، بغیر شرعی ممانعت کے کسی چیز کو ناجائز تو کیا، مکروہ بھی نہیں کہہ سکتے، مشکوٰۃ شریف میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد نماز کے اس قدر بلند آواز سے ذکر اللہ کرتے تھے، کہ محلہ والوں کو گھروں میں خبر ہو جاتی تھی، کہ اب نماز ختم ہو گئی، بلند آواز سے ذکر کرنے کی پوری بحث ہم نے اپنی کتاب جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ میں بہت نفیس کر دی ہے، وہاں مطالعہ کرنا چاہیئے ؛

(۳) کس پر درود پڑھا جاوے ؟ شامی و عالمگیری کتاب الکراہیت میں ہے کہ نبی کے سوا کسی پر مستقل طور پر درود و سلام پڑھنا منع ہے، مثلاً امام حسین علیہ السلام یا امام حسین صلی اللہ علیہ وسلم، ہاں نبی علیہ السلام کے نام کے تابع کر کے غیر نبی پر درود شریف پڑھ سکتے ہیں یعنی مقصود تو حضور علیہ السلام پر درود ہو، اُن کے صدقہ میں اور کا بھی نام آجاوے، مثلاً اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَصْحٰبِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَاَوْلِیَآءِ اُمَّتِہٖ وَعُلَمَآءِ مِلَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ خُصُوْصًا عَلٰی غَوْثِ الصَّمَدَانِی وغیرہ کہ اس درود میں آل پاک، صحابہ کرام، اولیاء، علماء و تمام اُمت کا ذکر آگیا، مگر حضور علیہ السلام کے طفیل ؛

آیت ۶۵- وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ پارہ ۲۲، سورۃ سبا، رکوع ۳ + اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا، مگر ایسی رسالت سے جو کہ آدمیوں کو گھیرنے والی ہے خوش خبری دیتا ہوا، اور ڈر سناتا، لیکن بہت لوگ نہیں جانتے ؛

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے، اس میں حضور علیہ السلام کے تین صفات کا ذکر ہے، تمام لوگوں کا نبی ہونا، سب کے لئے بشیر و نذیر ہونا، ان تینوں چیزوں کی کافی بحث ہم نے سورۃ فرقان کی پہلی آیت میں اور سورۃ احزاب میں بیان کر دی۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت عامہ ہے، جس سے کوئی بھی علیحدہ نہیں ہو سکتا، انبیاء اور اولیاء اور انسان وغیر انسان ؛

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہم کو پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئیں، جو ہم سے پہلے کسی انسان کو نہ ملیں، ایک مہینہ کی راہ سے میرا رعب دیا گیا، تمام زمین ہمارے لئے مسجد بنا دی گئی،

اور پاک کر دی گئی، کہ جہاں نماز کا وقت آجاوے، وہاں ہی نماز پڑھ لی جاوے، اور پانی نہ ملے، تو
تیمم کر لیا جاوے، غنیمتیں حلال کی گئیں، کہ اس سے پہلے کسی کے لئے غنیمت کا مال حلال نہ تھا
ہم کو شفاعت (کبریٰ) دی گئی، اور نبی خاص خاص قوموں کی طرف بھیجے جاتے تھے، مگر ہم تمام
انسانوں کی طرف بھیجے گئے ۔

اس آیت سے ثابت ہوا۔ کہ آپ کی رسالت سب کو عام ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

آیت ۶۶۔ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَ اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ ۔ پارہ ۲۲، سورۂ فاطر، رکوع ۳ ۔ اے محبوب بے شک ہم نے تم کو حق کے ساتھ
بھیجا، خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا، اور جو کوئی گروہ تھا سب میں ایک ڈر سنانے والا گزرا ۔

اس آیت کریمہ میں تین صفات تو حضور علیہ السلام کے ارشاد ہوئے، رسالت عامہ،
بشیر ہونا، نذیر ہونا، اور آخر میں گذشتہ اُمتوں کے متعلق راہنماؤں کے آنے کا ذکر فرمایا گیا اور
بتایا گیا، کہ جس قدر بھی اُمتیں ہیں، اُن سب میں ڈرانے والے گذرے ہیں۔ مگر اس کو حضور علیہ
السلام کی رسالت سے کیا تعلق ہے، یہ بات قابلِ غور ہے، مطلب یہ ہے کہ اے محبوب علیہ
السلام آپ تو ساری اُمتوں کی طرف بھیجے گئے، اور آپ کی رسالت سب کو عام ہے، مگر آپ
سے پہلے ہر جماعت کے لئے علیحدہ علیحدہ ڈرانے والے ہوتے تھے، تو اب اس سے حضور
علیہ السلام کی نعت بخوبی واضح ہوئی ۔

اس آیت سے بعض لوگوں نے تو یہ دھوکا کھایا ہے، کہ کسی مذہب کے پیشوا کو بُرا نہ جانو
کرشن، رامچندر، گوتم وغیرہ سب کی تعظیم کرو، کیونکہ یہ سب پیغمبر تھے، کہ ان کی تعلیم لوگوں نے
بگاڑ دی، اور بُت پرستی شروع کر دی، جس طرح کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے حضرت مسیح اور
حضرت موسیٰ علیہم السلام کی تعلیم بگاڑ کر صلیب پرستی وغیرہ دین میں داخل کر لی، اور بعض
لوگوں نے یہ دھوکا کھایا، کہ انبیائے کرام انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوقات میں بھی آئے
یعنی جنات میں جن نبی، اور معاذ اللہ چوہڑوں میں چوہڑے، اور دیگر قوموں میں اُسی قوم سے
نبی ۔ مگر یہ دونوں خیال فاسد ہیں، کرشن، رام چندر، گوتم وغیرہ کا دنیا میں ہونا ہی ثابت
نہیں، ہمارے پاس کون سی دلیل ہے اس کی کہ یہ لوگ انسان تھے بھی یا نہیں، یا کہ کچھ شے تھی

بھی یا نہیں، محض اُن افسانوں سے ان کا ثبوت ہے جو کہ مشرکین کے گھڑے ہوئے ہیں رامچند
کے چار پاؤں اور چھ ہاتھ، ہنومان کی پُشت پر دم اور گنیش کے مُنہ پر ہاتھی کی سی سُونڈ کا ہونا بالکل خلافِ
عادتِ الٰہیہ ہے، عقل کے بھی خلاف اور قرآن کے بھی خلاف ہے، رب تعالیٰ تو فرماتا ہے لَقَدْ
خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۔ ہم نے انسان کو اچھی صورت میں پیدا فرمایا، اور یہ لوگ
انسان بھی نہ ہوں، اور معاذ اللہ پیغمبر بھی ہوں، اور اُن کی شکلیں بندروں اور دیگر جانوروں کی سی ہوں
بھی شکل سے محروم ہوں، یہ ہو ہی نہیں سکتا، غرضکہ یہ بناوٹی شکلیں ہیں۔ ان کی اصل کچھ بھی
نہیں، یا کہ یہ کوئی جانور ہوئے ہوں گے، جن کی مشرکین نے پوجا شروع کر دی، جیسے آج بھی بندرو
اور گائے کی پرستش ہوتی ہے۔ یہ کہنا کہ یہ انسان تھے، پاکباز تھے، مگر مشرقین نے ان کی شکلیں
مسخ کر کے اس طرح کی بنا لی ہیں، یہ تو ایسی بے جا مشرکین کی وکالت اور حمایت ہے کہ جو خلافِ
عقل ہے، جب خود اُن کے ماننے والے ان کو انسان نہیں کہتے، بلکہ بندروں کو ہنومان اور دیگر
جانوروں کو اُن کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ تو آپ کے پاس کیا وحی آ گئی ہے کہ وہ انسان تھے
اور ایسے ویسے تھے، ورنہ پھر تو جن بُتوں کی مشرکینِ عرب پوجا کرتے تھے، اُن کی بھی بُرائی نہ کرنی
چاہیئے، حالانکہ قرآن اور صاحبِ قرآن نے لات وعزیٰ اور منات کی بُرائیاں بیان کیں،
جیسے وہاں لات وعزیٰ تھے۔ ایسے ہی یہاں مہادیو اور بھوانی ہیں ۔

یہ بھی غلط ہے کہ ہر قوم میں اُس میں سے نبی آئے۔ انبیائے کرام ہمیشہ عالی نسب شریف
خاندان نجیب الطرفین ہوتے ہیں، کہ اُن کے اخلاق پاکیزہ اور صورت نورانی ہوتی ہے، ویسے
ہی اُن حضرات کے نسب بھی عالی ۔

بخاری کے شروع میں ہرقل شاہِ روم کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، کہ اُس نے ابو سفیان اور
دیگر اہلِ مکہ کو بُلا کر نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے احوال اُن سے پوچھے، تو تمام سوالات میں ایک
سوال یہ بھی تھا، کہ وہ نسب وخاندان میں کیسے ہیں؟ سب اہلِ مکہ نے کہا، کہ وہ سارے عرب
میں عالی نسب ہیں، تو ہرقل نے کہا، کہ انبیاء عالی نسب ہی ہوتے ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ بھنگیوں
میں بھنگی اور چماروں میں چمار پیغمبر ہوں، خدا کی پناہ ۔

اس آیت میں یہ کب فرمایا گیا ہے، کہ ہر قوم میں اُس قوم میں سے نبی بھیجے گئے، ہر قوم میں

ہدایت کرنے والے پہنچے، مگر وہ تھے عالی خاندان، جیسے کہ آج تمام دنیا کی قوموں کے حضور علیہ السلام
نبی ہیں۔ عربی، قریشی، ہاشمی، مطلبی صلے اللہ علیہ وسلم۔

یہ دو باتیں ضرور خیال میں رہیں، یہ کہنا کہ غیر انسان میں بھی نبی اُس جنس سے آئے محض
غلط خیال ہے، کیونکہ قرآن کریم نے فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ ہم
نے بھیجا آپ سے پہلے اِن مردوں کو جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی انسان ہی میں سے ہوتے ہیں، اور مرد ہی ہوتے ہیں، اس کی پوری
تحقیق ہماری کتاب جاء الحق وزہق الباطل میں دیکھو۔

اس آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ہر قوم میں ڈرانے والے گذرے، خواہ وہ پیغمبر ہوں، یا
علماء اور بزرگان دین۔

روح البیان نے فرمایا کہ یہاں اُمتوں سے وہ اُمتیں مراد ہیں جن پر دنیا میں عذاب آیا، تو
مطلب یہ ہوا، کہ جس جس گروہ پر عذاب آیا، پہلے اُن میں انبیاء، علماء وصلحاء بھیجے گئے، کہ اُن
کو عذاب سے ڈرائیں، جب وہ نہ مانے، تب عذاب آیا، اس تفسیر کی وہ آیت تائید کرتی ہے وَ
مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ ورنہ بعض اُمتیں ایسی بھی گذری ہیں جن میں پیغمبر نہیں
پہنچے، رب تعالیٰ فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ یعنی ہم نے آپ سے پہلے
ان میں ڈرانے والا نہیں بھیجا۔

ہر شخص جانتا ہے کہ حضور علیہ السلام اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام میں ۶۰۰ سو سال کا فاصلہ
ہے (بخاری آخر جلد اوّل) اس زمانہ میں کوئی پیغمبر دنیا میں نہ آئے، لہٰذا یہی دو صورتیں بہتر معلوم
ہوتی ہیں جو بیان ہوئیں۔

آیت ۶۷۔ یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ پارہ ۲۲، سورہ یٰسٓ
رکوع ۱، حکمت والے قرآن کی قسم، بے شک تم مرسلین میں سے ہو۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے، کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ آپ رسول اللہ
نہیں ہیں، اس کا جواب رب نے ارشاد فرمایا، کہ اے محبوب قرآن کی قسم آپ ہمارے رسول ہیں
اس آیت میں تین کلمے ہیں، ایک یٰسٓ، دوسرے وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ، تیسرے اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ
اور تینوں میں علیحدہ علیحدہ لطف ہے، کلمہ یٰسٓ متشابہات میں سے ہے، اس کے صحیح معنے تو رب
تعالےٰ جانے یا محبوب علیہ السلام۔ مگر مفسرین نے کچھ تاویلیں فرمائی ہیں۔ اولاً تو یہ کہ یٰسٓ حضور
علیہ السلام کا اسم شریف ہے، اور ندا پوشیدہ ہے۔ یعنی اے یٰسٓ، دوم یہ کہ یا ندا کا حرف
ہے، اس سے مراد سید العالمین یعنی اے جہان والوں کے سردار، تیسرے یہ کہ یہ سورۃ کا نام ہے
قرآن کریم کی قسم ارشاد فرمائی، جس میں قرآن پاک کی عظمت کا اظہار ہے کیونکہ رب تعالیٰ جس چیز کی قسم
ارشاد فرماتا ہے، اُس قسم سے اُس چیز کا ظہور ہوتا ہے ہم جو قسمیں کھایا کرتے ہیں، اُس سے کلام کی
مضبوطی مقصود ہوتی ہے، آپ کی رسالت عامہ کو قرآن کریم نے قرآن ہی کی قسم سے بیان فرمایا اور
کسی بھی نبی کی نبوت پر قسم نہ فرمائی گئی۔ غرضکہ چند طرح اس سے حضور علیہ السلام کی نعت ثابت ہے

آیت ۶۸۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ
اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۝ پارہ ۲۴ سورہ زمر، رکوع ۶ تم فرماؤ کہ اے
میرے وہ بندے جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بے شک اللہ سب
گناہ بخش دیتا ہے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت شریف ہے، اس کی شان نزول یہ ہے کہ
ایک جماعت نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ ہم ایمان تو لے آویں، مگر ہم بڑے گنہگار ہیں، کیا ہمارے
گناہ بھی معاف ہو جاویں گے؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اور اس میں فرمایا گیا، کہ اے
محبوب تم فرمادو کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے تصور کئے ہیں رب کی رحمت سے ناامید نہ ہو
اسلام میں آجاؤ۔ اور اس سمندر رحمت میں غوطہ تو لگاؤ۔ تو ہر میل سے پاک وصاف ہو جاؤ گے

اس آیت میں جو یٰعِبَادِيْ فرمایا گیا ہے۔ یا تو مراد اس سے اللہ کے بندے ہیں، تو یہاں
قیدیں لگانی ہوں گی، ایک تو یہ کہ يَقُوْلُ اللّٰهُ يٰعِبَادِيَ اللہ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو!
کیونکہ پھر قُلْ سے تعلق نہ ہوگا، دوسرے یہ کہ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ میں قید لگانی پڑے گی
کہ مشرکین وکفار اس سے خارج ہیں، صرف اہل ایمان ہی اس میں داخل ہیں۔ کیونکہ اللہ کے
بندے تو سب ہی ہیں، اور مشرک۔ کیونکہ مشرک کی بخشش نہیں ہو سکتی اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ
اللہ مشرک کو نہیں بخشتا۔ یٰعِبَادِيْ سے مراد رسول اللہ علیہ السلام کے بندے ہیں یعنی غلام

عبد بمعنی عابد بھی آتا ہے، اور بمعنی خادم بھی۔ تو اب آیت کے یہ معنے ہوئے کہ اے محبوب فرما دو کہ
اے میرے غلامو! اب کفار خود بخود ہی نکل گئے، کیونکہ حضور علیہ السلام کے خدام تو مسلمان ہی
ہیں، اور کوئی عبارت آیت میں علیحدہ نہ نکالنی پڑی ۔

اسی توجیہ کو مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اختیار کیا ہے۔ کہ عِبَادِیْ سے مراد حضور
علیہ السلام کے بندے ہیں، اور مثنوی شریف میں بھی اختیار کیا ہے ؎

بندۂ خود خواند احمد در رشاد ۔ جملہ عالم را بخواں قُل یٰعِبَاد
یٰعِبَادِیْ کہہ کے ہم کو شاہ نے ۔ اپنا بندہ کر لیا پھر تجھ کو کیا

مسئلہ۔ عبدالنبی اور عبدالرسول وغیرہ نام رکھنا بالکل جائز ہے، اور قرآن سے ثابت ہے
رب تعالیٰ فرماتا ہے مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَائِکُمْ تمہارے غلام اور تمہاری لونڈیاں ۔ عرب میں
عام طور پر کہتے ہیں عَبْدِیْ یعنی میرا غلام ۔ صاحبِ دُرِّمختار کے اُستاذ کے اُستاذ کا نام ہے
عبدالنبی خلیلی (دیکھو درِمختار کا مقدمہ جہاں اُنہوں نے اپنا شجرہ علمی بیان کیا) ۔

حدیث پاک میں جو اس سے منع فرمایا گیا کہ عَبْدِیْ اور اَمَتِیْ نہ کہو، یہ حکم استحبابی ہے
جیسے فرمایا گیا کہ انگور کو کرم نہ کہو، کیونکہ کرم مسلم ہے (بخاری وغیرہ) صحابہ کرام نے بھی بارہا
فرمایا ہے کہ کُنْتُ اَنَا عَبْدُہٗ وَخَادِمُہٗ میں حضور علیہ السلام کا عبد اور خادم تھا، اس کی
پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق و زہق الباطل میں دیکھو، جس میں اس کے ایسے دلائل
بیان کر دیئے گئے ہیں، کہ جن کا جواب اِنْ شاءَ اللہ مخالف سے ناممکن ہے ۔

لَا تَقْنَطُوْا سے معلوم ہوا، کہ خدا کی رحمت سے نا امیدی بندے کی شان نہیں، بلکہ اپنے
گناہوں کو دیکھ کر رب سے ڈرے اور رحمتِ الٰہی پر غور کر کے امیدوار رہے ۔

گنہ رضا کا حساب کیا، وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا
مگر اے عفو ترے عفو کا تو حساب ہے نہ شمار ہے

خدائے قدوس تمام گناہ معاف فرما دے گا، مگر حقوق العباد میں حق والے سے معاف
کرا دے گا جیسا کہ کتب عقائد وغیرہ میں مذکور ہے

آیت ۶۹ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا
تَاَخَّرَ ۔ پارہ ۲۶، سورۂ فتح، رکوع ۱ ۔ بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرما دی تاکہ
اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے ۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعتوں کا مجموعہ ہے۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے
کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ مع اپنے اصحاب کے مکہ مکرمہ میں
امن سے داخل ہوئے، کعبہ کی کنجی لی اور طواف فرمایا اور عمرہ کیا، اصحاب کو اس خواب کی خبر دی
سب خوش ہوئے، پھر حضور نے عمرہ کا قصد فرمایا، اور ایک ہزار چار سو صحابہ کرام کے ساتھ یکم
ذیقعد ۶ھ کو روانہ ہو گئے ۔

مکہ مکرمہ کی راہ میں ذوالحلیفہ میں احرام باندھا، جب مقام عسفان میں پہنچے، تو خبر آئی
کہ کفار مکہ جنگ کے لئے بڑے ساز و سامان سے تیار ہیں ۔

جب مسلمان مقام حدیبیہ میں پہنچے، تو مسلمانوں کی طرف سے کئی آدمی کفارِ مکہ کی طرف
بھیجے گئے، جنہوں نے کفار سے کہا کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کی غرض سے
تشریف لاتے ہیں جنگ کا ارادہ نہیں، لیکن کفار مکہ کو یقین نہ آیا، آخر انہوں نے عروہ ابن
مسعود ثقفی کو تحقیق حال کے لئے حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا، عروہ نے آ کر صحابہ کرام
کا ادب اور مجلس پاک مصطفےٰ کا نظارہ دیکھا، تو حیران رہ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ جب حضور
علیہ السلام ہاتھ مبارک دھوتے ہیں، تو صحابہ کرام اس گرے ہوئے پانی کو حاصل کرنے
کے لئے ٹوٹے پڑتے ہیں۔ اگر کبھی حضور علیہ السلام تھوکتے ہیں، تو صحابہ کرام اس کو لینے کی
کوشش کرتے ہیں، اور جس کو وہ مل جاتا ہے، تو وہ برکت کے لئے چہرے اور بدن پر مل لیتے
ہیں، جسم پاک کا کوئی بال شریف نہیں گرتا، اگر کوئی بال مبارک جسم پاک سے جدا ہو جائے تو
صحابہ کرام اس کو ادب سے لے کر اس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ جب حضور علیہ
السلام کلام فرماتے ہیں، تو سب خاموش ہو جاتے ہیں اور کوئی بھی اس مجلس پاک میں آنکھ اونچی
نہیں کرتا، گویا مجلس کیا ہے، ایک علم و حکمت، ادب و وقار کی مجلس ہے، یا یوں کہو کہ فرش پر
قدسی اتر آئے ہیں، عروہ نے یہ حال سارا کا سارا کفار مکہ سے کہا، اور کہا کہ میں نے بڑے بڑے
بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں، مگر جیسا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دربار گھر بار دیکھا

وہ آج تک سُنا بھی نہیں، اور تم اُن کے کامیاب نہ ہو سکو گے ۔

قریش نے کہا کہ یہ بات کہو، ہم اس سال اُن کو واپس کر دیں گے، اگلے سال وہ آئیں، جو لوگ حضور علیہ السلام کی طرف سے اہلِ مکہ سے گفتگو کرنے کے لئے گئے تھے، ان میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، جو دس صحابہ کرام کے ہمراہ اہلِ مکہ کی طرف گئے، اور اہل مکہ کو سمجھایا کہ تم حضور علیہ السلام کو عمرہ کرنے سے نہ روکو، مگر وہ باز نہ آئے، مکہ مکرمہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین روز تک رکھا گیا، اور اُن سے کفار مکہ نے عرض کیا، کہ آپ اگر چاہیں، تو خانہ کعبہ کا طواف کرلیں، مگر حضرت عثمان نے فرمایا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے طواف کروں ۔

ادھر مسلمانوں میں خبر آئی، کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفارِ مکہ نے شہید کر دیا، اس خبر پر حضور علیہ السلام نے تمام مسلمانوں سے بیعت لی، کہ اگر جنگ کرنا پڑ جاوے، تو کوئی بھی اِس سے منہ نہ موڑے، اِس بیعت کا نام بیعت الرضواں ہے، جو درخت خاردار کے نیچے لی گئی تھی، اِس کا قصّہ اس سورۃ کے آخر میں آتا ہے ۔

آخر کار اس پر صلح ہوئی، کہ اِس سال حضور علیہ السلام واپس تشریف لے جاویں، اور سال آئندہ عمرہ کریں، جب صلح نامہ لکھا جاچکا، تو یہ آیت مبارک نازل ہوئی، اور فرمایا گیا، کہ اے محبوب ہم نے آپ کو فتح دے دی، اس لئے کہ یہ صلح فتح مکہ کا ذریعہ بنی، اور بہت سی فتوحات پھر حاصل ہوئیں ۔ یہ تھا اس آیت کا شانِ نزول، اب اِس میں دو چیزیں بہت ہی قابل غور ہیں، اولاً یہ کہ فتح سے کیا مراد ہے، دوسرے یہ کہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ سے کیا مراد ؟

روح البیان نے فتح کی چند توجیہیں کی ہیں، ایک یہ کہ یہاں فتح سے مراد فتح مکہ ہے، مگر یہ بظاہر واقعہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ابھی تو اہل مکہ نے عمرہ بھی ادا نہ کرنے دیا اور مسلمانوں کو واپس لوٹنا پڑا، اور فَتَحْنَا ماضی ہے، جس کے معنے ہیں فتح دے دی، تو یا تو کہا جاوے، کہ صلح حدیبیہ ہو جانا یہ ہی فتح ہے، کہ کفارِ مکہ تو کوشش میں تھے، کہ صلح نہ ہو، اور حضور علیہ السلام کی منشاء مبارک تھی کہ صلح ہو جاوے، جو کفار نے چاہا وہ نہ ہُوا، اور جو اللہ کے حبیب علیہ السلام نے چاہا، وہ ہو گیا، یہ فتح ہوئی، یا کہا جاوے کہ یہ صلح فتح کا ذریعہ بنی، اس لئے اس کو مجازاً فتح فرمایا گیا، یا چونکہ اب فتح مکہ یقینی ہو گئی تھی، اور یقینی چیزوں کو عرب والے ماضی سے بول دیتے ہیں، اس لئے ماضی فرمایا گیا، یا یہ کہ اس صلح کی وجہ سے کفار مسلمانوں سے ملنے جلنے لگے، اور اُن کے خلط سے بہت لوگ اِس سال اسلام میں داخل ہوئے ۔

یا یہ کہ فتح کے معنے ہیں کھول دینا، یہاں مراد کہ اے محبوب علیہ السلام ہم نے آپ کے لئے دروازے کھول دیئے، کس چیز کے؟ علوم کے، حکمتوں کے، ہدایتوں کے، جو دروازے اب تک اَوروں پر بند رہے، یا یہ وہ تمہارے لئے کھولے، دروازۂ شفاعت کبریٰ، دروازۂ دیدارِ الٰہی، دروازۂ جنّت، دروازۂ مقامِ محمود، دروازۂ حوضِ کوثر یعنی تمام رحمتِ الٰہیہ کے دروازے تمہارے لئے کھول دیئے ۔

یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ پہلے فرمایا گیا ہے وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ یعنی غیب کی کُنجیاں رب کے ہی پاس ہیں، اُن کو سوائے اُس کے کوئی نہیں جانتا، اب سوال تھا کہ اُن کُنجیوں سے کسی کے لئے غیوب کے خزانے کھولے بھی یا نہیں، اس جگہ فرمایا اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ ہم نے آپ کے لئے کھول دیئے ۔

رہی دوسری بحث کہ ذَنْۢبِكَ آپ کے گناہ، اِس سے کیا مراد ہے؟ تمام اہلِ اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے کہ انبیائے کرام گناہوں سے معصوم ہیں، اور تفسیر احمدیہ نے زیر آیت لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ لکھا ہے کہ ہمارے حضور علیہ السلام نے قبل نبوّت اور نہ بعدِ نبوّت ایک ساعت کے لئے بھی ارادۂ گناہ بھی نہ فرمایا، پھر آیت کے کیا معنے؟ اس لئے محدّثین اور مفسّرین نے اِس آیت کی بہت سی توجیہیں فرمائی ہیں ۔

مدارج النبوت میں فرمایا کہ آیت میں مَا تَقَدَّمَ سے مراد حضرت آدم کی خطا ہے اور مَا تَاَخَّرَ سے مراد اُمّت کے گناہ معاف فرمادیئے، چنانچہ روح البیان نے اسی آیت کے ماتحت فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کی طفیل دعا کی اور قبول ہوئی، بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ اس جگہ خطائے اجتہادی مراد ہیں ۔

بعض نے فرمایا کہ یَغْفِرَ سے مراد یَعْصِمَ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو گذشتہ زمانہ میں

بھی گناہوں سے محفوظ رکھا، اور آئندہ بھی آپ کو محفوظ رکھے گا، یعنی آپ گناہوں سے محفوظ ہیں
بعض نے فرمایا کہ اُمّت کے گناہ حضور علیہ السلام کے دامنِ شفاعت کی طرف منسوب فرمائیے
گئے، اور ہمیشہ اُمّتوں کے گناہ انبیائے کرام کے کرم کی طرف منسوب ہوتے ہیں ۔
یعنی گناہ و جرم کبھی گنہگار کی طرف منسوب ہوتا ہے، کبھی بخشش کے ذمہ دار کی طرف جیسے
مقدمہ کو مجرم کہتا ہے میرا مقدمہ اور وکیل و جج بھی کہتا ہے میرا مقدمہ، لیکن معنے جدا گانہ ہوتے
ہیں۔ مجرم کا مقدمہ اس معنے سے ہے، کہ مجرم اُس میں گرفتار ہے، وکیل اور جج کا مقدمہ اس
معنے سے ہے کہ وہ اُس کا ذمہ دار ہے، لہٰذا گنہگاروں کے گناہ جس میں وہ گرفتار ہیں حضور کے
دامنِ کرم کی طرف منسوب ہیں، اس معنے سے کہ آپ کے ذمہ اُن کی شفاعت ہے، یا ذَنْبِكَ
سے مراد وہ گناہ ہیں جنہیں حضور نے گناہ بنا دیا، کیونکہ اگر حضور کی جلوہ گری نہ ہوتی، تو کوئی کام
گناہ نہ بنتا یعنی آپ کے بناتے ہوئے گناہ (روح البیان) جیسے کہا جاتا ہے کہ چوری و زنا
وغیرہ خدا کا گناہ ہے یعنی خدا کا حرام فرمایا ہوا گناہ ہے

کر کے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ ۔ تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود

اسی لئے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے خطا نہ کی، بلکہ اس خطا کا سبب
وہ خبیث انسان ہوئے جو پشتِ حضرت آدم میں تھے، منظورِ الٰہی نہ تھا کہ یہ خبثاء جنّت میں
پیدا ہوں، فرمایا گیا، اے آدم آپ زمین پر جا کر اِن کو پھینک آؤ، پھر جنّت میں تشریف لے
آنا (روح البیان یہی مقام اور مرقات شرح مشکوٰۃ) ۔
عصمتِ انبیاء کی پوری تحقیق ہمارے رسالہ "قہر کبریا بر منکرین عصمتِ انبیاء" میں دیکھو
اس قسم کی تمام وہ آیات جن سے بے دین دلیل پکڑتے ہیں، سب کی توجیہیں اور جوابات مع
دلائل عصمت بہت پُر لطف طریقہ سے بیان کئے گئے ہیں ۔

نکتہ: روح البیان نے اس آیت میں لکھا کہ حضور علیہ السلام کو تین فتح عنایت
ہوئیں، فتح قریب، وہ تو دروازۂ دل کا کھولنا، اور اُس کو اسرار پر خبردار فرمانا ہے، دوسری فتح
مبین، وہ روحِ مصطفےٰ علیہ السلام کے دروازے کھولنا ہیں۔ تیسری فتح مطلق، وہ اپنی صفت
کے دروازے حضور علیہ السلام پر کھولنا ہے، جس کی طرف اشارہ ہے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ

الفتح، صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلّم ۔

آیت ۰۷۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ پارہ ۲۶، سورۃ الفتح، رکوع
بے شک ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی و ڈر سناتا، کہ اے لوگو تم اللہ اور اُس کے رسول
پر ایمان لاؤ، اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو، اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو ۔

یہ آیت بھی حضور علیہ السلام کی کھلی ہوئی نعت ہے۔ اور حضور علیہ السلام کے بہت سے
اوصاف اس میں بیان ہوئے۔ اور مسلمانوں کو اس بارگاہ کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا گیا۔ شَاهِدًا
کے معنے ہم پہلے سورۂ احزاب میں بیان کر چکے ہیں، کہ شَاهِدًا کے معنے حاضر اور مشاہدہ کرنے
والے بھی ہو سکتے ہیں۔ یا تو تمام عالم کو دیکھنے والے یا رب کو دیکھنے والے یا معراج میں جنّت و دوزخ
اور لوح و قلم کو ملاحظہ فرمانے والے، تمام مخلوقات پر نظر رکھنے والے ہیں، یا بمعنی گواہ یا بمعنے
محبوب ہیں ۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اس میں غیر اللہ سے الوہیت کی
نفی کی گواہی ہے، اور آپ کی گواہی کامل اور دیکھی ہوئی ہے، سُنی ہوئی نہیں، اور ثبوت کی گواہی
دینا آسان ہے۔ مگر نفی کی بہت مشکل کوئی کہے کہ فلاں شعر گلستان میں ہے، وہ شعر دکھا کر ثابت
کر سکتا ہے، مگر یہ کہنا کہ فلاں شعر گلستان میں نہیں۔ بہت مشکل ہے، یہ وہی کہہ سکتا ہے،
جس کی نظر ساری گلستان پر ہو، ایسے ہی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی دیکھی ہوئی گواہی وہ ہی دے سکتا
ہے جو اول سے آخر تک کا عالم ہو، اور ذرّے ذرّے کو جانچ لے۔ پھر کہے کہ میں نے سب کو
جانچ لیا، رب کے سوا کوئی خدا نہیں ۔

شاہد کی پوری تفسیر اسی کتاب سورۂ احزاب کی آیت اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا کی شرح
میں ہو چکی ۔

اس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم ہمارے محبوب کی تعظیم اور توقیر کرو، اس میں کسی قسم
کی تعظیم کی قید نہیں لگائی گئی، بلکہ جو تعظیمیں کہ شریعت نے حرام فرمائی ہیں، جیسے تعظیمی سجدہ کرنا
اور تعظیمی رکوع کرنا وغیرہ ان کے سوا جو تعظیم بھی تم سے ممکن ہو وہ کرو، کلام میں تو تعظیم کرو، کہ ان

کا نام شریف عظمت سے لو، اُن کو اللہ اور اللہ کا بیٹا نہ کہو، باقی جو کلمے تعظیم کے ملیں کہو، اُن کی
ہر ہر چیز کی تعظیم، بال مبارک کو چُومنا، لباس کی، نعلین پاک کی، اُن کے لکھے ہوئے نام کی اور
اُن کے شہر پاک کی غرضکہ جس چیز سے اُن کو نسبت ہو اُس کی تعظیم کرو، اسی طرح اپنے ہاتھ اور
پاؤں وغیرہ سے، اپنی ہر ہر حرکت سے اُن کی عظمت کا اظہار کرو ۔

حتیٰ کہ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جب روضۂ پاک پر سلامی کے لئے حاضر ہو، تو ہاتھ باندھ کر ایسے
کھڑے ہو، جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے (دیکھو عالمگیری باب زیارت قبر النبی کتاب الحج) اسی طرح اُن
کے لئے تعظیماً کھڑا ہونا، اُن کے ہاتھ و پاؤں مبارک کو بوسہ دینا جیسا کہ صحابہ کرام کا دستور تھا مستحب
ہے (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الادب باب القیام اور باب المصافحہ والمعانقہ) ۔

جن احادیث میں تعظیماً کھڑے ہونا منع فرمایا گیا ہے، وہ وہ کھڑا ہونا ہے کہ بڑا آدمی بیٹھا ہو اور
دوسرے لوگ اُس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوں، اسی لئے فرمایا گیا ہے لَا تَقُوْمُوْا كَمَا تَقُوْمُ
الْاَعَاجِمُ اس طرح نہ کھڑے ہو، جیسے عجمی لوگ کھڑے ہوتے ہو، اس کی بہت نفیس تحقیق دیکھو ہماری
کتاب جاء الحق وزہق الباطل میں :-

وضو کا پانی کھڑے ہو کر پیئو، آبِ زمزم کھڑے ہو کر پیئو ۔

حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کی مجلس پاک میں آئے، تو فرمایا انصار سے کہ
اپنے سردار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ، غرضکہ قیام تعظیمی جائز اور سنت سے ثابت ہے، اسی
طرح محفل میلاد کرنا اور اس میں حضور علیہ السلام کی ولادت کے ذکر پاک پر کھڑا ہونا بھی حضور علیہ
السلام کی تعظیم ہے۔ جو اور جس طرح تعظیم کی جاوے، جائز ہے، اس میں ثبوت کی کوئی حاجت نہیں ۔

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ پاک میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے، اور
حدود مدینہ منورہ میں بعض حضرات پاخانہ کے لئے نہ بیٹھتے تھے، اس تعظیم کا کوئی ثبوت نہیں ملتا
نہ صحابہ سے، نہ تابعین سے، مگر امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا جذبہ دل ہے، اور کوئی بھی اس کو منع
نہیں فرماتا، اس آیت میں چونکہ عزّروہ وتوقیر مطلق ہے، اس لئے کسی طرح کی اس میں قید لگانا غلط ہے ۔

روح البیان نے زیر آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ لکھا ہے کہ ایاز کے لڑکے کا نام محمد تھا،
سلطان اُس کا نام ادب سے لے کر پکارتے تھے، ایک بار کہا کہ اے ایاز کے لڑکے یہاں آ، ایاز

نے عرض کیا، کہ حضور آج کیا قصور ہوا، کہ آپ نے اس کا نام نہ لیا، فرمایا کہ میں اُس وقت بے وضو
تھا، اور یہ نام پاک میں بغیر وضو نہیں لیتا ؎

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک وگلاب ۔ ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

بتاؤ کہ اس تعظیم کا ثبوت کہاں ہے ؟

اسی طرح محفل میلاد شریف کرنا بھی تعظیم رسول اللہ علیہ السلام ہے، میلاد کی بہت نفیس
بحث اور اس کا ثبوت قرآنی آیات، احادیث اور اجماع اور فعل انبیاء سے ہماری کتاب جاء الحق
وزہق الباطل میں ہے ۔

مسئلہ : حضور علیہ السلام کی تعظیم وتوقیر ایمان میں داخل ہے، اور آپ کے نعلین پاک
کی بھی توہین کفر ہے ۔

آیت ۱۷ - اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۔ پارہ
۲۶، سورۃ الفتح، رکوع ۱ ۔ وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اللہ
کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے ۔

یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی انتہائی نعت ہے، اس میں بیعت الرضوان کے واقعہ کی
طرف اشارہ ہے، جس کا ذکر ہم ابھی دو آیتوں سے پہلے کر چکے ہیں، کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کے شہید کئے جانے کی افواہ مسلمانوں میں پھیلی، تو حضور علیہ السلام نے لوگوں سے جہاد پر بیعت
لی، اور سب نے اپنے اپنے ہاتھ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے کر بیعت جہاد
کی، پھر حضور علیہ السلام نے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ فرما کر فرمایا، کہ یہ ہاتھ عثمان کا ہے، اور
اپنے داہنے ہاتھ کو فرمایا کہ یہ ہاتھ رسول اللہ کا ہے، اور میں خود عثمان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں
خود اپنے ہاتھ پر ۔ ع خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گِل کوزہ ۔

سُبحان اللہ کیا شان حضرت عثمان ہے ؎

دستِ حبیب خدا جو کہ ید اللہ تھا ۔ ہاتھ بنا آپ کا آپ وہ ذی شان ہیں

نکتہ : رسول علیہ السلام کا ہاتھ، عثمان کا ہاتھ اور حضور علیہ السلام کا ہاتھ خدا کا ہاتھ،
تو نتیجہ نکلا، کہ عثمان غنی کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ، اور قرآن اللہ کا کلام، تو اللہ کے کلام کو اللہ کے ہاتھ

یعنی عثمان غنی نے شائع کیا، اسی لئے فرمایا گیا عثمان جامع القرآن ۔

اس آیت میں اُسی بیعت کا ذکر ہے، اور اس بیعت کرنے والوں کی عظمت کا اظہار ہے، کہ جو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اور اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے
اس آیت سے تین مسئلے ثابت ہوئے :-

اولاً یہ کہ حضور علیہ السلام کو بارگاہِ الٰہی میں وہ قرب حاصل ہے، کہ حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت، حضور کی بیعت اللہ کی بیعت، حضور کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے، اس کی پوری تحقیق ہم کر چکے ہیں وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى کی بحث سورۂ انفال پارہ ۹ میں ۔

روح البیان نے اس جگہ لکھا، کہ حضور علیہ السلام کو پروردگار عالم نے وہ مرتبہ جمع عطا فرمایا جو کسی کو نہ ملا، رب کے لئے حضور علیہ السلام نے سب کو چھوڑا، اب رب تعالیٰ حضور علیہ السلام کا ہے، اور حضور علیہ السلام رب العالمین کے، اسی لئے قیامت میں اور انبیاء فرمائیں گے نفسی نفسی، مگر حضور فرمائیں گے اُمتی اُمتی، کیونکہ نفس تو علیٰحدہ باقی ہی نہ رکھا، اور حضور علیہ السلام سراپا مظہرِ قدرتِ الٰہی ہیں، وجود آپ کا ہے، اور اس میں ظہور رب کی قدرت کا ہے، اگر پروردگار عالم کی ساری صفات کو دیکھنا ہو، تو حضور علیہ السلام کو دیکھو، اسی لئے فرماتے ہیں مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَى الْحَقَّ جس نے مجھ کو دیکھا اُس نے حق کو دیکھا۔ مگر ضبط کا یہ عالم ہے کہ ہر ہر ادا سے اپنی بندگی کا اظہار فرماتے ہیں، اور بعض اولیاء اس لذت کی تھوڑی جھلک بھی پا جاتے ہیں، تو منصور تو کہتے ہیں اَنَا الْحَقُّ اور بایزید فرماتے ہیں سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ اور ابوسعید خزار فرماتے ہیں مَا فِیْ جُبَّتِیْ اِلَّا اللّٰہُ ۔

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتوِ صفات ۔ تو عینِ ذات مے نگری در تبسمے
رفعتِ طور میں لامکانی کہاں ۔ لَنْ تَرَانِیْ کہاں مَنْ رَاٰنِیْ کہاں
جس کا سایہ نہ ہو اُس کا ثانی کہاں ۔ اُس کا اظہار ہی آج کی رات ہے

جب حضور کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہوا، تو حضور کی زبان شریف اور سارے اعضاء میں خدائی طاقت ہوئی، یہ درجہ فنا فی اللہ کا ہے، اس درجہ میں پہنچ کر انسان میں صفتیں پیدا ہو جاتی ہیں، ایک یہ کہ بندے سے خدائی کام صادر ہونے لگتے ہیں، جیسے حضرت آصف آناً فاناً تختِ بلقیس لے آئے، حضرت یعقوب نے مصر سے قمیص یوسفی کی خوشبو پالی، حضرت ابراہیم نے کعبہ تعمیر فرما کر دنیا بھر کے لوگوں کو حج کی دعوت دی، تو قیامت تک کے پیدا ہونے والوں نے وہ آواز سن لی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے سورج لوٹا، چاند پھٹا، بادل برسایا، سب خدائی کام ہیں، جو اللہ کے پیاروں سے ظاہر ہو رہے ہیں، دوسرے یہ کہ بندہ اس درجہ میں پہنچ کر خدائی کاموں کے بارے میں کہہ دیتا ہے، کہ یہ میں کر سکتا ہوں، یا یہ کہہ دیتا ہے کہ سارا عالم میری ملک ہے، حضرت جبریل نے حضرت مریم سے فرمایا کہ میں تم کو بیٹا دوں گا، عیسےٰ علیہ السلام نے فرمایا، کہ میں مُردے زندہ کر سکتا ہوں، اندھے، کوڑھی اچھے کر سکتا ہوں، اُن کی یہ بات رب تعالیٰ کے کرم پر ناز کرتے ہوئے ہوتی ہے، جیسے بیٹا باپ کے مال کو کہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے، نمرود نے خدا کے مقابل ہو کر کہا اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ وہ مردود ہو گیا، عیسےٰ علیہ السلام نے فرمایا اُحْیِ الْمَوْتٰی وہ پیارے رہے، کیونکہ ان دونوں ہی کے اندر بڑا فرق ہے، جیسے ڈاکو کہے کہ میں تمہیں مار سکتا ہوں، وہ مجرم ہے، وزیر اعظم کہے کہ میں پھانسی دے سکتا ہوں، وہ سچا ہے ۔

دوسرے یہ کہ اس سے معلوم ہوا، کہ بیعت کرنا ضروری بلکہ سنت ہے، اولاً تو بیعت سب لوگوں نے میثاق کے دن کی تھی، کہ رب نے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى، پھر صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاک پر کی جو بھی اسلام لینے حاضر ہوتے تھے، آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے، مگر وہ بیعتِ اسلام ہوتی، اور یہ بیعت جو حُدیبیہ میں لی گئی، وہ بیعتِ جہاد ہے، کبھی حضور نے کسی خاص عہد پر بھی بعض حضرات سے بیعت لی، جیسے کہ بعض سے اس پر بیعت لی، کہ کسی سے کچھ نہ مانگنا ۔

حقیقتِ بیعت کی یہ ہے کہ اللہ کے نائب کے ہاتھ پر اللہ سے اقرار کرنا کہ ہم وفادار بندے رہیں گے، اور اُس اللہ کے بندے یعنی اپنے شیخ کو اس پر ضامن بنانا، پھر خلفائے راشدین کے ہاتھوں پر بیعتیں ہوئیں، مگر یہ بیعتِ حکومت بھی تھی اور بیعتِ ارادت بھی یعنی مریدی کی بیعت، اسی لئے اس زمانہ میں مشائخ کی بیعت کا رواج نہ تھا، کیونکہ صدیق و فاروق و دیگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم خود شیخ تھے، اور چونکہ یہ بیعت خلافت بھی تھی، اس لئے ہر خلیفہ کے ہاتھ پر علیحدہ بیعت کرنا پڑتی تھی ۔

پھر جب خلافتِ راشدہ کا زمانہ گذر گیا، سلاطین میں سلطنت رہ گئی، تو بیعتِ حکومت
تو اسلامی بادشاہوں سے کی گئی، اور بیعتِ طریقت مشائخ سے، مُرید کے معنے ہیں ارادہ کرنے
والا، چونکہ یہ بھی اللہ کی رضا کا طالب ہے، اس لئے اسے مُرید کہا جاتا ہے، یہ لفظ قرآن کی
اِس آیت سے لیا گیا یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○

مسئلہ: بیعت کرنا کسی نہ کسی مرشد کی ضروری ہے، مثنوی شریف میں ہے ؎

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر ٭ ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

خرپوتی شریف نے لکھا کہ جس کا کوئی پیر نہ ہو، اُس کا پیر شیطان ہے، قرآن فرماتا ہے یَوْمَ
نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ، ہم قیامت میں ہر آدمی کو اُس کے امام کے ساتھ بلائیں گے یعنی
اے چشتیو! اے قادریو! اے سہروردیو! اے نقشبندیو! یا کہ اے حنفیو! اے شافعیو!
اے مالکیو! اے حنبلیو! چلو، اور جس کا کوئی بھی امام اور شیخ نہیں، اُن کو بلایا جاوے گا اے
شیطانیو! کیونکہ ابھی ہم عرض کر چکے ہیں کہ جس کا کوئی پیر نہیں، اُس کا پیر شیطان ہے (روح
البیان زیر آیت یَوْمَ نَدْعُوْا) مسلم شریف کی روایت میں ہے، کہ جس کے گلے میں کسی کی
بیعت کی رسی نہ ہو، اور وہ مرجاوے، تو اُس کی موت جاہلیت کی موت ہے ٭

نفس کُتّا ہے، اس کے گلے میں کسی کا پٹہ ڈالو، تاکہ مارے نہ جاؤ، مشائخ کا شجرہ گویا
اُس پٹہ کی زنجیر ہے، جس کی پہلی کڑی مُرید کے گلے میں اور آخری کڑی حضور کے ہاتھ میں ہے
نیز جب تم شمعِ نبوت سے دُور ہو، تو ان شیشوں سے تعلق رکھو جن سے یہ نور چھن چھن کر آ رہا
ہے، حضور رحمت کی بارش ہیں، اور علماء و مشائخ تالاب، جو بارش نہ پائے وہ اِن تالابوں
سے اپنی ایمان کی کھیتیوں کو پانی دے ٭

اِس آیت سے معلوم ہوا، کہ بیعت کرتے وقت مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دینا سُنّت ہے
کیونکہ ہاتھ ملانا عہد کی پختگی کے لئے ہوتا ہے، نیز دنیا میں لینا ہاتھ سے ہی ہوتا ہے، اسی لئے
دعا کے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں. گویا رب سے لے رہے ہیں. نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو لپ بھر کر علم عطا فرمایا. مگر عورتوں سے ہاتھ ملانا جائز نہیں کہ یہ خلاف
حجاب ہے، ہاں اگر اپنی محرم کو مرید کرنا ہے تو ہاتھ ملا سکتا ہے، نیز عورت کو پیر نہیں بنا سکتے

کیونکہ پیری ایک قسم کی امامت ہے، عورت مرد کی امام نہیں بن سکتی ہے. نہ عورت کی امامت
صحیح ہے ٭

مسئلہ: بیعت چار قسم کی ہے آج کل جو رائج ہے وہ بیعت ارادت ہے، دیکھو اس
کی تحقیق کے لئے فتاوٰے افریقہ ٭

نوٹ ضروری: مرشد میں چار باتیں دیکھنا چاہئیں، اولاً تو صحیح العقیدہ ہو، دوسرے
بالکل جاہل نہ ہو، تیسرے فاسق و فاجر نہ ہو، نیک پرہیزگار ہو، چوتھے اس کا شجرہ صحیح حضور علیہ
السلام تک پہنچتا ہو، اگر اس میں سے کسی بات کی بھی کمی ہو، تو اُس کے ہاتھ میں ہرگز ہاتھ نہ دو

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ٭ پس بہر دستے نہ باید داد دست

تیسرے یہ بھی اس آیت سے معلوم ہوا، کہ بیعت کا طریقہ یہ ہے، کہ مرید بیعت ہوتے وقت مرشد کے
ہاتھ میں ہاتھ دے. کیونکہ فرمایا گیا ہے یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے معلوم
ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت لی، مگر عورتوں سے جب بیعت لی
جاوے، تو محض بات سے اور کلام سے لی جاوے، ہرگز اُن کا ہاتھ نہ چھوا جاوے ٭

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی کسی عورت
کا ہاتھ پکڑ کر بیعت نہ کیا، بلکہ پیر سے عورتوں کو پردہ کرنا چاہئیے. جبکہ وہ اجنبی ہوں ٭

مُرید کا ہاتھ پکڑنا ایسا ہے جیسے بجلی کی کرنٹ، کہ اگر ہزاروں آدمی ایک دوسرے کا ہاتھ
پکڑے ہوں، اور ایک آدمی میں کرنٹ آجاوے، تو سب میں پہنچ جاتی ہے، ایسے ہی نورِ نبوت
کی کرنٹ صحابی نے حاصل کی، اب قیامت تک یہ کرنٹ مشائخ میں رہے گی، اور اُن کے
مُریدین اپنے مشائخ کے ہاتھ سے ہاتھ مس کر کے وہ برقی رَو اپنے میں لیتے رہیں گے، اگر
عورت کو ہاتھ پکڑ کر بیعت نہ کر سکیں، تو رومال یا چادر کا ایک گوشہ مرشد پکڑے. دوسرا گوشہ وہ
عورت، تاکہ یہ نوری کرنٹ اس ذریعہ سے اُس عورت مرید تک پہنچے، ایسے ہی ریل کے ڈبوں
کا حال ہے ٭

فائدہ جلیلہ: مرشد یا شیخ کے بعد اُس کی سجادہ نشینی کے متعلق جھگڑے ہوتے ہیں.
اس لئے حکم شرعی یہ ہے. کہ سجادہ نشین میں وہ چار صفتیں ہوں، جو کہ مرشد کے لئے ذکر کی گئیں،

اب سجادہ نشینی کی تین صورتیں ہیں. یا تو شیخ خود اپنی زندگی میں کسی کو اپنا جانشین کر دے، جیسے کہ صدیق اکبر نے فاروق اعظم کو اپنی زندگی میں خلیفہ فرما دیا، یا شیخ کے عام مریدین شیخ کی وفات کے بعد اُس کو سجادہ نشین بنا دیں، جیسے کہ صدیقِ اکبر کی خلافت کہ عام مسلمین کے مشورہ سے ہوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی کو خلیفہ نہ بنایا، یا کہ مریدین میں سے خاص معتمد لوگ کسی کو سجادہ نشین بنالیں، جیسے کہ حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کہ خاص اصحاب حل وعقد کے مشورہ سے ہوئی، یہ خلافتیں آج کل کی خلافتوں کے لئے دلیل ہیں ؂

اب جو مشہور ہو گیا ہے، کہ پیر کا بیٹا پیر بننا چاہیئے، اُس کو مرشد نے خلافت دی ہو یا نہ، اور وہ اُس کا اہل ہو یا نہ ہو، مریدین اس سے راضی ہوں یا نہ ہوں. یہ محض غلط ہے، اس کی بہت تردید شرح قصیدہ بردہ نے کی ہے ؂

وہ لکھتے ہیں کہ آج کل سجادہ نشینی بچوں کا کھیل ہو کر رہ گئی، کہ پیر کے نابالغ نااہل بیٹے بغیر شرائط کے پیر بنائے جاتے ہیں، اللہ توفیق دے راہِ راست پر چلنے کی آمین اور پیر زادے بھی سمجھتے ہیں کہ پیری ہمارے گھر کی میراث ہے، اگر خلافت میراث ہوتی تو خلفائے راشدین کی اولاد ہی اُن کی خلیفہ ہوتی ؂

آیت ۲۷ ۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ؕ پارہ ۲۶، سورۂ فتح رکوع ۳ ۔ بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اُس درخت کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے، تو اللہ نے جانا جو اُن کے دلوں میں ہے، تو اُن پر اطمینان اُتارا، اور اُنہیں جلد آنے فتح کا انعام دیا

یہ آیت کریمہ بھی حضور سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت وعظمت کے خطبے ارشاد فرما رہی ہے اور جن خوش نصیب حضرات نے اُن کے دستِ مبارک پر بیعت کی، اُن کے مراتب کا ذکر فرماتی ہے، بیعت الرضوان جس کا واقعہ ہم دو آیتوں سے پیشتر ذکر کر چکے ہیں. اُس بیعت میں شرکت کرنے والے اصحاب کو جو انعام الٰہی ملا، اُس کا اس میں ذمہ ہے، اُن کو تین چار نعمتیں ملیں، رضاء الٰہی سے اطمینان کا اتارنا، عنقریب فتح ونصرت کی خوش خبری، اور بہت سی غنیمتیں جبکہ بیعت کرنے والوں کو یہ انعامات ملے، تو جن کے صدقے میں یہ سب کچھ ملا، اُن کی عزت اور عظمت تو قیاس وگمان

سے بھی باہر ہے ؂

اِس جگہ چند باتیں قابلِ غور ہیں، بیعت الرضوان میں ۱۴ سو حضرت نے بیعت کی، اور چونکہ ان حضرات کو خبر دے دی گئی، کہ اللہ تم سے راضی ہے، اِس لئے اِس کو بیعت الرضوان کہتے ہیں ؂

نوٹ ضروری : اس کا مطلب یہ نہیں ہے، کہ خدائے پاک ان صحابۂ کرام کے سوائے اوروں سے راضی نہیں ہے، رب تعالیٰ سب صحابہ سے راضی اور سب کے لئے جنّت کا وعدہ فرما چکا ہے. فرماتا ہے كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى سب سے اللہ نے جنّت کا وعدہ فرما لیا. ایک جگہ ارشاد ہوا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور یہ انعام ہر اُس شخص کے لئے ہے کہ جو رب سے ڈرے، اسی لئے صحابہ کرام تمام اہلِ بیعت، سارے علماء اور اولیاء اللہ کو رضی اللہ عنہ اور رحمۃ اللہ علیہ کہنا جائز ہے. (شامی کتاب الکراہیۃ) بلکہ خصوصی رضاء اس جگہ مراد ہے ؂

ہدایت :۔ جو شخص حضرات صحابہ اور خاص کر بیعت الرضوان میں شرکت کرنے والوں کو معاذ اللہ بُرا کہے، یا کہ اُن کو منافق کہے یا کہے کہ بعد میں ابوبکر صدیق یا فاروق اعظم یا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسلام سے پھر گئے، وہ کافر اور مرتد ہے، کیونکہ پھر اس کے معنے یہ ہوئے کہ رب العٰلمین کو بھی علم نہ تھا، کہ ان حضرات کا انجام کیا ہو گا، اور اُن کو اپنی خوشنودی کا تمغہ دے دیا، رب علیم وخبیر ہے، جن سے راضی ہو، وہ واقعی جنتی اور جنتیوں کے سردار ہیں ؂

جس درخت کے نیچے یہ بیعت لی گئی، وہ درخت ببول کا تھا، جس کو عربی میں کہتے ہیں سمرہ یا کہ بیری کا درخت تھا، غرضکہ خاردار درخت تھا، مگر روح البیان میں روایات ببول کے درخت کی ملتی ہیں. قدرتِ الٰہی سے یہ درخت غائب ہو گیا، اور لوگ دوسرے درخت کو یہ درخت سمجھ کر اُس کی زیارت کرتے تھے، اور اُس کے نیچے جا کر نمازیں ادا کرتے تھے برکت کے لئے حضرت فاروق اعظم نے اوّلاً تو اُن کو اس سے روکا کہ وہ درخت نہیں ہے، مگر جب معلوم فرمایا کہ لوگوں کو دھوکا لگا ہوا ہے، تو اِس غلطی سے بچانے کے لئے یہ درخت کٹوا دیا (دیکھو مسلم جلد دوم کتاب الامارت باب بیعت الرضوان اور بخاری کتاب المغازی اور روح البیان یہی آیت) ؂

بعض لوگ اس واقعہ فاروقی کو سند بتاتے ہیں، اولیاء اللہ کی قبور گرانے اور اُن کی توہین

کرنے کے لئے۔ کہ فاروق نے وہ مبارک درخت کٹوایا، ہم یہ چیزیں گراتے ہیں۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت فرماتے ہیں کہ یہ لوگ نہایت ہی بے دین اور ان کا یہ فعل کفر ہے، یہ ہی فرعون نے کہا تھا ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ اگر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تبرکات کے مخالف تھے، تو حضور علیہ السلام کے اور تبرکات، بال شریف، لباس شریف کیوں باقی چھوڑتے، جن کی صحابہ کرام زیارتیں کرتے تھے، اور حضور علیہ السلام کا روضہ خود فاروق نے کیوں تعمیر کرایا؟ تمام علمائے ملت مدینہ پاک جاتے رہے، مگر کسی نے بھی اس روضہ پاک کی عمارت کی مخالفت نہ کی، اولیاء اللہ کے مزارات پر عمارات بنانے کی پوری بحث قرآن اور حدیث اور فقہاء کی عبارتوں سے اس کا ثبوت، مخالفین کے دلائل اور ان کے جوابات ہماری کتاب جاء الحق وزہق الباطل میں دیکھو۔

روح البیان میں ایک حدیث نقل فرمائی، کہ حضور علیہ السلام نے ان صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم لوگ تمام روئے زمین والوں سے افضل ہو، پھر فرماتے ہیں کہ اس بیعت میں حضرت خضر علیہ السلام بھی شریک تھے۔ کیونکہ وہ اپنے وقت کے نبی ہیں، اور صحابہ کرام نبی سے افضل نہیں ہوسکتے اس لئے ماننا پڑے گا کہ وہ بھی اس بیعت میں شریک تھے، کیونکہ وہ زمین پر ہیں اور زندہ ہیں۔

آیت ۳۷۔ هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ الآیۃ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ پورا رکوع، پارہ ۲۶، سورہ فتح، رکوع ۴۔ وہ وہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل، تو ان کو دیکھے گا رکوع کرتے سجدہ کرتے اور اللہ کا فضل اور رضا چاہتے ہیں۔

یہ آیت بھی حضور علیہ السلام کی اعلیٰ نعت اور صحابہ کرام کی منقبت ہے۔

اس آیت میں چند مقام غور کے قابل ہیں۔ ایک تو هُوَالَّذِیْ، دوسرے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ تیسرے وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ، یا تو یہ کہو کہ هُوَالَّذِیْ میں رب تعالیٰ نے اپنی پہچان کرائی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں اپنے حبیب کی، اور وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ میں صحابہ کرام کی، یا یوں کہو، کہ

رب العالمین نے اپنی پہچان کرائی محبوب علیہ السلام کے ذریعہ سے، اور محبوب علیہ السلام کی پہچان کرائی بذریعہ صحابہ کرام۔ فرمایا گیا کہ هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ اے مسلمانو! اگر رب تعالیٰ کو جاننا چاہتے ہو، تو اس طرح پہچانو کہ رب وہ ہے جس نے ایسے رسول علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ بلاتشبیہ یوں سمجھو، کہ ایک اعلیٰ درجہ کا کاریگر کہتا ہے، کہ میں وہ ہوں جس نے فلاں عمارت بنائی ہے، یا قابل اُستاذ کہتا ہے کہ میں وہ ہوں جس نے فلاں شاگرد کو قابل بنایا، اگر میری قابلیت علمی دیکھنا ہے، تو میرے فلاں شاگرد کو دیکھو، کہ میرے علم و ہنر کا نمونہ ہے۔ دستِ قدرت بھی آج اس انوکھے اور نرالے بندۂ خاص پر ناز فرماتا ہے، کہ اگر میری قدرت، میرا علم، میری سخاوت میرا کرم غرضکہ میری تمام صفات کا نظارہ کرنا ہے، تو میرے محبوب علیہ السلام کو دیکھ لو، کہ یہ مظہر ذات ہیں، اس کی تفصیل میں بہت طول ہے۔

یا یوں سمجھو کہ آفتاب کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی، لیکن اگر رنگین شیشہ میں سورج کا عکس لیا جاوے، اور اس شیشہ میں نظر کی جاوے، تو جمالِ آفتاب نظر آتا ہے، یہ ذات پاک بھی قدرت الٰہی دیکھنے کا گہرے رنگ والا شیشہ ہے، اس کو دیکھا، تو رب کی صفات کو دیکھا۔

بِالْهُدٰی الآیۃ میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ رب تعالیٰ نے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت یافتہ بنا کر بھیجا یعنی اور بچے تو ماں باپ اُستاد، مشائخ اور ساتھیوں سے مختلف قسم کی ہدایتیں لیتے ہیں۔ مگر حضور نے کسی سے ہدایت نہ لی، رب تعالیٰ نے ہر طرح کی ہدایت دے کر بھیجا، اسی لئے حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرمایا (روح البیان یہ ہی مقام) ہمیشہ حلیمہ دائی کا ایک پستان چوسا، دوسرا اپنے بھائیوں کے لئے چھوڑا، ظہور نبوت سے پہلے نمازیں پڑھیں دوسرے یہ کہ تمہاری ہدایتیں حضور کو عطا فرمائیں، یعنی جسے جو ہدایت ملے گی وہ حضور سے ملے گی حضور کو سرچشمۂ ہدایت بنا کر بھیجا۔ دینِ حق سے مراد یا سچا دین ہے یا مضبوط دین یعنی پچھلے نبیوں کے دین اگرچہ سچے تھے مگر مضبوط نہ تھے، لہٰذا منسوخ ہوگئے، حضور انور کا دین سچا بھی ہے، مضبوط بھی کہ کبھی منسوخ نہ ہوگا۔

پھر فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ رسول تو اور انبیاء بھی تھے، مگر یہاں حضور علیہ السلام کو خاص کر کے فرمایا، روح البیان میں ہے کہ چند وجہ سے۔ اولاً تو اس لئے کہ اور انبیاء کرام تو

دنیا میں تشریف لاکر رسول ہوئے، حضور علیہ السلام عالمِ ارواح میں بھی رسول اللہ تھے جب سے رب کی ربوبیت کا ظہور، تب سے رسول اللہ کی رسالت کا اعلان۔

دوسرے اِس لئے کہ اور انبیاء کی نبوت تو دنیا میں چند روزہ رہی، مگر حضور علیہ السلام کی رسالت تاقیامت بلکہ جنت میں بھی کہ وہاں کے ہر پتہ پر لکھا ہے لا الٰہ اِلّا اللہ محمّد رسول اللہ۔

تیسرے اِس لئے کہ اوروں کی نبوت خاص قوم پر، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوّت ہر مخلوق کے لئے۔

چوتھے اِس لئے کہ سب انبیائے کرام خاص خاص معجزات لے کر آئے، حضور علیہ السلام تمام معجزات، کلمۂ محمد کی باریک باتیں ہم مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ کی آیت میں عرض کر چکے ہیں۔

چند باتیں اور سُنو، تمام عالم حضور علیہ السلام کے نور سے بنا ہے، کیونکہ ساری چیزوں کے عدد ۹۲ بنتے ہیں، اور محمد کے عدد بھی ۹۲ ہیں، گورو نانک اِس طرح اس کو ثابت کرتے ہیں ؎

نام لیو جس انچھر کو تو کر و چوگُنا تا ۔ دوؔ ملا ڈ پچگُن کر و کا ٹو بیس بنا

نانک بچے تو نوُ گنے دوؔ اِس میں اور ملا ۔ اِس بدھ ہر کے نام سے نام محمد بنا

یعنی کسی چیز کے عدد نکال لو، اُن عددوں کو چار گُن کر لو، کیونکہ یار چار ہیں، اُس چوگنے میں دوؔ ملا کر پانچ سے ضرب دے دو، کیونکہ یہ پنجتن پاک کا عدد ہے، اور جو حاصل ہوا، اُس میں سے بیسؔ بیسؔ ۳ دفعہ نکال دو، باقی کو نوؔ سے ضرب دے کر دوؔ ملا دو، ۹۲ حاصل ہوں گے۔

مثلاً کسی چیز کے عدد ہیں تین، اس کو چوگنا کیا، تو ہوئے بارہ، دوؔ ملائے، ہوئے چودہؔ، پانچ گُنا کئے، تو ہوئے سترؔ، اس ستر میں سے بیس بیس تین دفعہ نکال دو، تو بچے دسؔ، اس دسؔ کو نوؔ گنا کیا، تو ہوئے نوّےؔ، دوؔ ملائے، ہوئے بانوےؔ، ہر جگہ یہ ہی قاعدہ جاری ہے۔

حضور علیہ السلام کے دو نام ذاتی ہیں۔ احمد یعنی رب کی کماحقہٗ حمد کرنے والے، محمد رب نے اُن کی حمد کی اور تمام مخلوق سے اُن کی حمد کرائی۔

اِس آیت کے ماتحت روح البیان میں ہے کہ محفلِ میلاد کی مجلس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انتہائی تعظیم ہے اور ساری اُمت کا عمل۔

اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات بہت ہیں، لیکن رب تعالیٰ نے اُنہیں یہاں رسالت کی صفت سے یاد فرمایا، اور کلمہ میں بھی یہ ہی وصف رکھا دو وجہ سے، ایک یہ کہ حضور کا تعلق رب سے بھی ہے، اور مخلوق سے بھی، رسول میں ان دونوں تعلقوں کا ذکر ہے یعنی خدا کے بھیجے ہوئے، اور مخلوق کی طرف بھیجے ہوئے، اگرچہ نبی میں بھی یہ بات حاصل ہے، لیکن نبی میں صرف خبر لانا ہے، اور رسول میں خبر ہدایات اور انعامات سب لانے کی طرف اشارہ ہے یہ، دوسرے اس لئے کہ دو بچھڑوں کے ملانے والے رسول ہی ہوتے ہیں۔ جیسے ڈاک کا محکمہ کہ اگر یہ نہ ہوں، تو دو ملک اور دو شہر کٹ جاویں، اسی طرح خالق و مخلوق میں تعلق پیدا کرنے والے رسول ہی ہیں، کہ اگر ان کا واسطہ درمیان میں نہ ہو، تو خالق و مخلوق میں کوئی تعلق نہ رہے، حضور اللہ کے رسول ہیں، کہ اُس کی نعمتیں ہم تک پہنچاتے ہیں، اور ہمارے رسول ہیں کہ ہماری درخواستیں بارگاہ رب میں پیش فرماتے ہیں، اور ہمارے گناہ وہاں پیش کر کے معاف کراتے ہیں، جو کہے کہ ہم خود رب تک پہنچ جائیں گے، وہ درپردہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کا منکر ہے، اگر ہم وہاں خود پہنچ جاتے، تو رسول کی کیا ضرورت تھی۔ رب غنی ہو کر بغیر واسطہ ہم سے تعلق نہیں رکھتا، تو ہم محتاج اور ضعیف ہو کر رب تعالیٰ سے تعلق کیسے رکھ سکتے ہیں، اس لئے ارشاد ہوا وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ میں چار صفات بیان ہوئی ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہنا، کفار پر سخت ہونا آپس میں رحیم و کریم ہونا، رکوع و سجدہ زیادہ کرنا یعنی عابد ہونا، یہ چاروں صفت اللہ کے فضل سے تمام صحابہ کے اندر موجود ہیں۔ مگر چار خلفاء میں ایک ایک وصف کمال درجہ کا ہے صدیق میں ساتھ رہنا، عمر فاروق میں کافروں پر سخت ہونا، عثمان غنی میں رحیم ہونا، مولےٰ علی میں عبادت و زہد رضی اللہ تعالیٰ عنہم، گویا کہ شمعِ نبوت کی لالٹین کے چار شیشے ہیں علیحدہ علیحدہ رنگ والے، اگر نورِ نبوّت دیکھنا ہے، تو اِن رنگ برنگے شیشوں کے ذریعے سے دیکھو، جو شخص ان شیشوں سے علیحدہ ہے وہ نورِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دُور ہے، کیونکہ ممکن تھا کہ رب العالمین اپنے نبی کے ساتھ کے لئے ایسے لوگوں کو خاص کرتا، جو معاذ اللہ ایماندار بھی نہ ہوں، اور پھول کے پاس رہ کر مٹی بھی مہک جاتی ہے، آسمان کا سُورج جس گندی زمین پر روشنی ڈال دے، وہ پاک ہو جاوے، تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس رہنے والے

خوشبودار نہ ہوجاویں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ دونوں جہان کے سورج حقیقی ہیں، اُس سُورج کے پاس بیٹھنے والے کیونکر گندے رہ سکتے ہیں۔ اگر معاذ اللہ یہ حضرات دیندار نہ تھے۔ تو قرآن کے پہنچانے والے مخلوق تک، اور احادیث کے سُنانے والے، دین کی تبلیغ کرنے والے غرضکہ چمنِ مصطفےٰ علیہ السلام کی نگہبانی کرنے والے تو یہ ہی حضرات ہیں، تو کیا قرآن اور اسلام معاذ اللہ بُرے لوگوں کے ہاتھوں میں پھلا پھولا؟

جس آنکھ نے ایمان سے ایک بار بھی جلوۂ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دیکھ لیا، اُس کا درجہ دنیا بھر کے غوث وقطب سے بڑھ گیا، تو جو حضرات سایہ کی طرح ہمیشہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہے، وہ کیا شان رکھتے ہوں گے ؎

خوشا وہ وقت کہ دیدار عام تھا اُس کا ٭ خوشا وہ وقت کہ طیبہ مقام تھا اُس کا

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ایسے رہے۔ کہ ولادت سے پہلے عالمِ ارواح میں ساتھ، دنیا میں، بچپن میں، جوانی میں، سفر میں، وطن میں، ہر جگہ حضور علیہ السلام کے ساتھ، ہجرت اوروں نے تو آگے پیچھے کی، مگر صدیق ہجرت میں بھی ساتھ، غار میں ساتھ، جس کو قرآن فرمارہا ہے کہ ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ ؎ قرآن نے صدیق اکبر کی صحابیت اور اُن کا یارِ غار ہونا بیان کیا ہے، آج ہماری اُردو میں بھی کہتے ہیں، کہ فلاں تو میرا یارِ غار ہے، یارِ غار اسی جگہ سے لیا گیا۔ کہ صدیق اکبر نے غار میں حقِ رفاقت ادا کیا۔

وفات میں ساتھ اس طرح، کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ہوئی، تو آپ کی عمر شریف ۶۳ سال کی تھی، صدیق اکبر دو سال اور چند ماہ عمر میں چھوٹے تھے، وہ ہی زمانہ پورا فرماکر جب ۶۳ سال کو پہنچے تو وفات پائی۔

طریقۂ وفات میں ساتھ، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات زہر سے ہوئی، جو خیبر میں ایک یہودی عورت نے کھلایا تھا، صدیق کی وفات بھی زہر سے ہوئی، کہ سانپ نے غار میں کاٹا تھا، آج وہ زہر لوٹ آیا۔

نیز صحیح روایت میں ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دولتخانہ میں وفات کی رات چراغ کے لئے تیل نہ تھا، اور صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت نہ گھر میں کفن، نہ کفن کے لئے دام، چنانچہ اُن ہی استعمالی کپڑوں میں کفن کیا گیا دھوکر (دیکھو اسماء الرجال)۔ پھر بعد وفات شریف قیامت تک کے لئے قبر میں محبوب کے دامن میں جاکر سوگئے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ؎

آں امن الناس بر مولائے ما ٭ آں کلیم اول سینائے ما

حضرت فاروق کفار پر کیسے سخت۔ حدیث پاک میں آتا ہے، کہ عمر جس راہ سے شیطان تم کو جاتا ہوا دیکھ لیتا ہے، تو وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ غزوۂ بدر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے ہوئی، کہ سارے قیدی کفار قتل کر دیئے جاویں، اُن کی رائے کی تائید قرآن کریم نے فرمائی، عبداللہ ابن ابی منافق کے جنازے کے لئے حضرت عمر کی رائے ہوئی، کہ اُس کی قبر پر نہ جایا جاوے، اور نماز جنازہ نہ پڑھی جاوے، آیت نے اُس ہی کی تائید کی۔

آج بھی جو شخص "یا عمر" اپنے سینے پر اُنگلی سے لکھ کر سوئے، تو رات کو شیطانی خوابوں اور بذریعہ خواب احتلام سے محفوظ رہے۔

حضرت عثمان غنی قرآن جمع فرماکر سارے مسلمانوں پر احسان کر گئے، مدینہ شریف میں پانی کی بہت کمی تھی، میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا، اُس کا مالک بہت مہنگا پانی فروخت کرتا تھا۔ وہ خرید کر وقف فرمادیا، تاقیامت حاجی اُس کا پانی پیتے رہیں گے، گویا آپ ساقیٔ حجاج ہیں۔ اس کنوئیں کا نام بیر رومہ ہے، اور وہ آپس میں ایسے رحیم و کریم کہ مدینہ پاک میں شہید ہوئے تو ایسے کہ کسی کو اپنے ہاتھ سے نہ مارا، اور نہ اپنے کسی غلام کو جنگ کی اجازت دی، اپنے زمانہ میں مسلمانوں کو مال و دولت سے مالا مال کر دیا، حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے عابد و زاہد کہ پیدائش بھی ہوئی، تو خانہ کعبہ میں ہی ہوئی، ہم نے عرض کیا ہے ؎

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت ٭ بکعبہ ولادت بہ مسجد شہادت

بنا اس واسطے اللہ کا گھر جائے پیدائش ٭ کہ وہ اسلام کا کعبہ تھا یہ ایمان کا کعبہ

آپ شریعت و طریقت کا مجمع، اولیاء اللہ کو ولایت تقسیم فرمانے والے ہیں، آپ ہی نسل مصطفےٰ علیہ السلام کے نخل کی اصل ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ان کے گھر میں اور انہوں نے حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دولتخانہ میں پرورش پائی، سارے اولیاء اللہ انہی کے دروازے سے فیض لینے والے ہیں، اسی لئے اولیاء اللہ حضرت علی کے دلدادہ اور آپ پر شیدا ہوتے ہیں. کہ ولایت کا ٹکڑہ انہی کے ہاتھوں سے پاتے ہیں. ہر چیز اپنے محسن پہ فدا ہوتی ہے، کُتا اپنے مالک کے پیچھے دُم ہلاتا ہے ؎

ہو چشتی قادری یا نقشبندی سہروردی ہو ٭ ولایت کا انہی کے ہاتھ سے سب کو ملا ٹکڑا

غرضکہ ہر پھول کا رنگ و بو علیٰحدہ علیٰحدہ ہے ٭

رب تعالیٰ نے اِس آیت میں صحابہ کرام کو کھیتی سے تشبیہ دی، نہ کہ باغ سے، تین وجہ سے ایک یہ کہ کھیتی پر مخلوق کی زندگی کا دارومدار ہے، باغ پر نہیں. کیونکہ پھل لذّت کے لئے کھائے جاتے ہیں، مگر غلّہ سے روزہ افطار ہوتا ہے. لٰہذا سارا عالم اپنی ایمانی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا محتاج ہے ٭ دوسرے اس لئے کہ باغ پر مالک کی ہر وقت نگاہ نہیں رہتی، صرف پھل کے موسم میں اُس کی نگرانی کرتا ہے، لیکن کھیت کی نگرانی ہمیشہ رہتی ہے، صحابہ کرام کی جماعت وہ ہے، جس پر ہمیشہ رب تعالیٰ کی نظرِ رحمت ہے ٭ تیسرے اس لئے کہ کھیت کٹتا رہتا ہے، پھر بڑھتا رہتا ہے، اسی طرح صحابہ کرام شہید ہوتے رہے، مگر بڑھتے رہے. یزید نے یہ سارا کھیت کاٹ ہی ڈالا صرف زاہد بیمار کو چھوڑا، دیکھو آج کتنے سیّد ہیں ٭

آیت ۴۷ - یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ

پارہ ۲۶، سورۃ الحجرات، رکوع ۱ ٭ اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سُنتا جانتا ہے ٭ اے ایمان والو! اپنی آوازیں اُونچی نہ کرو اُس نبی کی آواز سے، اور اُن کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو، کہ کہیں تمہارے عمل برباد نہ ہو جاویں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو ٭

یہ آیت کریمہ بھی حضور سیّد عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت شریف ہے، اور اس میں مسلمانوں کو اُس بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضری دینے کے قواعد سکھائے گئے ہیں۔ اگرچہ اب مسلمانوں کو اُس بارگاہ کی حاضری نصیب نہیں. مگر یہ آیات برابر رکھی گئیں، دو وجہ سے: اوّلاً یہ کہ مسلمان یہ عقیدہ رکھیں کہ اس بارگاہ کا یہ ادب ہے. دوسرے یہ کہ بعد وفات شریف بھی یہ ہی آداب باقی ہیں، کہ جو بھی اس آستانہ پر حاضر ہو، یہ ادب ملحوظ رکھے، اور دینی و دنیاوی باتوں میں اپنی رائے کو حکم عالی پر مقدّم نہ کرے ٭

اِس آیت میں تین چیزوں سے مسلمانوں کو منع فرمایا گیا ہے:-

(۱) اللہ اور اُس کے رسول سے آگے نہ بڑھو ٭

(۲) اپنی آوازیں رسول علیہ السلام کی آواز مبارک پر اُونچی نہ کرو ٭

(۳) اُن کے بارگاہ میں چلّا کر بات نہ کرو ٭

ان کی شانِ نزول علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں. پہلی آیت یعنی لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کی شانِ نزول کے بارے میں چند قول ہیں، مجاہد اور حسن تو فرماتے ہیں، کہ بعض لوگوں نے عید الضحٰے کے دن قربانی حضور علیہ السلام سے پہلے کر لی تھی، اس سے منع فرما دیا گیا، کہ ہمارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آگے نہ بڑھو ٭

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے، کہ بعض لوگ رمضان سے پہلے شک کے دن روزہ رکھ لیا کرتے تھے، اُس سے منع فرما دیا گیا، اگر ۲۹ شعبان کو چاند نظر نہ آئے غبار وغیرہ کی وجہ سے، اور شک ہو کہ چاند ہوا یا نہیں، تو اس کی صبح کو روزہ رکھنا عام مسلمانوں کو منع ہے ٭

حضرت قتادہ کا قول ہے کہ بعض کہا کرتے تھے. کہ کاش ایسی آیت آتی، ایسے احکام آ جاتے، اُس کی ممانعت کے لئے یہ آیت آئی ٭

حضرت حسن سے روایت ہے کہ بعض باہر سے آنے والے لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوالات بہت کیا کرتے تھے، اس سے روکنے کے لئے یہ آیت آئی (روح البیان وتفسیر خزائن العرفان) ٭

شانِ نزول کچھ بھی ہو، مگر یہ حکم سب کو عام ہے، یعنی کسی بات میں، کسی کام میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آگے ہونا منع ہے، اگر حضور علیہ السلام کے ہمراہ راستہ میں جا رہے ہوں، تو آگے آگے چلنا منع ہے، مگر خادم کی حیثیت سے یا کسی ضرورت سے اجازت لے کر، اگر ساتھ کھانا ہو، تو

پہلے شروع کر دینا ناجائز۔ اسی طرح اپنی عقل اور اپنی رائے کو حضور علیہ السلام کی رائے سے مقدم کرنا حرام ہے۔ **مشکوٰۃ** باب مَاعَلَی الْمَامُوْمِ میں ہے کہ مرضِ وفات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰے عنہ کو امامت فرمانے کا حکم دیا، ایک روز عین نماز کی حالت میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، حضور علیہ السلام تشریف لے آئے، اسی وقت سے صدیقِ اکبر مقتدی ہو گئے اور حضور علیہ السلام امام۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں کسی کو بھی امام ہونے کا اختیار نہیں، اور اگر درمیان میں حضور علیہ السلام تشریف لے آویں، تو پہلے امام کی امامت منسوخ ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ بھی حضور علیہ السلام سے آگے بڑھنے میں داخل ہے، ہاں اگر حضور علیہ السلام ہی اجازت دے دیں، کہ تم امام بنے رہو، تو اب حضور علیہ السلام کی اجازت سے امام رہنا جائز ہوا، جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف پر گذرا۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہوا، کہ عین کی حالت میں حضور علیہ السلام کا خیال کرنا، اور اُن کا ادب کرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا بلکہ کامل تر بناتا ہے۔

لطف یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ و رسول کا ذکر ہے، کہ اللہ و رسول کے آگے نہ بڑھو، حالانکہ رب تعالیٰ سے آگے ہونا غیر ممکن ہے، کہ وہ نہ زمانہ میں ہے نہ کسی مکان میں، اور آگے ہونا یا زمانہ میں ہوتا ہے یا جگہ میں، معلوم ہوا کہ آیت کا مقصد یہ ہے، کہ رسول اللہ سے آگے نہ ہو، اُن کی بے ادبی دراصل رب تعالیٰ کی بے ادبی ہے، ع :-

جو ہو مردود اُس در کا وہ مردودِ خدا ٹھیرے

نوٹ ضروری: اِس سے روح البیان نے ثابت کیا، کہ مشائخ اور علماء اور مرشد کے آگے آگے چلنا، کلام میں اُن سے آگے رہنا محرومی کا باعث ہے، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار صدیق رضی اللہ عنہ کے آگے چل رہا تھا، حضور علیہ السلام نے دیکھا، تو فرمایا کہ اے ابو الدرداء! کیا تم اس کے آگے چلتے ہو جو تم سے بلکہ ساری دنیا سے افضل ہے؟ (روح البیان)۔

دوسرا حکم ہوا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اپنی آوازوں کو نبی علیہ السلام کی آواز پر اونچا نہ کرو، اس کی شانِ نزول یہ ہے، کہ ایک حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یا حبیب اللہ اقرع ابن حابس کو اُن کی قوم کا عامل بنا دیا جاوے، حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ بلکہ قعقاع ابن معبد کو عامل بنایا جاوے۔

اِس گفتگو میں ان حضرات کی آوازیں بلند ہو گئیں، تب یہ آیت نازل ہوئی، پھر تو ان دونوں حضرات کا یہ حال تھا کہ اس قدر آہستہ کلام عرض کرتے تھے، کہ حضور علیہ السلام چند بار دریافت فرماتے تھے کہ کیا کہتے ہو (روح البیان)۔

تفسیر خزائن العرفان میں فرمایا کہ یہ آیت حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس کے بارے میں نازل ہوئی، کہ اُن کو ثقلِ سماعت (اُونچا سُننا) کا مرض تھا، اس لئے اُن کی آواز کچھ اُونچی ہو جایا کرتی تھی، غرض کچھ بھی ہو، قرآن نے بارگاہِ مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ادب سکھایا، کہ وہاں اُونچی آواز نہ نکالو۔ اب بھی حاجیوں کو حکم ہے، کہ جب روضۂ پاک پر حاضری نصیب ہو، تو سلام بہت آہستہ کریں، اور کچھ دُور کھڑے ہوں، بلکہ بعض فقہاء نے تو حکم دیا ہے کہ جب حدیث پاک کا درس ہو رہا ہو، تو وہاں دوسرے لوگ بلند آواز سے نہ بولیں۔ کہ اگرچہ بولنے والا اور ہے۔ مگر کلام تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے (روح البیان)۔

تیسرا حکم ہے لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ الآیۃ یعنی اُن کے حضور میں ایسے کلام نہ کرو، جس طرح کہ ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ اِس سے معلوم ہوا، کہ حضور علیہ السلام کو نام پاک لے کر یا بشر کہہ کر یا بھائی یا باوا یا چچا کہہ کر پکارنا حرام ہے، حضرت عباس رشتہ میں حضور علیہ السلام کے چچا ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ زوجہ۔ صدیق و فاروق خسر، مگر یہ حضرات جب بھی روایت کرتے ہیں تو یہ نہیں فرماتے کہ میرے بھتیجے یا میرے داماد یا میرے شوہر نے یہ فرمایا، بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کی تحقیق ہم اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں کر چکے ہیں۔

غرضکہ یہ آیت کریمہ نعتِ مصطفٰے ہے۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔

آیت ۷۵۔ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ پارہ ۲۷، سورۂ النجم، رکوع ۱۔ اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم، جب یہ معراج سے اُترے، تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے،

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں، وہ تو نہیں مگر وحی جو اُن کو کی جاتی ہے ٭

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی چمکتی ہوئی نعت پاک ہے، اِس میں چند کلمات قابل غور ہیں اولاً وَالنَّجْمِ ۔ دوسرے مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ، تیسرے وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ٭

مفسرین کا اِس میں اختلاف ہے، کہ النجم سے کیا مراد ہے، اور ھَوٰی سے کیا مقصود ؟ نجم عربی زبان میں ستارے کو بھی کہتے ہیں، اور بیل کو بھی یعنی وہ درخت جو زمین پر بچھے ہوئے ہوتے ہیں۔ جیسے کدّو کا درخت، بعض مفسرین نے تو فرمایا، کہ نجم سے مراد آسمان کا تارا ثریّا وغیرہ ہے، اور ھوٰی سے مراد ہے قریب غروب ہونا جس طرح کہ پروردگار عالم نے دنیا کی اور چیزوں کی قسم فرمائی انجیر کی، طور سینا کی، پہاڑ کی، اسی طرح یہ بھی ایک قسم ہے۔ بعض نے فرمایا کہ نجم سے مراد بچھے ہوئے درخت ہیں۔ اور بعض نے فرمایا کہ نجم سے مراد ذاتِ سرکار ابد قرار صلے اللہ علیہ وسلم ہے، کیونکہ نجم کا کام ہے ہدایت دینا مسافروں کو، دریا میں بھی اور جنگل میں بھی (پہلے زمانہ میں قطب نما نہ تھے، تاروں سے ہدایت لیتے تھے) یہ ذاتِ کریم بھی ہادیٔ خلق ہیں، ھوٰی سے مراد ہے معراج سے واپس تشریف لانا، اور لوٹنا جانے کے بعد ہوتا ہے، لہٰذا معراج جسمانی آسمان تک قرآن سے ثابت ہوئی، بعض لوگوں نے فرمایا، کہ نجم سے مراد صحابہ کرام ہیں، یا علمائے اُمت یا مشائخ کرام، کیونکہ ان کے لئے فرمایا گیا اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ میرے صحابہ کرام تاروں کی طرح ہیں، اور ھوٰی سے مراد ہے بعد وفات شریف قبروں میں دفن ہونا (روح البیان) لہٰذا صحابہ کرام اور علمائے دین کی قبروں کی قسم فرمائی گئی ہے، معلوم ہوا کہ یہ قبریں بہت معظم ہیں، جیسے فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ سے بعض حضرات نے قبور صحابہ کرام و علماء و اولیاء مراد لی ہیں ٭

مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی سے حضور علیہ السلام کی عصمت اور گناہوں اور بدعقیدگیوں سے پاک ہونا بیان فرمایا گیا، ہم نے اس مسئلہ کی اپنے رسالہ قہر کبریا بر منکرین عصمتِ انبیاء میں مکمل بحث کی ہے، تمام انبیاء بعد نبوت گناہ سے پاک ہیں، مگر ہمارے حضور علیہ السلام نے نبوت سے پہلے اور نبوّت کے بعد کبھی بھی گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا، اس آیت میں اسی کا ثبوت ہے۔ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی میں جو ضَآلًّا فرمایا گیا، اس کے معنے گمراہی نہیں ہیں، جیسے کہ ہم نے رسالہ قہر کبریا میں تحقیق کی۔ اور اس کتاب میں بھی وَالضُّحٰی میں اِس کی بحث کریں گے ٭

خیال رہے کہ مَا ضَلَّ ماضی مطلق ہے، جس میں قریب یا دور کی قید نہیں ہوتی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد نبوّت اور نبوّت سے پہلے کبھی بھی یہ فعل آپ سے سرزد نہ ہوئے ٭

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی میں فرمایا گیا کہ ہمارے نبی اپنی خواہش سے کلام بھی نہیں فرماتے جو کچھ فرماتے ہیں وہ رب کی وحی ہوتی ہے، اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضور علیہ السلام نے اپنے کو بحرِ توحید میں اِس طرح فنا کر دیا، کہ جو بات اُن کے منہ سے نکلتی ہے، تو زبان تو محبوب کی ہوتی ہے، مگر کلام رب کا، اس کی تحقیق ہم وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ میں کر چکے ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ جو منہ سے بولتے ہیں وہ یا تو قرآن ہوتا ہے یا حدیث اور دونوں وحی، قرآن تو وحی جلی جس کی تلاوت نماز میں جائز ہے، اور حدیث وحی خفی جس پر سارے احکام کلام الٰہی کے جاری ہیں، بجز تلاوت کے اس کی بحث بھی تفصیل سے اوپر ہو چکی ہے ٭

ہاں دو سوال پڑیں گے، ایک تو یہ کہ بعض موقعوں پر حضور علیہ السلام نے کچھ فیصلہ فرما دیا اور بعد میں حکم الٰہی اُس کے خلاف آیا، جیسے بدر کے قیدیوں کے متعلق ہوا، دوسرے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کَلَامِیْ لَا یَنْسَخُ کَلَامَ اللّٰهِ کہ ہمارا کلام رب کے کلام کو نسخ نہیں کر سکتا۔ (مشکوٰۃ کتاب العلم) اِس کا مطلب محدثین فرماتے ہیں کہ کَلَامِیْ سے مراد وہ کلام ہے جو اپنی رائے سے ہو، تو اب سوال یہ ہوا، کہ جب ہر بات حضور کی وحی الٰہی ہے، تو اب یہ حکم اس کے لئے کیوں اِن دونوں سوالات کے جوابات ہم نے قہر کبریا میں تفصیل سے دیئے ہیں، وہاں مطالعہ کرنا چاہیئے ٭

آیت ۷۶۔ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ○ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ○ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ○ پارہ ۲۷، سورۃ النجم، رکوع ۱ ٭ دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا تو کیا تم اُن سے اُن کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو، اور اُنہوں نے تو دوبارہ دیکھا سدرۃ المنتہٰی کے پاس ٭

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے، اِس میں کچھ دیکھنے کا ذکر ہے، پہلی آیتوں میں تو فرمایا گیا تھا کہ اُن کی زبان ہمارا کلام ہی بولتی ہے، اس میں فرمایا گیا کہ اُن کی آنکھ نے ہم کو دیکھا، اِس آیت میں معراج کا ذکر ہو رہا ہے ٭

اِس آیت کے مقصد میں مفسرین کا بڑا اختلاف ہے، کہ وَلَقَدْ رَاٰہُ میں ہٗ سے کیا مراد ہے یعنی محبوب نے اُس کو دیکھا، بعض نے کہا کہ حضرت جبریل کو دیکھا یعنی کسی پیغمبر نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اُن کی اصلی شکل میں نہ دیکھا، صرف ہمارے حضور علیہ السلام نے دوبار اُن کو اُن کی اصلی شکل میں دیکھا، اس کے سواء شکل انسانی میں آتے تھے، اس کا یہاں ذکر ہے بعض نے فرمایا کہ اپنے رب کو دیکھا، جنہوں نے رب کے دیکھنے کا قول کیا ہے۔ وہ دو جماعتیں ہیں بعض تو کہتے ہیں کہ دِل سے دیکھا، بعض کہتے ہیں کہ نہیں آنکھ سے رب کے جمال کو دیکھا، یہ تیسرا قول ہی زیادہ صحیح ہے، دل سے دیکھنا حضرت ابنِ عباس مانتے ہیں (مسلم) اور سر کی آنکھ سے دیکھنا حضرت انس ابن مالک اور حسن اور عکرمہ (تفسیر خزائن العرفان) ۔

روح البیان نے فرمایا، کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں، رب تعالیٰ نے موسٰے علیہ السلام کو اپنے کلام سے اور ہم کو اپنے دیدار سے مشرف فرمایا ۔

مذہب اہلِ سنت یہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے رب کو بچشم سر دیکھا، حسن بصری قسم کھا کر فرماتے ہیں۔ کہ معراج میں حضور علیہ السلام نے رب کو دیکھا، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں، کہ حضور علیہ السلام نے رب کو دیکھا، رب کو دیکھا، رب کو دیکھا، یہاں تک فرمایا، کہ آپ کی سانس بند ہوگئی (روح البیان یہی آیت) ۔

مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا رَاَیْتُ رَبِّیْ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ میں نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا، اِس کی شرح مرقات میں اسی جگہ ہے، کہ ظاہر یہ ہے، کہ حضور نے بچشم سر بیداری میں شبِ معراج میں دیکھا، یہ ہی زیادہ صحیح ہے، اِس کی کوئی دلیل نہیں کہ یہاں خواب میں دیکھنا مراد ہے ۔

حضرت وکیع کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے رب کو دوبار دیکھا (روح البیان زیر آیت عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی) غرضکہ ترجیح اسی قول کو ہے کہ حضور علیہ السلام نے رب کو دیکھا، اِس کی پوری تحقیق شفا شریف اور مواہب لدنیہ میں دیکھنا چاہیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس دیدار کا سخت انکار فرماتی ہیں، اور فرماتی ہیں رب تعالیٰ تو فرماتا ہے لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ اُس کو آنکھیں نہیں پا سکتیں، تو کس طرح دیدار الٰہی ممکن ہے؟ لیکن حضرت ابن عباس و دیگر اکابر کی روایات بیان کی جا چکیں، حضرت صدیقہ کا یہ قول اپنے اجتہاد سے ہے، کوئی روایت پیش نہیں فرماتیں۔ اور حضرت ابن عباس کی روایت ہے، اور روایت کے مقابلہ میں اجتہاد کو نہیں اختیار کیا جاتا، اس آیت کے معنے بالکل ظاہر ہیں۔ کہ اس دنیا میں رب کو ان آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن معراج میں تو دنیا ہی دوسری تھی۔ آخر قیامت میں، جنت میں سب مسلمانوں کو دیدار ہوگا ۔

حضرت صدیقہ تو معراج جسمانی کا آسمان کی طرف انکار فرماتی ہیں، مگر یہ کسی نے بھی نہ مانا، کیونکہ اُن کا یہ فرمان اپنے اجتہاد کی بنا پر ہے، وہ فرماتی ہیں، کہ جس رات معراج ہوئی، اُس رات حضور علیہ السلام میرے مکان میں جلوہ گر تھے، جسم پاک گم نہ ہوا، معراج جسمانی کیسی؟ مگر یہ معراج جسمانی جب ہوئی، تب تو حضرت عائشہ صدیقہ حضور علیہ السلام کے نکاح میں نہ آئی تھیں، وہ تو اُمِّ ہانی بنت ابی طالب کے گھر سے ہوئی ۔

روح البیان میں زیر آیت عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی ہے، کہ معراج حضور علیہ السلام کو کُل ۳۴ بار ہوئی۔ جن میں سے ایک بیداری میں جسمی اور باقی خواب میں روحانی، صلے اللہ تعالیٰ علیہ و علےٰ آلہٖ و اصحابہٖ و بارک وسلم ۔

آیت ۷۷ ۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ پارہ ۲۷، سورۂ قمر، رکوع ۱، قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہوگیا ۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔ اور اس میں حضور علیہ السلام کے دو صفتوں کا بیان ہے، ایک تو قیامت قریب ہونا، دوسرے چاند شق ہو جانا، قیامت قریب ہونے کے معنے تو یہ ہیں۔ کہ اور انبیاء کے زمانہ میں کسی نہ کسی نئے نبی کی آمد کا انتظار تھا، مگر اب اللہ کے آخری نبی حضور علیہ السلام تشریف لے آئے، اب صرف قیامت ہی کا انتظار ہے، یا یوں کہو کہ حضور علیہ السلام کا زمانۂ حکومت قیامت تک ہے، کہ کبھی بھی آپ کا دین، آپ کا قرآن منسوخ نہ ہوگا ۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ ط ہم اور قیامت اِن دو ملی ہوئی انگلیوں کی طرح ہیں۔ یعنی ہم میں اور قیامت میں کوئی نیا نبی درمیان میں نہیں (بخاری کتاب الرقاق باب قول النبی بعثت) قیامت تک حضور ہی کا زمانہ ہے، چاند پھٹنے کا وہ قصہ ہے جو خرپوتی نے شرح

قصیدہ بردہ میں نقل فرمایا۔ کہ ابوجہل نے والیٔ یمن حبیب ابن مالک کو لکھا، کہ تیرا دین مٹایا جارہا ہے جلد آ، حبیب یہ پیغام پاکر فوراً مکہ مکرمہ آیا، ابوجہل نے حضور علیہ السلام کے متعلق بہت سی غلط باتیں کہیں، ابوجہل کا مقصد یہ تھا کہ حبیب کا اہل مکہ پر اچھا اثر ہے، یہ لوگوں کو سمجھا دے، کہ یہ دین قبول نہ کریں، حبیب نے کہا کہ دونوں فریق کی گفتگو سُن کر فیصلہ کیا جاتا ہے، مَیں چاہتا ہوں، کہ حضور علیہ السلام کا بھی کلام سُن لوں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ مَیں یمن سے آیا ہوں اور دیدار کرنا چاہتا ہوں ۔

حضور علیہ السلام مع صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُس مجلس میں تشریف لے گئے، جب پہنچے، تو تمام مجلس میں ہیبت چھاگئی، اور کسی کو کچھ عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی، آخر حضور علیہ السلام نے خود ہی دریافت فرمایا، کہ تم کیا دریافت کرنا چاہتے ہو؟ حبیب نے ہمّت کرکے عرض کیا، کہ حضور نے دعویٰ نبوت فرمایا، اور نبوّت کے لئے معجزہ ضروری ہے، فرمایا جو تو کہے وہ معجزہ دکھایا جاوے، عرض کیا کہ مَیں تو آسمان کا معجزہ چاہتا ہوں، پھر یہ پوچھنا چاہتا ہوں، کہ میرے قلب میں تمنا کیا ہے؟ فرمایا، چل! کوہِ صفا پر تشریف لے جاکر پورے چاند کو اشارہ کیا، چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے، یہاں تک کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اُس طرف اور ایک دوسری طرف ؎

سُورج اُلٹے پاؤں پلٹے، چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

پھر فرمایا، کہ اے حبیب! دوسری بات بھی سُن! تیرے ایک لڑکی ہے، ہمیشہ بیمار رہتی ہے، ہاتھ پاؤں سے معذور ہے، تُو چاہتا ہے کہ اُس کو شفا ہو جائے ۔ اُس کو بھی شفا ہوئی، یہ سُنتے حبیب بے اختیار پکار اُٹھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، جب گھر پہنچے، تو رات کا وقت تھا، دروازے پر آواز دی، وہ معذور لڑکی جو زمین سے اُٹھ نہ سکتی تھی اُٹھ کر آئی، اور دروازہ کھولا، باپ کو دیکھ کر پڑھنے لگی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، حبیب نے پوچھا کہ بیٹی! تُو نے یہ کلمہ کہاں سے سُنا؟ تو کہنے لگی ؎

اک ماہِ مدن، گورا سا بدن، نیچی نظریں، کُل کی خبریں
دکھلا کے پھبن، وہ سُنا کے سخن، مورا پھونک گئے سب تن من دھن
وہ دکھا کے شکل جو چل دیئے تو دِل اُن کے ساتھ رواں ہُوا
نہ وہ دل رہا، نہ وہ دِلرُبا، رہی زندگی، سو وبال ہے

کہا، مَیں نے خواب میں ایک چاند سی صورت والے کو دیکھا، جو فرماتے ہیں، کہ بیٹی تیرے باپ تو مکہ میں آکر مسلمان ہوئے، اور تُو یہاں کلمہ پڑھ لے، تو تجھ کو ابھی شفا ہو جاوے، مَیں جو صبح کو اُٹھی، تو کلمہ زبان پر جاری تھا، اور ہاتھ پاؤں سلامت تھے ۔

تقریباً تمام جلیل القدر صحابہ کرام اور عام مفسّرین کا یہ ہی فرمان ہے، کہ چاند کے چِرنے کا واقعہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہوچکا، اب جو شخص کہے کہ اِس سے مراد ہے کہ قیامت میں چِریگا وہ بد مذہب ہے ۔ حضرت موسٰے علیہ السلام کے لئے دریائے نیل چِر گیا، اور حضور علیہ السلام کی اُنگلی پاک کے اشارے سے چاند چِرا، جس سے معلوم ہُوا کہ حضور علیہ السلام کو تمام انبیاء سے بڑھ کر معجزات عطا ہوئے ۔ صلے اللہ علیہ وعلےٰ آلہٖ واصحابہ وبارک وسلم ۔

آیت ۴۸۔ اَلرَّحْمٰنُ: عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ؕ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ؕ پارہ ۲۷، سورۃ الرحمٰن، رکوع ۱ ۔ رحمان نے اپنے بندے محبوب کو قرآن سکھایا، انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا، اور مَاکَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا اُن کو بیان سکھایا ۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت شریف ہے، اس کے نزول میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب یہ آیت اُتری اُسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ یعنی رحمٰن کو سجدہ کرو، تو کفار مکہ نے کہا کہ رحمٰن کون ہے ہم نہیں جانتے، اِس پر یہ آیت اُتری، کہ تم نہیں جانتے، رحمٰن کون ہے، رحمٰن وہ ہی تو ہے جس نے اپنے محبوب کو قرآن سکھا دیا ۔

دوسرا یہ قول ہے، کہ کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی بشر قرآن سکھاتا ہے، تب یہ آیت اُتری، کہ بشر نہیں سکھاتا، بلکہ خالق بشر رحمٰن قرآن سکھاتا ہے (خازن) یہاں تو معلوم ہُوا، کہ رحمٰن نے سکھایا، یہ بھی معلوم ہُوا کہ قرآن سکھایا، یہ نہ معلوم ہُوا کہ کس کو سکھایا، مفسّرین فرماتے ہیں، کہ مراد یہ ہے کہ اُن ہی کو سکھایا جن پر یہ قرآن اُتارا ۔

فائدہ: اس سے حضور علیہ السلام کے علم کا مسئلہ بھی حل ہوگیا، اگر شاگرد میں علمی نقصان رہے، تو اس کی تین ہی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو اُستاد ناقابل یا بخیل ہو، یا جو کتاب

پڑھاتی وہ ناقص تھی، یا پڑھنے والا شاگرد نااہل تھا، چوتھی وجہ ہوسکتی ہی نہیں۔ یہاں رب تعالیٰ تو پڑھانے والا، اور محبوب علیہ السلام پڑھنے والے، اور کتاب قرآن کریم جس میں سارے علم موجود ہیں۔ پھر علم مصطفےٰ علیہ السلام کیوں کامل نہ ہوا، بتاؤ ان تین میں ناقص کون ہے؟ جب رب بھی کامل استاذ، محبوب علیہ السلام کامل شاگرد، کتاب کامل قرآن، پھر علم کیوں ناقص؟

دوسرا فائدہ: اس سے معلوم ہوا، کہ رسول علیہ السلام تمام پیغمبروں اور تمام مخلوق سے افضل و اعلےٰ ہیں۔ کیونکہ قرآن نے خبر دی، کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتائے داؤد علیہ السلام کو زِرہ بنانا سکھایا، عیسےٰ علیہ السلام کو طب کا علم سکھایا، فرمایا وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور خضر علیہ السلام کو علم لدنی سکھایا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا، حضرت یوسف علیہ السلام کو تعبیر خواب کا علم سکھایا وَیُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ، مگر محبوب علیہ السلام کو قرآن سکھایا، جو ان سب سے بہتر اور اعلےٰ ہے، اور تمام اگلے پچھلے واقعات سکھائے، جس کو قرآن نے بیان فرمایا وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ۔

تیسرا فائدہ: اس سے یہ حاصل ہوا، کہ حضور علیہ السلام بلاواسطہ رب تعالیٰ کے شاگرد ہیں نہ کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے، حضرت جبریل علیہ السلام تو درمیان حبیب و محبوب قاصد ہیں، بلکہ خود قرآن لے کر آتے ہیں، مگر اسرار سے ناواقف ہوتے ہیں۔

روح البیان نے کٓھٰیٰعٓصٓ کی تفسیر میں لکھا ہے، کہ حضرت جبریل نے کہا کٓ، حضور نے فرمایا، میں سمجھ گیا، پھر عرض کیا ھٰ، فرمایا، میں سمجھ گیا، عرض کیا یا، فرمایا، میں سمجھ گیا، عرض کیا عٓ، فرمایا میں سمجھ گیا، عرض کیا صٓ، فرمایا، سمجھ گیا، جبریل امین حیران رہ گئے، کہ میں تو کچھ بھی نہ سمجھا، آپ نے کیا سمجھا۔

میان عاشق و معشوق رمزیست ۔ کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

چوتھا فائدہ: یہ حاصل ہوا، کہ یہ نہ معلوم ہوا، کہ کب سکھایا، ظاہر یہ ہے کہ ازل میں سکھایا، سکھانے کا وقت تو وہ تھا، مگر اس کے ظہور کا وقت یہ ہوا (روح البیان)۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ میں انسان سے مراد ذات گرامی جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ کیونکہ مطلق سے مراد فرد کامل ہوتی ہے، اور عَلَّمَهُ الْبَيَانَ میں بیان سے مراد ہے تمام مَا کَانَ وَمَا یَكُوْنُ یعنی اگلے پچھلے واقعات کا علم ہے۔ تو آیت کے یہ معنے ہوئے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا، اور ان کو سارے علوم سکھائے (خازن و خزائن العرفان)۔

لہٰذا اس آیت کا ایک ایک کلمہ نعت رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔

آیت ۷۹ - یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ

پارہ ۲۷، سورۂ حدید، رکوع ۴۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ وہ اپنی رحمت سے تم کو دو حصے عطا فرما دے گا۔

یہ آیت کریمہ بھی نعت مصطفےٰ علیہ السلام ہے، اس میں ایمان والوں سے مراد اہل کتاب یعنی یہود اور عیسائی ہیں، جو گذشتہ انبیائے کرام پر ایمان لائے۔ ان کو حکم دیا جارہا ہے، کہ اے اہل کتاب تم ہمارے اس محبوب علیہ السلام پر ایمان لے آؤ، اگر تم نے یہ کر لیا، تو تم کو اوروں سے دوگنا اجر ملے گا، ایک تو اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کا، دوسرے اس نبی آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان لانے کا۔ حدیث پاک میں ہے کہ تین آدمی وہ ہیں جن کو دو حصہ ثواب ملتا ہے، ایک وہ جس کے پاس لونڈی تھی، اس نے اس لونڈی کو اچھی تعلیم دی، پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا۔ دوسرے وہ غلام جو اپنے مولا کی خدمت اور رب کی اطاعت کرتا ہے۔ تیسرے وہ اہل کتاب جو پہلے اپنے نبی پر ایمان لایا، اور بعد میں حضور علیہ السلام پر ایمان لے آیا، ان کو دو حصہ ثواب ملتا ہے

نکتہ: اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اگر عیسائی یا یہودی اسلام قبول کرے، تو وہ صحابہ کرام تو اہل بیت سے افضل ہو جاوے گا، کہ ان کو ایک ثواب اور اس کو دو ثواب، صحابی کا ایک ثواب بھی غیر صحابی کے لاکھ ثوابوں کے برابر نہیں ہوسکتا۔

حدیث پاک میں ہے کہ صحابی تھوڑے جو خیرات کریں، اور کوئی دوسرا مسلمان پہاڑ بھر سونا خیرات کرے، تو صحابی کا ثواب اس سونے والے کے ثواب سے زیادہ ہوگا، نیز ثواب میں زیادہ ہونا اور ہے اور درجہ بڑا ہونا اور، اگر بادشاہ وقت کسی سپاہی سے خوش ہو کر اس کو بڑا انعام دے دے اور وزیر اعظم کو انعام نہ دے، تو اگرچہ کچھ مال تو اس سپاہی کو مل گیا، مگر جو درجہ وزیر کو حاصل ہے وہ اس سپاہی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِهٖ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ۝

آیت ۸۰. لَاتَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَلَوْکَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ ط پارہ ۲۸، سورہ مجادلہ، رکوع ۳ ‌+ تم نہ پاؤ گے اُن لوگوں کو جو یقین نہ رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں اُن سے جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول سے مخالفت کی، اگرچہ وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں ‌۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے، اور مسلمانوں کی پہچان، اِس میں مسلمانوں کی نشانی یہ بتائی گئی، کہ مومن ہرگز نہیں کر سکتا، کہ اللہ و رسول علیہ السلام کے دشمنوں سے محبت رکھے اگرچہ وہ اُس کے خاص اہلِ قرابت ہی ہوں، جس سے معلوم ہوا، کہ اگرچہ ماں باپ کا بہت بڑا حق ہے، مگر حقِ مصطفٰے علیہ السلام کے مقابلہ میں کسی کا کچھ حق نہیں ۔

حضور علیہ السلام کا حکم ہے کہ داڑھی رکھاؤ، ماں کہے یا باپ، یار کہیں یا دوست کہ داڑھی منڈواؤ، ہرگز جائز نہیں کہ منڈا لئے، رب کا حکم ہے نماز پڑھو اور روزہ رکھو، ماں کہے یہ کام نہ کر ماں کی بات ہرگز نہ مانی جاوے گی، کیونکہ اللہ و رسول علیہ السلام کا حق سب پر مقدم ہے، اسی طرح اگر کسی کا بیٹا یا بھائی یا باپ یا ماں کافر ہوں، تو اُن سے محبت، دوستی تمام کی تمام حرام ہیں ۔

اس آیت کی تفسیر صحابہ کرام کی زندگی ہے، چنانچہ حضرت ابو عبیدہ ابن جراح نے جنگِ احد میں اپنے والد جراح کو قتل کیا، حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے فرزند عبدالرحمٰن کو جو اُس وقت کافر تھے مقابلہ کے لئے بلایا، کہ عبدالرحمٰن آؤ! آج باپ بیٹے کے دو دو ہاتھ ہو جائیں، لیکن حضور علیہ السلام نے اُن کو اِس سے روک دیا، حضرت مصعب ابن عمیر نے اپنے بھائی عبداللہ ابن عمیر کو قتل کیا جو کافر تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماموں عاص ابن ہشام کو قتل کیا جو کافر تھا، حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے ربیعہ کے لڑکوں عتبہ اور شیبہ کو جنگِ بدر میں قتل کیا جو اُن کے قرابت دار تھے، خدا اور رسول پر ایمان لانے والوں کو رشتہ داری کا کیا پاس (روح البیان و تفسیر خزائن العرفان) ۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرنے والوں سے میل جول اور محبت رکھنا حرام ہے، اور بے ایمانوں کی نشانی سعادت مند فرزند اپنے باپ کے دشمنوں سے محبت نہیں کرتا، اگر کوئی شخص کسی کی ماں کو گالی دے دے، تو اُس سے بولنا گوارا نہیں کرتا، تو جن پر دونوں جہان میں ماں و باپ قربان ہوں، اُن کی بدگوئی کرنے والوں کے پاس اُٹھنا بیٹھنا اور اُن سے محبت کرنا کیونکر گوارا کیا جا سکتا ہے؟ اِس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں، جو ہر مذہب کے جلسوں اور صحبتوں میں بے دھڑک شرکت کرتے ہیں، خدائے پاک توفیق عطا فرمائے ؎

تا توانی دُور شو از یارِ بد ‌‌٭ یارِ بد، بدتر بود از مارِ بد

مارِ بد تنہا ہمیں بر جاں زند ‌‌٭ یارِ بد بر دین و بر ایماں زند

سانپ تو جان لیتا ہے، اور بُرا یار ایمان لیتا ہے ‌+ دولتمند ڈاکو سے محبت رکھے تو ایک دن اپنی دولت برباد کر دے گا، اسی طرح دولتِ ایمان رکھنے والا اگر بے ایمانوں سے محبت رکھے، تو ایک دن اپنا ایمان کھو دے گا، آج بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں، کہ بُروں کی صحبت میں بیٹھ کر بدمذہب بن گئے ۔

آیت ۸۱- وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ط پارہ ۲۸، سورۂ حشر، رکوع ۱ ، اور جو کچھ تم کو رسول دیں وہ لو، اور جس سے منع فرما دیں باز رہو ۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے مالک ہیں، اور تمام مسلمان اُن کے بندۂ بے زر، اِس سے معلوم ہوا، کہ ایماندار وہ ہے جو حضور علیہ السلام کے ہر حکم کو بے تامل قبول کرے، خواہ اُس کی عقل میں آوے یا نہ آوے، اور خواہ دنیاوی نفع اس میں معلوم ہو یا نہ ۔

سُود سے حضور علیہ السلام نے منع فرمایا، بظاہر معلوم ہوتا ہے، کہ سُود میں نفع دنیاوی ہے، مگر ایمان کا تقاضا ہے، کہ اُس کو سُنتے ہی فوراً اس سے علیحدہ ہو جاؤ، ان کی اطاعت میں ہی ہر طرح کا فائدہ ہے ۔

خیال رہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کام خود کئے یا جن کاموں کا حکم دیا، جو کسی کو کچھ کرتے ہوئے دیکھا اور منع نہ فرمایا، یہ سب مَآ اٰتٰکُمُ میں داخل ہے، پہلے کو سنتِ فعلی، دوسرے کو سنتِ قولی، تیسرے کو سنتِ سکوتی کہتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ حضور ہی کی شان ہے کہ

آپ کا ہر حکم، ہر فعل قابلِ اتباع ہے، اور کسی کی یہ شان نہیں، کیونکہ حضور کا ہر حکم ہر فعل رب کی طرف سے ہے، ہمارے کام نفسانی اور شیطانی بھی ہوتے ہیں۔ بارگاہِ مصطفوی صلے اللہ علیہ وسلم تک نہ شیطان کی پہنچ، نہ نفس امارہ کا دخل، جیسے سونے کی کان سے سونا ہی نکلتا ہے، اور آم کے درخت سے آم ہی حاصل ہوتے ہیں، ایسے ہی زبان پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے حق ہی جاری ہوتا ہے، لہٰذا اُن کے ہر قول و فعل پر بلا تامل عمل کرو، دوسرے لوگوں کے اعمال و اقوال شریعت کی کسوٹی پر کسو ؛

آیت ۸۲ - هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ پارہ ۲۸، سورۃ الصف، رکوع ۱ ؛ وہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا، کہ اُسے سب دینوں پر غالب کرے، اگرچہ بُرا مانیں مشرکین ؛

یہ آیت کریمہ بھی نعتِ مصطفےٰ علیہ السلام ہے، اور اس میں اسلام کے غلبہ کی خبر دی گئی ہے، هُوَ الَّذِیْ کے نکات تو ہم سورۃ فتح کے آخر میں بیان کر چکے ہیں۔ مگر یہاں یہ بتانا ہے کہ رب نے وعدہ فرمایا، کہ پروردگارِ عالم اسلام کو تمام دینوں پر غالب رکھے، اور یہ وعدہ پورا فرما بھی دیا، اور ہم لوگ آج بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ؛

اوّلاً جب اسلام کا آفتاب مکہ مکرمہ میں چمکا، تو اس پر بہت سے گردو غبار اور بادل آئے، یہاں تک کہ بانیٔ اسلام علیہ السلام اور مسلمانوں کو مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا، مگر پھر انجام یہ ہُوا، کہ سارے ملکِ عرب میں اسلام ہی غالب رہا، پھر عرب کے وہ لوگ جو تمام دنیا سے ادنےٰ مانے جاتے تھے، ایک اُس آقا کی ۲۳ سالہ تعلیم کی برکت سے دنیا سے اعلےٰ ہو گئے، جاہل عالم کے استاذ بن گئے، چوری کرنے والے دنیا کے محافظ بنے، بے تہذیب دنیا کو تہذیب سکھانے والے بنے، شراب پینے والے اس شراب سے منہ موڑ کر محبت الٰہی کی شراب میں سرشار ہوئے، اور بُت پرست خدا پرست اور نہ معلوم کون کون، کیا کیا بن گئے ؛

بانیٔ اسلام علیہ السلام نے جو اصلاحِ قوم بلکہ دنیا کی اصلاح تھوڑی سی مدت اور بے سروسامانی کی حالت میں فرمائی، اُس کی آج تک کسی قوم کے پیشواؤں میں مثال نہیں ملتی، پھر انہی لوگوں کو تخت و تاج کا مالک بنایا، صدیوں تک نہایت دبدبہ سے دنیا پر راج کیا، اور آج اس گری حالت میں بھی اللہ کے فضل سے غلامانِ مصطفےٰ علیہ السلام تاج کے مالک ہیں ؛

اب اگرچہ دنیاوی اعتبار سے مسلمان دوسری قوموں سے پیچھے معلوم ہوتے ہیں، دولت، عزت، سلطنت، علم میں اور قومیں ان سے آگے بڑھ گئی ہیں، مگر غور کرو، تو معلوم ہوگا کہ دینی غلبہ اب بھی مسلمانوں کو ہی حاصل ہے، اس کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں :-

مسجد اور گرجا اور مندر کا مقابلہ کرو، تو مسجد روزانہ پانچ بار آباد ہوتی ہے، اور گرجا ہفتہ میں ایک بار یعنی اتوار کو، اور مندر روزانہ بعدِ مغرب، وہ بھی آباد نہیں ہوتا، ایک دو آدمی آکر گھنٹہ وغیرہ بجا دیتے ہیں، قرآن کی قرأت، کتابت، زیر، زبر، پیش، ایک ایک کلمہ محفوظ مگر انجیل اور توریت اور وید دنیا سے غائب ہو چکے، یہ جو انجیل ایک ایک پیسہ کی فروخت ہوتی ہے یہ اصل انجیل نہیں، بلکہ اُس کے ترجمے ہیں۔ اصل انجیل غائب ہے ؛

جس قدر تفسیریں قرآن کی ہیں، اور جو قرأتیں اس کتاب اللہ کی ہیں، وہ کسی کی نہیں، قرآن کے حافظ ہر شہر میں ملیں گے، اگر ایک جلسہ میں کوئی شخص ایک آیت کا ایک زبر بھی غلط پڑھ دے فوراً لوگ اُس کو پکڑتے ہیں۔ مگر دوسری کتابوں کا کوئی بھی حافظ نہیں، آج دنیا میں حکومت دوسری قوموں کی ہے، مگر چونکہ قرآن عربی میں آیا، تو اب بھی ہر جگہ عربی جاننے والے موجود ہیں اگرچہ حکومت سے اس زبان کی کوئی سرپرستی نہیں ؛

حضور علیہ السلام کی سوانح عمری جس شان کی اسلام میں موجود ہے، کہ ساری عمر شریف کی ہر حالت گھر کی اور باہر کی زندگی، اُٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، ہنسنا، رونا کلام فرمانا یہاں تک کہ سارے جسم پاک کا حلیہ شریف کہ داڑھی پاک میں کتنے بال سفید تھے، ایسی کسی مذہب کے پیشوا کی نہیں، حدیث کیا ہے؟ حضور علیہ السلام کی سوانح عمری ہے، کسی بادشاہ، کسی معشوق، کسی پہلوان غرضکہ کسی بھی دنیا کے شاندار آدمی کی ایسی سوانح عمری نہ لکھی گئی ؛

گائے بکری مسلمان کھاتے ہیں، اور خنزیر ہندو، عیسائی، یہودی تمام قومیں کھاتی ہیں، مگر جو برکت گائے بکری میں ہے، وہ خنزیر میں نہیں، بتاؤ کہ ہندوستان میں کتنے مارکیٹ تو گائے اور بکری کے گوشت کے ہیں، اور کتنے سُور کے گوشت کے ہیں؟ پھر تمام قومیں آہستہ آہستہ

اسلام کے قانون کو مانتی چلی جا رہی ہیں۔ اب تک دوسرے لوگ اعتراض کرتے تھے کہ ایک مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنے کی کیوں اجازت دی۔ مگر جب عورتوں کی زیادہ پیداوار اور مردوں کا لڑائی وغیرہ میں مارا جانا دیکھا، تو اب سمجھے کہ چند نکاحوں میں یہ مصلحت تھی ؛

مضمون بہت دراز ہو جاوے گا۔ ورنہ میں ایک ایک مسئلہ کے متعلق عرض کرتا کہ اسلام نے جو حکم دیا وہ نہایت ہی عمدہ ہے، غرضکہ دینی غلبہ مسلمانوں کو اب بھی حاصل ہے، ہاں یہ اور بات ہے، کہ مسلمان اپنی بدعملی کی وجہ سے دنیا میں ذلیل و خوار ہو جاویں یا دولتمند نہ رہیں، اس میں ہمارا قصور ہے، نہ کہ اسلام کا، خدائے پاک توفیق دے، کہ اس اسلام کی رسّی کو مضبوط پکڑیں ؛

آیت ۸۳ ۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

پارہ ۲۸، سورۃ المنافقون، رکوع ۱ ؛ اور عزّت تو اللہ اور اُس کے رسول اور مسلمانوں کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں ؛

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت ہے، اس میں حضور علیہ السلام کی عزّت کا خطبہ ارشاد ہوا ہے، اور اُن کے صدقہ میں مسلمانوں کی بھی عزّت کا اظہار فرمایا گیا، اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے جب غزوۂ مریسیع سے فارغ ہو کر ایک کنوئیں کے قریب قیام فرمایا، تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خادم جہجاہ غفاری اور عبد اللہ ابن ابی منافق کے دوست سنان ابن وبر جہنی میں لڑائی ہو گئی، اُس وقت عبد اللہ ابن ابی منافق نے سنان کی طرفداری کرتے ہوئے حضور علیہ السلام کی شان میں گستاخ باتیں بکیں، اور کہا، کہ مدینہ میں پہنچکر ہم عزّت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے (ذلیلوں سے مُراد لی مہاجرین) اور اپنی قوم سے کہنے لگا کہ اگر تم ان مکّہ والوں کو اپنا جھوٹا کھانا نہ دو، تو یہ تمہاری گردنوں پر سوار نہ ہوں۔ اب تم ان لوگوں کو کچھ نہ دو تاکہ یہ مدینہ سے بھاگ جائیں، حضرت زید ابن ارقم کو یہ سُن کر تاب نہ رہی، اُنہوں نے اُس منافق سے فرمایا کہ تُو ہی ذلیل ہے، رسول اللہ علیہ السلام کے سر پہ تو معراج کا تاج ہے، رحمٰن نے اُن کو قوت اور عزّت دی ہے، ابنِ ابی کہنے لگا، چُپ رہو، مَیں تو یہ باتیں ہنسی سے کہہ رہا تھا، زید ابنِ ارقم نے یہ بات حضور علیہ السلام تک پہنچائی، حضور علیہ السلام نے عبد اللہ ابن اُبی منافق سے پوچھا، کہ کیا تُو نے یہ کہا تھا؟ وہ قسم کھا گیا، کہ مَیں نے نہ کہا تھا، اُس کی قوم کے لوگوں نے عرض کیا، کہ عبد اللہ ابن اُبی بوڑھا آدمی ہے۔ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ زید ابن ارقم کو دھوکا ہو گیا ہو گا۔ تب یہ آیت کریمہ ابن اُبی کو جھوٹا اور زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سچا ثابت کرنے کے لئے اُتری ؛

روح البیان نے اس آیت میں بیان فرمایا کہ عبد اللہ ابن اُبی کے فرزند جلیل القدر صحابی تھے، اُن کا نام بھی عبد اللہ تھا، جب اُن کو خبر پہنچی کہ میرے باپ نے ایسا ملعون کلمہ منہ سے نکالا ہے، تو انہوں نے مدینہ منورہ کے دروازہ پہ اپنے باپ کو پکڑا، اور تلوار سونت لی، اور مدینہ پاک میں جانے سے اُس کو روک دیا۔ اور کہا کہ اے میرے باپ تو اقرار کر کہ اللہ عزّت والا اور محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عزّت والے، ورنہ ابھی تیری گردن ماروں گا، چنانچہ ڈر کے مارے اُس کو یہ اقرار کرنا پڑا، حضور علیہ السلام نے یہ واقعہ سُن کر اُس فرزند کو دعائیں دیں ؛

اِس سے معلوم ہُوا کہ عزّتِ رسول علیہ السلام پر ماں، باپ، اولاد، آبرو تمام کی قربانی کرنا صحابہ کرام کا طریقہ تھا، اور حضور علیہ السلام کے حق کے مقابل کسی کا کوئی حق نہیں ؛

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول علیہ السلام کے لئے اور حضور کے طفیل مسلمانوں کے لئے عزّت ثابت فرمائی گئی ہے، عزّت کے معنے ہیں غلبہ اور قوّت، اور واقعہ بھی یہ ہی ہے کہ غلبہ اللہ کو اور اس کے رسول علیہ السلام کو اور مسلمانوں ہی کو ہے، اور قیامت تک رہے گا ؛ اللہ کی عزّت تو یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی کام اللہ کے بغیر ارادہ نہیں ہو سکتا، وہ ہی عظمت والا ہے وہ ہی حقیقی قدرت والا۔ اُسی کی قاہر حکومت ہے، وہ ہی سب کا والی اور مددگار ہے، جس کو وہ عزّت دے اُسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔ جس کو وہ ذلیل کرے اُس کو کوئی عزّت نہیں دے سکتا اُس کی عظمت ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گی۔ سب کو فنا، وہ باقی، سب اُس کے محتاج وہ غنی۔ رسول علیہ السلام کی عزّت یہ کہ اُن کو خرابی خاتمہ کا ڈر نہیں، اُن کو پروردگار نے عزّت دی، شفاعت دی، اُن کے دین کو تمام دینوں پر غالب فرمایا، جس کا ذکر اس سے پہلے کی آیت میں گذرا، رب اُن کو کافی، اُن کو مخلوق میں سے کسی کی حاجت نہیں، بلکہ سب اُن کے حاجتمند ہیں، اُن کی تعظیم رب کی تعظیم ہے، اور اُن کی اہانت رب کی اہانت ہے، ان کی اطاعت رب کی اطاعت، اُن کی مخالفت رب کی مخالفت ہے، اُن کی ذات ذاتِ الٰہی کی مظہر، تمام گنہگاروں کو اُن کے دروازہ

پاک پر حاضری کا حکم، دنیا کی ہر چیز پر اُن کی حکومت، جانور اور پتھر، درخت وغیرہ اُن کے سلامی
جن و انسان، فرشتے اُن کے دعاگو، عالم کے سلاطین اُن کے دروازے کے بھکاری، جبریل امین
ان کے دروازے پاک کے خادم، عرشِ اعظم ان کا جلوہ گاہ، فرش اُن کا پایۂ تخت، بروزِ قیامت
سب کی نگاہ تمنا اُن کے ہاتھوں کو تکیں گی ۔

غرضکہ میرا کیا منہ جو اُن کی عزت کا کروڑواں حصّہ بیان کروں، بس اُن کو وہ عزت ملی جو
اُن کا دینے والا رب جانے یا لینے والے محبوب علیہ السلام، ہم تو صرف اتنا کہکر خاموش ہوجاتیں
کہ ع بعد از خدا بزرگ توئی قصۂ مختصر ۔

مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ مسلمان جو بھی نیک کام کرتے ہیں، اس کا ایک ثواب تو
کرنے والے کو، اور دو اُس کے مرشد کو اور چار اُس کے مرشد کے مرشد کو، اور آٹھ اُس کے مرشد
کے مرشد کے مرشد کو، اسی طرح جس قدر اوپر جاؤ سلسلہ بڑھتا جاوے گا، جب یہ ثواب بارگاہِ
مصطفٰے علیہ السلام میں پہنچتا ہے، تو بے شمار اور بے حساب ہوکر پہنچتا ہے، یہ تو ایک اُمتی کا ایک
نیک کام ہے، اب روزانہ کتنے اُمتی کتنے نیک کام کرتے ہیں، اور حضور علیہ السلام کو کتنا ثواب پہنچایا
جاتا ہے، یہ تو حساب سے باہر ہے ۔ حدیث میں ہے مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ
(مشکوٰۃ کتاب العلم) یعنی جو شخص نیکی پر رہبری کرے، اُس کو کرنے والے کی طرح ثواب ملتا ہے،
اور تمام جہان کے اعلیٰ رہبر تو حضور علیہ السلام ہیں، جو کوئی بھی کسی قسم کی نیکی کرتا ہے یا قیامت تک
کرے گا وہ حضور کی رہبری کرے گا، تو حضور علیہ السلام کے اجر کا کیا پوچھنا ۔

لطیفہ: شطرنج کا ایجاد کرنے والا شطرنج کو لے کر اپنے بادشاہ کے پاس گیا، بادشاہ نے
کہا کہ کچھ انعام مانگو، اُس نے کہا کہ میرے شطرنج کے خانوں کو چاولوں سے اس طرح بھردو، کہ ہر
اگلے خانہ میں پچھلے خانہ سے دوگنے ہوں، یعنی پہلے خانہ میں ایک چاول، دوسرے میں دو، تیسرے
میں چار، چوتھے میں آٹھ، پانچویں سولہ، بادشاہ سمجھا نہیں، اُس نے کہا کہ جاؤ یہ حساب کون لگائے
دو بورے چاول ہمارے باورچی خانے سے لے لو، اُس نے کہا، سرکار! مجھے تو اسی حساب سے
دو، جب حساب لگایا، تو معلوم ہوا، کہ ساری روئے زمین پر اس قدر چاول نہیں پیدا ہوتا جتنا
کہ حساب سے اُس نے مانگا ہے، وجہ یہ ہے کہ شطرنج کے ۶۴ خانے ہوتے ہیں، اور آٹھ چاول
کی ایک رتی، اور آٹھ رتی کا ایک ماشہ اور بارہ ماشہ کا ایک تولہ اور اسّی تولہ کا ایک سیر ہے، تو
حساب لگایا، تو چھبیسویں (۲۶) خانہ میں ایک من بنا، اب جو فی خانہ دوگنا کیا گیا، تو آخر میں اتنا چاول
ہوا، کہ اگر اس چاول کی قیمت میں سونا دیا جاوے، تو اگر چاول فی روپیہ چار سیر ہو، اور سونا پچیس (۲۵)
روپیہ تولہ، تو سونا اُنیس (۱۹) کروڑ من ہوتا ہے، چاولوں کا حساب ہی نہیں لگتا ۔

یہ تو چوسٹھ خانہ کا حساب تھا جو بادشاہ وقت ادا نہ کرسکا، مگر میرے آقا کی بارگاہ میں اُمتی
کا عمل جب پہنچتا ہے دوگنا، چارگنا، آٹھ گنا ہوتا ہوا اتنا ہوجاتا ہے، جہاں عدد بھی کام نہیں
کرتا، مگر حساب بڑھ جاوے تو کیا ہے، دینے والا بھی تو رب ہے، اُس کے خزانہ میں کیا کمی
ہے، یہ بھی عزتِ رسول علیہ السلام کی ایک شق ہے، فرمایا گیا وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝
تمہارے لئے غیر منقطع ثواب ہے ۔

مسلمانوں کی عزت یہ ہے کہ جہنّم میں ہمیشہ کے عذاب سے محفوظ ہیں، اپنے رب کے سچے
بندے اور وفادار رعایا ہیں، ان کے سامنے دینی لحاظ سے تمام قومیں ذلیل ہیں، جیساکہ پہلے
کی آیت میں بیان کیا گیا، اور اگر یہ سچے مسلمان رہیں تو تخت و تاج اُن کے لئے ہے وَاَنْتُمُ
الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ تم ہی بلند ہو اگر سچے مسلمان رہو ۔

قیامت تک کے لئے ان کا دین باقی، ان کی کتاب محفوظ، ان میں اولیاء، علماء، غوث
وقطب ہر جگہ موجود، قیامت میں ان کے ہاتھ و منہ اور پاؤں چودھویں رات کے چاند کی طرح
چمکدار اثر وضو سے، تمام اُمتوں سے پہلے جنّت میں یہ جاویں، آدھے جنّت کے یہ مالک، باقی
میں ساری اُمتیں ۔ اس سے پہلے کی آیت میں ہم چند طرح مسلمانوں کی عزت اور ان کے دین
کا غلبہ بیان کرچکے ہیں۔ ایک بات اور سمجھ لو، بیت المقدس عیسائیوں، یہودیوں اور دوسرے
اہل کتاب کا قبلہ ہے، اور کعبہ معظمہ صرف مسلمانوں کا قبلہ، مگر حج کعبہ ہی کا ہوتا ہے، نہ کہ بیت
المقدس کا، جس قدر دھوم دھام کہ اس کی ہے اُس کی نہیں، بیت المقدس کے بنانے والے
جنّات، بنوانے والے حضرت سلیمان علیہ السلام، مگر کعبہ معظمہ کا بنوانے والا رب تعالیٰ اور اُس
کے نشان بنانے والے حضرت جبریل علیہ السلام، تعمیر فرمانے والے خلیل اللہ، تعمیر میں امداد دینے
والے ذبیح اللہ علیہما السلام، اس کو آباد فرمانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

بیت المقدس میں ہزارہا انبیاء کرام آرام فرما رہے ہیں، مگر مدینہ منورہ میں صرف سید الانبیاء علیہ السلام جلوہ افروز ہیں، مدینہ منورہ میں جس قدر زائرین جاتے ہیں، بیت المقدس میں اس کا دسواں حصہ بھی نہیں، غرضکہ ہر طرح دینی و دنیاوی عزت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں ہی کو دی ہے، مالدار ہونا یا نہ ہونا، بادشاہ ہونا یا نہ ہونا اس پر عزت کا دارومدار نہیں، یہ تو چلتی پھرتی چاندنی ہے۔

ہدایت: اس آیت میں تو عزت تین ذاتوں کے لئے ثابت فرمائی، اللہ کے لئے، رسول علیہ السلام کے لئے اور سارے مسلمانوں کے لئے، مگر دوسری آیت میں فرمایا گیا، اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا۔ ساری عزت اللہ کے لئے ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ حقیقی اور ذاتی عزت اور دائمی، قدیم عزت تو صرف اللہ کے لئے ہے، مگر عطائی حادث خدائے پاک کی دی ہوئی عزت انبیاء، اولیاء اور تمام مسلمانوں کو بھی حاصل ہے، یا یہ کہ سب کی عزت اللہ ہی کی عزت ہے، صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

آیت ۸۴: نٓ: وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ الخ۔ پارہ ۲۹، سورۃ القلم، رکوع ۱۔ قلم اور ان کے لکھے کی قسم تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں، اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے۔

یہ سولہ آیتیں نعتِ مصطفےٰ علیہ السلام کا گنجینہ اور عظمتِ شانِ محبوب علیہ السلام کا خزینہ ہیں۔ ان آیات کے ایک ایک حروف میں نعت شریف کے پھول کھلے ہوئے ہیں، ان آیات میں چند طرح گفتگو کرنی ہے (۱) یہ آیات کیوں آئیں (۲) نٓ و قلم سے کیا مراد ہے (۳) ان میں کتنی طرح نعت نکلتی ہے۔

(۱) مشرکینِ مکہ خصوصاً ولید ابن مغیرہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو مجنون یعنی دیوانہ کہا کرتے تھے، قلبِ پاک مصطفےٰ علیہ السلام کو اس ملعون لفظ سے ایذا پہنچتی تھی، رب تعالیٰ نے قسمیں فرما کر حضور کے فضائل اور بدگویوں کے عیوب بیان فرمائے، تاکہ محبوب کے قلب پاک کو تسلی ہو۔ فرمایا نٓ کی قسم، قلم کی قسم، ان کی تحریر کی قسم، اے پیارے تم دیوانے نہیں، تمہارے بدگو بدذات، بے ایمان، بدباطن، چغل خور، حرام کے بچے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

(۲) نٓ: لفظ نون میں چند احتمال ہیں: (۱) یہ سورۃ کا نام ہے (۲) اللہ تعالیٰ کا نام ہے (۳) نور اور ناصر کا پہلا حرف ہے، اور نور رب تعالیٰ کا نام (۴) الرٰ، حٰمٓ، نٓ مل کر الرحمٰن بنتا ہے، تو یہ اسمائے الٰہیہ کا جزو ہے، اس صورت میں رب نے اپنی قسم فرمائی (۵) یا نون حضور کا اسم شریف ہے (۶) یا یہ نور کا پہلا حرف ہے، اور نور حضور کا نام شریف قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ اس صورت میں حضور کی قسم ہے (۷) یا نون بمعنی مچھلی، عربی میں مچھلی کو نون کہتے ہیں، اس سے یا وہ مچھلی مراد ہے، جس کے شکم میں یونس علیہ السلام رہے، یا وہ مچھلی جو جنتیوں کی پہلی غذا ہے، یا وہ مچھلی مراد ہے جس پر زمین قائم ہے (روح البیان و تفسیر عزیزی)۔

وَالْقَلَمِ (۱) قلم سے یا تو عام قلم مراد ہے، چونکہ اس سے علم لکھا جاتا ہے، اسی لئے اس کی یہ تعظیم ہوئی، اور اس کی قسم فرمائی گئی (۲) یا وہ قلم مراد ہے جس نے لوح محفوظ پر سارے واقعات تحریر کئے (۳) یا وہ قلم جس سے فرشتہ ماں کے پیٹ میں بچہ کی تقدیر لکھتا ہے، یا وہ قلم جس سے ملائکہ انسان کے نامۂ اعمال لکھتے ہیں، لیکن ان صورتوں میں نون اور قلم میں مناسبت نہیں معلوم ہوتی، اسی لئے بعض مفسرین نے فرمایا کہ قلم بھی حضور کا نام ہے، کیونکہ ایک حدیث میں ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمُ، دوسری میں ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ، یہ دونوں حدیثیں اس طرح جمع کی گئیں کہ قلم اور نور دونوں سے حقیقتِ محمدیہ مراد ہے، حضور علیہ السلام کو اس لئے قلم کہتے ہیں، کہ جیسے تحریر سے پہلے قلم ہوتا ہے، ایسے ہی عالم سے پہلے حضور علیہ السلام ہوئے اور جیسے کہ قلم الٰہی کی تحریر کوئی بدل نہیں سکتا، اسی طرح حضور کا فرمان دنیا میں کوئی پلٹ نہیں سکتا، گویا حضور علیہ السلام قلم الٰہی ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ نون سے مراد لب پاک مصطفےٰ ہیں اور قلم سے زبان پاک، جیسے قلم دوات کی مدد سے لکھتا ہے، اسی طرح حضور کی زبان مبارک لب پاک کی مدد سے کلام فرماتی ہے، کہ بعض حروف زبان سے ادا ہوتے ہیں اور بعض لبوں سے، اگر آپ کا ہر حرف وحی الٰہی ہے، یہ زبان اور یہ دہن کُن کی کنجی ہے وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝

واضح رہے کہ نون اور انسان کے لب اور دوات تینوں ہم شکل ہیں، تو حضور کا دہن دواتِ رحمٰن اور حضور کی زبان قلم خالقِ دو جہان اور حضور کا کلام رب کا فرمان (روح البیان)۔

وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ اُس کی قسم جو وہ لکھتے ہیں، کون لکھتے ہیں، اس میں چند قول ہیں، یا تو اِس سے عام لوگ مراد ہیں، جو علوم دینیہ لکھتے ہیں، یعنی اے پیارے تمہاری زبان کی قسم، تمہارے دہان کی قسم اور تمہارے اُس پیارے کلام کی قسم جو مسلمان قیامت تک لکھتے پڑھتے رہیں گے اُس کلام پہ قربان، بادشاہوں نے اپنے نام سونے چاندی کے سکوں میں لکھوائے، مگر مٹ گئے وہ شہنشاہ کیسی شان والا ہے، جو عرب کے ریگستان میں کچھ میٹھے بول سُنا تا رہا، مگر اُس بولی کو نہ ہوا اُڑا سکی، نہ زمانہ مٹا سکا، نہ کوئی دنیوی طاقت بدل سکی، اِن کا نام پاک عالمین کی زبانوں میں دلوں میں، دماغوں میں، صحیفوں میں، پتھروں میں ایسا نقش ہوا، کہ نہ مٹا ہے نہ مٹے، یا وَمَا يَسْطُرُوْنَ سے ملائکہ کی تحریر مراد ہے، جس سے وہ حضور کے اجداد اور آپ کے اعمال طیبہ تحریر کرتے ہیں، غرضکہ یہ تینوں کلمے حضور کی نعت شریف ہیں ؀

آگے ارشاد ہوا کہ اے محبوب آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں، مجنون کے معنے یا دیوانہ ہیں یا مستور، پہلے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ آپ پر دیوانگی کبھی نہیں آسکتی، کیونکہ انبیاء کرام کی عقل سارے عالم سے زیادہ، اور حضور کی عقل شریف سارے انبیاء سے اعلیٰ ہے۔ اگر بادشاہ کا وزیر دیوانہ ہو جائے، تو ملکی انتظام بگڑ جائے، تو اگر خدا کے نبی پر یہ کیفیت طاری ہو۔ تو یہ عالم کیسے قائم رہے، حضور علیہ السلام سے تو رب بھی کلام فرماتا ہے، اُس کے فرشتے بھی، جن و انس بھی عرض معروض کرتے ہیں، اور حیوانات، جمادات بھی، وہ فرشتوں کے فریاد رس ہیں، اور عرشیوں کی امیدگاہ، مخلوق اُن کا منہ تکے، خالق کی اُن پر نگاہ، رب کی رحمتیں عالم تک پہنچائیں دنیا کی حاجتیں خالق سے عرض کریں، جس ذاتِ کریمہ پر اتنی ذمہ داریاں ہوں، وہ دیوانہ کیسے ہو سکتے ہیں، اور اگر مجنوں بمعنی مستور ہے تو معنے یہ ہوئے، کہ اے محبوب آپ چھپائے ہوئے نہیں یعنی آپ سے کوئی غیب، اگلے پچھلے واقعات، عالم کا ذرہ ذرہ کچھ بھی مخفی نہیں (روح) یا یہ کہ رب تعالےٰ آپ سے چھپا ہوا نہیں، یا یہ کہ آپ عالم سے چھپے ہوئے نہیں، آپ کو مسلمان جانیں، کفار پہچانیں، بلکہ چاند، سورج، شجر و حجر، فرشی، عرشی سب ہی مانتے ہیں ؀

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ یہاں اجر اور ممنون میں چند احتمال ہیں، یا تو اجر سے مراد شفاعت ہے، اور ممنون بمعنے منقطع (روح البیان) یعنی آپ کی شفاعت کبھی ختم نہ ہوگی، ازل سے ابد تک آپ ہی کی طفیل سب کی مصیبتیں دور ہوئیں، اور ہونگی، حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ تمہارے طفیل قبول ہوئی، تمہاری بدولت کشتی نوح پار لگی، تمہاری برکت سے خلیل پہ آگ گلزار ہوئی تمہاری طفیل حضرت اسمٰعیل و حضرت عبداللہ کی جان بچی، اب بھی تمہاری ہی طفیل دنیا پر رحمتیں آرہی ہیں اور بلائیں ٹل رہی ہیں وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ، نزع کے وقت تم ہی کام آتے ہو، قبر میں تمہاری پہچان پر میت کی کامیابی موقوف، حشر میں شفاعت کا سہرا تمہارے سر ہے، جنت میں تمہارے دم کی دھوم دھام ہے، دوزخ میں بھی گنہگار مسلمانوں پہ تمہاری وجہ سے عذاب کی روک تھام غرضکہ دولہا تم ہو، اور براتی سارا عالم اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ؀ یا اجر کے معنے ثواب ہے، اور ممنون بمعنے بند کیا ہوا، یعنی اے محبوب تمہارا ثواب کبھی بند نہ ہوگا، کیونکہ قیامت تک آپ کی اُمت رہے گی، اُن کی نیکیاں رہیں گی، جن سب کا ثواب صدہا گُنا ہو کر آپ کو ملتا رہیگا ؀ یا اجر کے معنے ہیں ثواب اور ممنون کے معنے احسان جتایا ہوا، یعنی اے محبوب تمہارے ثواب میں تم پر کسی بندے کا احسان نہیں، کیونکہ اوروں کو علم، ایمان، رزق، عزت اولاد وغیرہ کسی کی طفیل ملتی ہے، اور وہ کسی نہ کسی کے ضرور احسان مند ہوتے ہیں، مگر پیارے جہان بھر میں تمہاری ایک وہ ذات ہے کہ جس کی بدولت سب کو خدا کی دولت ملتی ہے، سب تمہارے حاجتمند ہیں، تم رب کے سوا کسی کے نہیں، تمہارا سب پر احسان، تم پر کسی کا نہیں ؀

لوگ کہتے ہیں کہ حلیمہ دائی نے حضور کو پالا، مگر حضور کے رب کی قسم حلیمہ دائی کو حضور نے پالا
کہ آپ کے جانے سے حلیمہ کے دن پھر گئے، پیٹ بھر گئے ؎

بنی سعد کا دشتِ رشک چمن ہے ؀ گُلِ ہاشمی چُن کے لائی حلیمہ

بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور کا اجر حق تعالیٰ کی ذات ہے ؀

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اس کی مستقل تفسیر ہم آگے کریں، یہاں تک تو حضور کے فضائل بیان فرما کر اُنہیں خوش کیا گیا، اب توجہ غضب اُن بدبختوں پر ہے، جنہوں نے وہ خبیث بات بکی تھی، کہ آپ دیوانے ہیں، اُن کی بہت سی بُرائیاں بیان فرما کر اُن کے سردار ولید ابن عقبہ کے دس عیوب بیان فرمائے جارہے ہیں کہ وَلَا تُطِعْ الخ یعنی اے محبوب اُس کی نہ سنو جس میں یہ عیوب ہیں، جھوٹی قسمیں کھانے والا، ذلیل ہے، طعنہ دینے والا ہے، چغل خور ہے، بھلائی سے روکتا پھرتا

ہے، حد سے بڑھا ہوا ہے، سخت گنہگار ہے، بدطینت ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حرام کا بچہ ہے، ہم اس کی تھوتھنی پر داغ لگائیں گے (تھوتھنی سور کا منہ) ولید نے جب یہ آیت سنی، تو اپنی ماں کے پاس تلوار لے کر پہنچا اور کہنے لگا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے میرے دس عیب بتائے ہیں نو کو تو میں جانتا ہوں کہ مجھ میں ہیں، ایک کی مجھے خبر نہیں، اس کی تجھے خبر ہے، بتا میں حرامی ہوں یا حلالی؟ سچ بول، ورنہ گردن مار دوں گا، کیونکہ محمد کبھی جھوٹ بولتے ہی نہیں (صلے اللہ علیہ وسلم) اس کی ماں بولی، تو ہے تو حرامی، تیرا باپ عقیم نامرد اور مالدار تھا، مجھے خوف ہوا کہ اس کا مال دوسرے لے لیں گے، تو میں نے ایک چرواہے سے زنا کروایا، تو اس کا نطفہ ہے (روح البیان وغیرہ عام تفاسیر) معلوم ہوا کہ حضور کی بدگوئی کرنا حرامزادوں کا کام ہے۔

آیت ۸۵: اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ پارہ ۲۹، سورۂ القلم، رکوع ۱، اور بے شک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی صریح نعت ہے، اس میں حضور علیہ السلام کے اخلاق کریمانہ کو عظیم فرمایا گیا ہے، خُلُق عربی میں عادت کو کہتے ہیں، کہ جس کی وجہ سے اچھے کام خودبخود ہوں، اس کو تکلیف نہ کرنا پڑے، تو آیت کا مطلب یہ ہوا، کہ آپ جس قدر اعلےٰ کام انجام دیتے ہیں یہ تو آپ کی عادت کریمہ ہے، کچھ تکلف اس میں آپ کو نہیں ہوتا، اسی کو قرآن کریم نے بیان فرمایا وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ میں اپنے اخلاق میں تکلف سے کام نہیں لیتا، عظیم فرما کر یہ بتا دیا، کہ اگر کوئی چاہے کہ حضور علیہ السلام کے اوصاف اور اخلاق کو شمار کرے، وہ نہیں کر سکتا، کیونکہ دنیا کی نعمتیں بہت تھوڑی سی ہیں، قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ، مگر اس تھوڑی کو کوئی شمار نہیں کر سکتا تو جس کو پروردگار عظیم فرما دے، اس کو کون شمار کرے۔

صاحب روح البیان نے لکھا ہے اسی آیت کی تفسیر میں، کہ حضور علیہ السلام کو شکر نوح خلت ابراہیمی، اخلاص موسےٰ، حضرت اسمٰعیل کا سچ، حضرت یعقوب و ایوب کا صبر، حضرت داؤد علیہم السلام کا عذر اور حضرت سلیمان و عیسےٰ علیہما السلام کی تواضع، اور سارے انبیاء کے اخلاق عطا فرمائے علیہم الصلوٰۃ والسلام، اسی لئے فرمایا فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ آپ ان سب کی راہ چلیں یعنی تمام انبیائے کرام کے صفات کے آپ جامع ہو جاویں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے پوچھا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلق کیا تھا؟

آپ نے فرمایا کہ قرآن۔ اس کے دو معنے ہیں، ایک یہ کہ قرآن پر عمل آپ کی زندگی پاک تھی، اسی لئے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جو شخص حضور علیہ السلام کے دیدار کی تمنا کرے، وہ قرآن مجید کو دیکھے، کیونکہ قرآن کریم حضور علیہ السلام کی زندگی پاک کی خاموش تصویر ہے، یا یوں کہو کہ یہ قال ہے وہ حال تھی، دوسرے معنے صدیقہ کے قول کے یہ بھی ہو سکتے ہیں، کہ جس طرح قرآن کریم ایک دریا ناپیدا کنار ہے، اسی طرح حضور علیہ السلام کے اخلاق کی انتہا نہیں۔

روح البیان نے فرمایا کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اخلاق یہ ہیں، رب کو اختیار کرنا اور مخلوق سے کنارہ کشی فرمانا، اسی طرح روح البیان میں اسی جگہ ہے، کہ معراج میں رب العالمین نے حضور علیہ السلام پر کنجیاں پیش فرمائیں، قبول نہ کیں، تمام ملائکہ اور جنت اور وہاں کی نعمتیں دکھائیں، مگر اس کی طرف توجہ نہ فرمائی، بلکہ رب کو قبول کیا، اسی لئے پروردگار نے فرمایا مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى یعنی محبوب کی نظر اپنے رب سے دوسری طرف نہ ہٹی، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ط

حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ مسلمانوں کو چاہیے، کہ اچھے اور پاکیزہ اخلاق اختیار کریں کہ یہ جنتی کی نشانی ہے، اور بدخلقی سے بچیں کہ یہ جہنم میں لے جانے والی چیز ہے، اب ہمارے اخلاق کیسے ہونے چاہئیں، ان کو دو لفظوں میں عرض کرتا ہوں، مسلمانوں پر مہربان اور کافروں پر سخت اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ اگر کوئی اپنا ذاتی نقصان کر دے اس کو معافی دو لیکن اگر کوئی دین کا نقصان کرنا چاہے، اس کے پیچھے پڑ جاؤ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام طائف میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے، وہاں کے لوگوں نے بہت گستاخیاں کیں، یہاں تک کہ آپ کو زخمی کر دیا، حضرت جبریل امین نے آکر عرض کیا، کہ حضور دعا فرمائیں، ابھی ابھی ان کو ہلاک کر دیا جائے، فرمایا اے اللہ ان پتھر برسانے والوں پہ رحمت کے پھول برسا دے، حضرت جبریل نے عرض کیا یا حبیب اللہ یہ تو اب ایمان نہ لائیں گے فرمایا امید ہے کہ ان کی اولاد ایمان لے آوے۔

یہ تو ذاتی معاملات میں رحم و کرم ہے۔ مگر ایک بار ایک عورت نے چوری کی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، لوگوں نے معافی کی سفارش کرائی، فرمایا خدائی سزا ہے، معاف نہیں ہو سکتی۔

یہ ہیں اخلاق محمدیہ۔ آج مسلمان یہ سمجھے کہ بدمذہبوں سے نرمی کرنا، اور مسلمانوں سے دشمنی کرنا، یہ اخلاق ہیں۔ اگر بدمذہب پر سختی کرنا اسلامی اخلاق ہیں، تو جہاد پھر کس پر کیا گیا؟ سانپ کو مار ڈالنا اور کھیت میں سے گھاس کو نکال دینا ہی بہتر ہے۔

آیت ۸۶: عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ : پارہ ۲۹، سورۂ جن، رکوع ۲۔ غیب کا جاننے والا ہے، تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت پاک ہے، اور حضور کے علم غیب کو ظاہر فرما رہی ہے، اس میں ارشاد فرمایا گیا، کہ پروردگار عالم الغیب کا جاننے والا ہے، اور اپنے خاص غیب پر کسی کو قبضہ نہیں دیتا سوائے اپنے خاص پیغمبر کے۔

اس آیت میں دو چیزیں قابل لحاظ ہیں، ایک تو خدا کا خاص غیب، اور ایک تسلط دینا غیب اس کو کہتے ہیں، جو آنکھ، کان، ناک وغیرہ حواس سے نہ معلوم ہو سکے، اور نہ عقل میں فوراً آ سکے، جیسے جنت و دوزخ وغیرہ۔ اب ہمارے لئے بمبئی اور کلکتہ وغیرہ کا علم علم غیب نہیں، کیونکہ اس کو آج جا کر دیکھ سکتے ہیں، اور ہزارہا آدمیوں نے ہم کو خبر دی کہ وہ دنیا میں دو شہر ہیں، لہٰذا یہ غیب نہیں۔ غیب دو طرح کا ہے، ایک تو وہ جس کو دلیل وغیرہ سے معلوم کر سکیں، جیسے خدا کے صفات اور خدائے پاک کا ہونا۔ دوسرے وہ جس کو دلیل سے بھی معلوم نہ کر سکیں۔ پہلی قسم کا غیب تو رسولوں کے سوا اوروں کو بھی عطا ہو جاتا ہے، جیسے قرآن میں فرمایا يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ، اور دوسری قسم کا غیب، یہ خدا کا غیب ہے، جس کو فرمایا غَيْبِهٖ یہ غیب سوائے رسول کے اور کسی کو نہ دیا جاوے گا، ہاں جس کو رسول علیہ السلام اپنے کرم سے بتا دیں، اس کو حضور علیہ السلام کے ذریعہ سے ملے گا، یہ ہی اس آیت میں مراد ہے، کہ پروردگار عالم اپنا غیب اپنے خاص رسول کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں دیتا، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے خاص اپنا غیب عطا فرمایا (تفسیر کبیر و تفسیر بیضاوی اور روح البیان)۔

اب جن آیتوں میں ذکر ہے کہ سوائے خدا کے اور کوئی غیب نہیں جانتا، اس کے معنیٰ ہیں کہ حقیقی اور ذاتی علم خدائے پاک کے ساتھ خاص ہے، انکار ہے ذاتی کا اور ثبوت ہے علم عطائی کا، جیسے قرآن پاک میں آتا ہے اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ساری عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ پھر ارشاد ہوا اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ عزت اللہ کی ہے اور رسول کی اور مسلمانوں کی، ایک جگہ ارشاد ہوا اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ سوائے خدا کے کسی کا حکم نہیں، دوسری جگہ ارشاد ہوا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا جب کسی شوہر اور بیوی میں جھگڑا ہو جاوے تو ایک پنچ تو عورت کی طرف سے اور ایک مرد کی طرف سے بھیجو۔

اب اِن آیتوں کا یہ ہی مطلب ہے کہ حقیقی عزت اور حقیقی حکومت تو صرف اللہ ہی کی ہے، مگر خدا کے دینے سے مسلمانوں کو عزت بھی ملی اور حکومت بھی۔ اسی طرح علم غیب، حضور کو کتنا علم غیب دیا، یہ تو دینے والا رب اور لینے والے محبوب ہی جانتے ہیں، لوح محفوظ میں سارے مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا علم ہے، مگر لوح محفوظ میرے آقا کے علم کے دریا کا ایک قطرہ ہے، قصیدہ بردہ میں ہے:-

وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

ہاں جس قدر روایات سے پتہ لگتا ہے وہ یہ ہے کہ از ازل تا روز قیامت ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ کا علم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا گیا، از عرش تا فرش آپ کو دکھائے گئے، اگر کوئی پرندہ پر بھی مارتا ہے، تو حضور کو اس کا بھی علم دے دیا گیا۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق و زہق الباطل میں دیکھو۔ ایسی تحقیق اور جگہ مشکل سے ملے گی۔

دوسری بات اِس آیت سے یہ معلوم ہوئی، کہ خدا کا علم غیب حضور علیہ السلام کے قبضہ میں دے دیا گیا ہے، کہ اگر کسی پر توجہ فرما دیں، تو اس کو بھی عرش سے فرش تک روشن ہو جاوے۔

حضور غوث پاک فرماتے ہیں ؎

نَظَرْتُ اِلٰى بِلَادِ اللّٰهِ جَمْعًا ۔ كَخَرْدَلَةٍ عَلٰى حُكْمِ اتِّصَالِ

میں نے اللہ کے سارے شہروں کو ایسا دیکھا جیسے چند رائی کے دانے ملے ہوئے ہیں

غرضکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر صفت عظیم ہے ۔

آیت ۸۷ : یَآ اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ؛ پارہ ۲۹ ، سورہ مزمل ، رکوع ۱ ۔

اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات میں قیام فرماؤ سوائے کچھ رات کے ۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف ہے ، اس میں محبوب علیہ السلام کو اور اُن کے طفیل میں ساری اُمّت کو تہجّد کی نماز اور قرآن کریم کی ترتیل کے ساتھ تلاوت کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے ، مگر یہ خطاب بہت پُر لطف ہے ، فرمایا گیا ہے کہ اے کپڑوں میں لپٹنے والے محبوب علیہ السلام ، جس سے معلوم ہوا ، کہ محبوب علیہ السلام کی ہر ادا پیاری ہے ۔

اس آیت کریمہ کی شان نزول میں مفسّرین کے چند قول ہیں ، ایک تو یہ کہ زمانہ وحی کے ابتدا میں حضور علیہ السلام کلام الٰہی کی ہیبت سے اپنے کپڑوں میں لپٹ جاتے تھے ، اس حالت میں آپ کو یہ ندا دی گئی ۔ ایک قول یہ ہے ، کہ حضور علیہ السلام ایک روز چادر شریف میں لپٹے ہوئے آرام فرما رہے تھے اس حالت میں ندا کی گئی ، بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے ، کہ اس آیت سے مراد ہے اے نبوت کی چادر میں لپٹنے والے ! ۔

روح البیان میں اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ رات کو محبوب علیہ السلام چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے ، رب العالمین نے اشتیاق فرمایا کہ اس وقت ہمارے محبوب ہم سے مناجات اور راز و نیاز کی باتیں کریں ، تو ندا دے کر جگایا ، کہ اے آرام فرمانے والے محبوب اس وقت ہم سے باتیں کرو ، غرضکہ کوئی سی بھی توجیہ کی جاوے ، مگر شانِ محبوبی اچھی طرح اس سے ظاہر ہو رہی ہے

مسئلہ : نماز تہجّد شروع اسلام میں واجب تھی ، اور بعض کے قول پر فرض ، بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا ، اور اُس آیت سے منسوخ ہوا ، جو اسی سورۃ میں آگے مذکور ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ (تفسیر خزائن العرفان و تفسیر احمدی) اب نمازِ تہجد سنّت مؤکدہ علے الکفایہ ہے کہ اگر بستی میں ایک نے بھی پڑھ لی تو سب بری ہو گئے ، اور اگر کسی نے نہ پڑھی ، تو سب سنّت کے تارک ہوئے ۔

مسئلہ : نمازِ تہجد کا وقت جب سے شروع ہوتا ہے ، کہ مسلمان نمازِ عشاء پڑھ کر کچھ سو کر بیدار ہو ، اس کے لئے وہ وقت تہجد ہے ، لہٰذا اگر کوئی شخص سردی کے موسم میں رات کے آٹھ بجے نماز عشاء پڑھ کر سو گیا ، اور نو بجے بیدار ہو گیا ، تو یہی اُس کے لئے تہجد کا وقت ہے ، اور اگر کوئی شخص تمام رات نہ سویا ، تو اُس کے لئے تہجد کا وقت نہ آیا ، کیونکہ تہجّد میں سو کر جاگنا ضروری ہے اور تہجد کا وقتِ مستحب رات کا آخری چھٹا حصہ ہے ، اور اس کی رکعتیں کم از کم دو ، اور زیادہ سے زیادہ ۱۲ ہیں ، اگر ہر رکعت میں تین بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھے ، تو ہر رکعت میں ایک قرآن کا ثواب دیا جائے گا ۔

آیت ۸۸ : اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ پارہ ۲۹ ، سورہ مزمل ، رکوع ۱ ، تحقیق ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجے کہ تم پر حاضر و ناظر ہیں ، جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجے ۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے ، اس میں کفار اور مسلمانوں سے خطاب ہو رہا ہے ، کہ اے لوگو ! یہ پیغمبر جو تم میں تشریف لائے ، یہ تم سے اور تمہارے حالات سے بے خبر نہیں ہیں ، بلکہ تم کو اور تمہارے ایمان و کفر کو جانتے ہیں ، اور قیامت تک کے تمام لوگوں کے ہر ہر حال سے خبردار ہیں ۔ اسی لئے تم سب پر رب کی بارگاہ میں گواہی دیں گے ، یعنی مومن کے ایمان اور کافر کے کفر کو ظاہر فرمائیں گے ، اس سے جہاں حضور علیہ السلام کا علم غیب ثابت ہوا ، وہاں ہی آپ کا ہر شخص کے پاس حاضر و ناظر ہونا بھی ثابت ہو گیا ، کیونکہ گواہی دیکھی ہوئی ہونی چاہیئے ، اسی لئے جب قیامت میں اُمّتِ مصطفٰے علیہ السلام انبیاء کے حق میں گواہی دے گی ، تب حضور علیہ السلام اُس اُمّت کی گواہی پر گواہی دیں گے ، اس کی تحقیق چند جگہ ہم اسی کتاب میں کر چکے ہیں اور حاضر و ناظر کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق وزہق الباطل میں دیکھو ۔

آیت ۸۹ : اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ ؕ وَ اللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَیْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ پارہ ۲۹ ، سورہ مزمل ، رکوع ۲ ، بے شک تمہارا رب جانتا ہے ، کہ تم قیام کرتے ہو کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات کبھی تہائی اور ایک جماعت تمہارے ساتھ والی اور اللہ رات و دن کا اندازہ فرماتا ہے اسے معلوم ہے کہ اے

مسلمانو! تم سے رات کا شمار نہ ہو سکے گا، تو اُس نے تم پر رجوع فرمایا، اب قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اتنا پڑھو ۔

یہ آیت کریمہ حضور علیہ السلام کی شان کے خطبے فرما رہی ہے، اس کی شانِ نزول یہ ہے کہ جب مسلمانوں پر تہجد کی نماز فرض تھی، تو حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بہت ہی زیادہ کھڑے رہتے تھے، یہاں تک کہ ان حضرات کے پاؤں پر ورم آگیا، اور پھٹ پھٹ کر اُن سے خون جاری ہو گیا، اس خیال سے کہ واجب سے کم نہ ادا ہو، بلکہ زیادہ ہو جائے تو مضائقہ نہیں، چونکہ اُس زمانہ میں گھڑیاں نہ تھیں، اس لئے مسلمان رات کا صحیح اندازہ نہ کر سکتے تھے، چنانچہ کبھی کبھی صبح ہو جاتی تھی، ایک سال تک یہ حکمِ فرضیّت رہا، بعد ایک سال کے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، اور اس نے تہجد کی فرضیت کو منسوخ کیا، اس تہجد کے منسوخ ہونے کی وجہ کیا تھی؟ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کی تکلیف اور مشقت، جس سے معلوم ہوا کہ محبوب علیہ السلام کی دلجوئی اس قدر منظور ہے، کہ اُن کے لئے احکام میں لحاظ فرمایا جاتا ہے، تہجد کی اصل نماز حضور علیہ السلام پر ہمیشہ فرض رہی، مگر رات کے قیام میں قید نہ رہی کہ آدھی یا تہائی رات قیام فرمائیں بلکہ جس قدر منشاء ہو، اُس قدر ہی قیام فرمادیں، ہاں اُمّت کے لئے وجوب نہ رہا ۔

مسئلہ: شبینہ پڑھنا یعنی تہجد یا تراویح میں ایک رات میں سارا قرآن ختم کرنا جائز ہے، اگر پڑھنے والے پر بوجھ نہ پڑے ۔

روح البیان میں زیرِ آیت وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ہے، کہ چار صاحبوں نے ایک رکعت میں سارا قرآن ختم فرمایا ہے، حضرت عثمان بن عفان، تمیم داری اور سعید ابن جبیر اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم اجمعین، اور ہمسہ ابن منہال ایک ماہ میں نوّے ختم کرتے تھے، اور ابو الحسن علی ابن عبداللہ نے ایک دن میں چار ختم کئے، اور طحاوی شریف جلد اول باب جمع السوَرِ فی رکعۃ میں ہے، کہ حضرت تمیم داری، عبداللہ ابن زبیر، سعید ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک رکعت میں قرآن ختم کیا، غالباً رد المحتار کے مقدمہ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رمضان میں ۶۱ قرآن کریم ختم فرماتے تھے، امام نووی اپنی کتاب الاذکار کتاب تلاوۃ القرآن میں فرماتے ہیں، کہ بے شمار حضرات نے ایک رکعت میں قرآن ختم کیا، انہیں میں سے عثمان ابن عفان و تمیم داری اور سعید ابن جبیر بھی ہیں ۔

اِن تمام دلائل سے شبینہ ثابت ہوا، مگر شبینہ میں دو باتوں کا خیال رہے، ایک تو یہ کہ پڑھنے والا صحیح پڑھے، اور صاف پڑھے، حروف کو صحیح ادا کرے۔ فقط یَعْلَمُوْنَ تَعْلَمُوْنَ پڑھنے والا نہ ہو، دوسرے یہ کہ سُننے والے شوق سے سُنیں، یہ نہ ہو کہ لوگ بیٹھے ہوئے اُونگھ رہے ہیں جب کہ وقت رکوع ہوا، تو جھٹ سے تکبیر کہہ کر شریک ہو گئے، یہ دونوں باتیں منع ہیں (جس حدیث میں قرآن جلد ختم کرنے کی ممانعت ہے۔ اُس سے یہ ہی مراد ہے) جن حضرات نے ایک ہی رکعت میں ختم قرآن کیا ہے وہ اس قدر تیزی کے باوجود سمجھ کر قرآن پڑھتے ہیں ۔

آیت ۹۰: يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝

پارہ ۲۹، سورۂ مدثر، رکوع ۱ ۔ اے چادر اوڑھنے والے، کھڑے ہو جاؤ، پھر ڈرساؤ، اور اپنے رب ہی کی بڑائی بولو، اور اپنے کپڑے پاک رکھو ۔

یہ آیت کریمہ بھی نعتِ محبوب علیہ السلام ہے، اس کی شانِ نزول یہ ہے، کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ایک روز ہم حرا پہاڑ پر تھے، کہ ہم نے ایک غیبی آواز سُنی يَا مُحَمَّدُ اِنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ یعنی اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول ہیں، چاروں طرف دیکھا کوئی بولنے والا نظر نہ آیا، اوپر جب دیکھا، تو وہ ہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا اور وحی لایا تھا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ وہ کُرسی پر بیٹھا ہوا ندا کر رہا ہے، یعنی حضرت جبریل، اُس وقت ہم ہیبت سے حضرت خدیجہ کے پاس آئے، اور حکم دیا، کہ ہم کو چادر اوڑھا دو، جب چادر اوڑھی، تب یہ وحی آئی، کہ اے چادر اوڑھنے والے محبوب اُٹھو، اور کاموں میں مشغول ہو جاؤ، تبلیغِ دین کرو، تکبیر پڑھو اور کپڑوں کو پاک رکھو، جس طرح کہ مزمّل میں محبّت و کرم کا اظہار ہو رہا ہے، اسی طرح اس خطاب مدثّر میں بھی عین کرمِ پروردگار کا ظہور ہے ۔

اِس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں تکبیر تحریمہ فرض ہے اور کپڑوں کے پاک رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ اگر کبھی کپڑوں میں نجاست لگ جاوے تو دھو ڈالو، کیونکہ بلا ضرورت ناپاک کپڑا پہننا منع ہے، نماز کے سوا بھی انسان کو چاہیئے کہ پاک و صاف رہے، یا یہ مطلب ہے کہ تہبند اور کُرتہ یا پاجامہ اِس قدر نیچا نہ پہنو، جو گندگی میں خراب ہو، بلکہ سنّت تو یہ ہے کہ تہبند یا پاجامہ آدھی

پنڈلی تک پہنچے، اگر چاہے تو ٹخنے تک نیچا پہنے، مگر عورت اتنا نیچا تہبند یا پائجامہ پہنے جس سے ٹخنے چھپ جاویں، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب ۔

آیت ۹۱: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ط ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ط پارہ ۲۹، سورۂ قیامت، رکوع ۱، تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو، بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے، تو جب ہم اس کو پڑھ چکیں، اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو، بیشک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے ۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی نعت ہے، اس کی شانِ نزول یہ ہے، کہ حضور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر جب حضرت جبریل امین قرآن لاتے، تو حضور علیہ السلام حضرت جبریل سے سُننے کے وقت خود بھی پڑھتے تھے، اس لئے کہ یہ کلمات اچھی طرح یاد ہو جاویں، ساتھ ساتھ پڑھنے اور سُننے سے کسی قدر دشواری ہوتی تھی، رب تعالےٰ کو یہ تکلیف پسند نہ آئی، فرمادیا، اے محبوب آپ سُننے کے ساتھ پڑھنے کی تکلیف گوارا نہ کریں، ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں، کہ محض ایک بارسُن کر آپ کو یہ قرآن یاد بھی کرادیں گے ۔

اس میں دو طرح سے نعت ثابت ہوتی ہے، ایک تو اس طرح کہ محبوب علیہ السلام کی تھوڑی مشقت بھی رب تعالیٰ کو منظور نہیں، دوسرے اس طرح کہ آج قرآن کریم کے سیکھنے میں تین قسم کے لوگ سخت کوشش کرتے ہیں اور اپنی عمریں گذارتے ہیں، ایک تو حافظ حفظ کرنے میں بہت محنت کرتے ہیں، دوسرے قاری قرأت سیکھنے میں محنت اور جانفشانی کرتے ہیں، تیسرے علماء کہ قرآنی نکات اور مسائل سیکھنے میں عمریں گذار دیتے ہیں، اور پھر علیحدہ علیحدہ استادوں سے علم سیکھتے ہیں، مگر محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رب نے وعدہ فرمالیا کہ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس کو آپ کے سینہ میں جمع فرمادیں یعنی آپ کو اس کا حافظ بنادیں وَقُرْاٰنَهٗ ہمارے ذمہ اس کی قرأت سکھانا بھی ہے، ثُمَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ پھر ہمارے ذمہ ہے کہ اس قرآن کے علوم آپ سے بیان فرمادیں، تو یہ تینوں قسم کے علم جس میں لوگ عمریں خرچ کریں، اور محنت کریں، آپ کو بغیر تکلیف فرمائے ہوئے دیئے جائیں گے ۔

پھر اور تو علیحدہ علیحدہ استادوں سے سیکھیں، آپ کو یہ سب کچھ ہم سکھائیں گے، کتنی بڑی شانِ محبوب ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔

مسئلہ: چند شخصوں کا ایک ساتھ مل کر بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کرنا منع ہے، (شامی) یا تو سب لوگ آہستہ آہستہ پڑھیں یا ایک صاحب پڑھیں اور باقی لوگ سُنیں ۔

آیت ۹۲: عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ پارہ ۳۰، سورۂ عبس، رکوع ۱، وہ تو ترش رُو ہو گئے اور انہوں نے منہ پھیر لیا، اس پر کہ ان کے پاس ایک نابینا حاضر ہوئے اور تم کو کیا معلوم شاید کہ وہ ستھرا ہو ۔

یہ آیت کریمہ وہ ہے، جس کو لوگ کہتے ہیں کہ عتاب کے طور پر نازل فرمائی گئی ہے، لیکن ایمان کی آنکھ سے دیکھا جاوے، تو اس میں محبوب علیہ السلام کی وہ شان نظر آتی ہے کہ سبحان اللہ ۔

سب سے پہلے ضروری ہے کہ اس کی شانِ نزول معلوم کی جاوے، پھر اس پر غور کیا جائے کہ اس آیت کا مقصد کیا ہے ؟

اس آیت کریمہ کی شان نزول یہ ہے، کہ سردارانِ قریش ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ کی خواہش یہ تھی، کہ ہمارے واسطے علیحدہ مجلس وعظ حضور علیہ السلام مقرر فرمادیں، جس میں کوئی غریب صحابی شریک نہ ہوں، حضور علیہ السلام نے اس کو منظور فرمالیا اس اُمید پر کہ ان کو ہدایت ہو جاوے، تو اشاعت اسلام ہو، ایک مجلس تبلیغ مقرر فرمائی، جس میں یہ تمام سردارانِ قریش جمع تھے، اور حضور علیہ السلام وعظ فرما رہے تھے، اللہ کی شان کہ ایک نابینا صحابی جن کا اسم شریف ہے عبد اللہ ابن ام مکتوم حاضر بارگاہ ہوئے، چونکہ یہ نابینا تھے اس لئے دیکھ نہ سکے کہ یہ کیا ہو رہا ہے، اور بلند آواز سے عرض کرنے لگے کہ یا حبیب اللہ جو کچھ رب نے آپ کو سکھایا ہے مجھ کو بھی سکھایئے۔ اس وقت میں ان کا حاضر ہونا، اور وعظ کے درمیان ان کا بولنا اور اس طرح آواز دینا حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو کچھ ناگوار گذرا، سردارانِ قریش چلے گئے، حضور علیہ السلام اپنے مکان شریف میں تشریف لے گئے، ان کو کچھ جواب نہ دیا، دولت خانہ میں جاتے ہی یہ آیت کریمہ اُتری، جس میں محبوب علیہ السلام سے اس ترش روئی کی شکایت کی گئی ۔

مگر قرآن پاک کا طریقہ کلام تو دیکھو، یہ نہیں فرماتا کہ آپ نے ترش روئی کی، بلکہ فرماتا ہے، کہ

انہوں نے ترش روئی کی، یعنی ہمارے ایک محبوب ہیں صلے اللہ علیہ وسلم، اُن کو آج اپنے ایک نیازمند غلام سے کسی قدر ناراضگی ہوگئی۔ اے محبوب آپ تبلیغ اسلام میں اس قدر کیوں مشغول ہوجاتے ہیں کہ اگر آپ کی خدمت میں کوئی اپنا غلام آجائے تو آپ کو تکلیف ہوتی ہے ۔

اس کو لوگ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ یہ رب کی ناراضگی اور عتاب ہے اپنے محبوب علیہ السلام پر لیکن بڑے غور کی بات یہ ہے کہ ناراضی ہوتی ہے کسی قصور پر، یہاں یہ بتاؤ کہ حضور علیہ السلام سے معاذ اللہ کیا قصور ہوُا کہ ناراضی فرمائی جاوے؟ کیونکہ آپ تو تبلیغ کا کام انجام دے رہے تھے جو کہ آپ کا فرض منصبی تھا، کیا فرض ادا کرنے پر ناراضی ہوتی ہے، ہرگز نہیں، بلکہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم سے تین خطائیں ہوئیں، درمیانِ گفتگو میں بولنا، ندا کرکے پکارنا اور کلام مصطفےٰ علیہ السلام کو بیچ میں سے کاٹنا۔ اگر یہ آیت عتاب تھی تو حضرت عبداللہ کو عتاب ہوتا نہ کہ حضور علیہ السلام کو ۔

شیخ عبدالحق نے مدارج النبوت میں اور مثنوی شریف میں فرمایا ہے، کہ حقیقت میں یہ اپنے محبوب کے غلامِ بے نوا کی طرفداری ہے، کہ اے محبوب چونکہ وہ آپ کا نیازمند ہے۔ اس لئے ہماری بارگاہ میں اس کی خطائیں بھی معاف ہیں ۔

اسی لئے یہاں فرمایا گیا اَعْمٰی یعنی جو آپ کے عشق و محبت میں طریقہ گفتگو اور دنیاوی تہذیب سے بھی بے خبر ہے تو ہم سفارش کرتے ہیں کہ ایسے عاشقوں کے قصور اور خطائیں آپ بھی معاف فرمایا کریں، تو ایک عاشق کی سفارش ہے نہ کہ محبوب علیہ السلام پر عتاب، ورنہ اعتراض ہوگا، کہ قرآن کریم بے موقعہ اور بے محل بھی عتاب فرمادیتا ہے۔ اب اس تقریر سے معلوم ہوُا کہ یہ آیت پاک محبوب علیہ السلام کی شان کو دوبالا کررہی ہے، کہ اُن کے غلاموں کی خطائیں بھی اُن کی وجہ سے معاف فرمائی جاتی ہیں، اور محبوب علیہ السلام کو اُن سے راضی کیا گیا، یہ تو غلام ہیں، دشمنوں کے لئے فرمایا گیا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ اللہ تعالےٰ اُن کو عذاب نہ دے گا کیونکہ اُن میں آپ ہیں (صلے اللہ علیہ وسلم) ۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور علیہ السلام عبداللہ ابن ام مکتوم کی عزّت فرماتے تھے، اور چونکہ یہ آیت شریفہ ظاہر میں عتاب سی معلوم ہوتی ہے، اس لئے حضور علیہ السلام حضرت عبداللہ کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ وہ ہیں جن کے بارے میں مجھ کو میرے رب نے عتاب فرمایا۔

خیال رہے کہ عتاب، عذاب، عقاب میں فرق ہے، عتاب تو ہوتا ہے محبوب یا فرماں بردار بندے پر، عذاب ہوتا ہے نافرمان بندے پر، عقاب ہوتا ہے دشمن پر، شکایت محبوبانہ کو بھی عتاب کہہ سکتے ہیں، جس کے معنے ہیں شکوہ و شکایت ۔

ضروری ہدایت: تفسیر روح البیان نے اسی عَبَسَ وَتَوَلّٰى کی تفسیر میں لکھا ہے، کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک امام ہر نماز میں یہ ہی سورۃ پڑھا کرتا تھا، حضرت فاروق کو خبر ہوئی، تو آپ نے اُس امام کو بلا کر قتل کرادیا، کیونکہ ہر نماز میں یہ سورۃ پڑھنے سے معلوم فرمایا کہ یہ منافق ہے۔ اور اُس کے دل میں حضور علیہ السلام سے بغض ہے، اس لئے اس سورۃ ہی کو ہر نماز میں پڑھتا ہے، جو بظاہر عتاب معلوم ہوتی ہے، اس سے دو مسئلے بخوبی واضح ہوئے، ایک تو یہ کہ قرآن بھی بُری نیت سے پڑھنا کفر ہے، بعض لوگ یہ آیت ہر جگہ پڑھتے پھرتے ہیں قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اگرچہ پڑھتے تو قرآن کی آیت ہیں مگر نیت ہوتی ہے، حضور علیہ السلام کی اہانت کی، وہ آیات جن میں حضور علیہ السلام کے درجات بیان کئے گئے ہیں، اُن کو ہر جگہ کیوں نہیں پڑھتے۔ حدیث میں خارجیوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ ایک قوم ایسی پیدا ہوگی کہ قرآن پڑھے گی اور قرآن اُن کے گلے سے نیچے نہ اُترے گا یا کہ قرآن اُن پر لعنت کریگا وہ اسی قسم کے لوگ ہیں ۔

دوسرے یہ کہ اس سے معلوم ہوُا کہ بعض آیات بعض سے درجہ میں افضل ہیں، ایک صحابی ہر نماز میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے، حضور علیہ السلام نے پوچھا کہ تم یہ کیوں کرتے ہو؟ عرض کیا کہ اس میں میرے رب کے صفات کا ذکر ہے، اس لئے مجھے یہ سورۃ پیاری معلوم ہوتی ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اُس سے کہدو رب تعالیٰ اُس سے محبت فرماتا ہے (مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن)۔ روح البیان نے پارہ پنجم زیر آیت وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فرمایا ہے، کہ صفات اور ذات کی آیات اُن آیات سے افضل ہیں، جن میں کچھ اور ذکر ہے، لہٰذا قُلْ هُوَ اللّٰهُ، تَبَّتْ سے افضل ہے، کیونکہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ میں تو ذکر بھی بہتر، اور جس کا ذکر ہوُا وہ بھی اعلےٰ، مگر تَبَّتْ میں ذکر تو بہتر مگر جس کا ذکر ہوُا یعنی ابولہب وہ بہتر نہیں، تو قُلْ هُوَ اللّٰهُ دو وجہ سے بہتر ہے، اور تَبَّتْ ایک وجہ سے ۔

ہماری اس تحقیق سے یہ ضرور معلوم ہوُا کہ جن آیات میں حضور علیہ السلام کی نعت بیان ہوئی وہ

ان آیات سے افضل ہیں، کہ جن کو بعض لوگ عتاب سمجھتے ہیں۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

آیت ۹۳: لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ ۙ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِھٰذَا الْبَلَدِ ۙ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ

پارہ ۳۰، سورۂ بلد، رکوع ۱: مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو، اور تمہارے باپ ابراہیم کی قسم اور ان کی اولاد (یعنی تمہاری) قسم۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی چمکتی ہوئی نعت پاک ہے، اس میں فرمایا گیا ہے کہ جس کو حضور علیہ السلام سے نسبت ہو جاوے وہ عظمت والا ہے، یہ آیت کریمہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی، اس میں فرمایا گیا کہ اے محبوب اس شہر مکہ مکرمہ کی قسم، مگر قسم فرمانے کی وجہ کیا ہے؟ کہ تم وہاں ہو، جس سے معلوم ہوا کہ مکہ شریف کو یہ عزت اسے پیارے تمہارے دم سے ملی۔

مکہ معظمہ میں چند خوبیاں ہیں: اولاً تو یہ کہ اس کو حضرت خلیل نے بسایا، اور اس کے لئے دعائیں کیں، دوسرے یہ کہ حضرت اسمٰعیل نے وہاں پرورش پائی، تیسرے یہ کہ وہاں اللہ کا گھر موجود، جو دنیا کا قبلہ اور بیت المعمور کے مقابل، چوتھے یہ کہ نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم کا جائے قیام۔ پہلی تین باتیں تو مکہ مکرمہ میں بعد ہجرت بھی موجود رہیں، مگر چوتھی بات نہ رہی، تو آیت میں فرمایا گیا کہ اس شہر کی قسم فرمانا ان تین وجوں سے نہیں بلکہ تمہارے قدم کی برکت سے ہے۔

مسئلہ: فقہاء کا اس میں اتفاق ہے، کہ حضور علیہ السلام کی قبر انور کا وہ حصہ جو جسم پاک سے ملا ہوا ہے خانہ کعبہ اور عرش اعظم سے بھی زیادہ افضل ہے۔ دیکھو شامی کتاب الحج اور مدارج وغیرہ۔ اور اس میں بھی اتفاق ہے کہ خانہ کعبہ مدینہ منورہ کی بستی سے افضل ہے، مگر اختلاف اس میں ہے کہ شہر مدینہ منورہ اور شہر مکہ مکرمہ ان میں آپس میں کون افضل ہے، تین امام تو فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کا شہر، شہر مدینہ منورہ سے افضل ہے، کیونکہ وہاں حج ہوتا ہے، وہاں ہر ایک نیک عمل کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے، اور مدینہ پاک میں ہر نیک عمل کا ثواب پچاس ہزار کے برابر، اور اس کو حضرت خلیل نے آباد کیا اور اس کے لئے دعائیں کیں، مگر حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شہر مدینہ طیبہ مکہ معظمہ شہر سے افضل ہے۔ دیکھو اس کی پوری بحث نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض میں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند دلائل ہیں، ایک تو یہی آیت لَآ اُقْسِمُ جس سے معلوم ہوا کہ حضور جہاں تشریف فرما ہوں وہ جگہ افضل ہے۔ تو ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ افضل تھا اور بعد ہجرت مدینہ پاک، دوسرے یہ کہ مکہ مکرمہ میں فرش والوں کا حج ہوتا ہے، اور مدینہ پاک میں عرش والے فرشتوں کا حج ہوتا ہے، کہ ستر ہزار صبح کو اور ستر ہزار شام کو ملائکہ روضہ پاک پر حاضر ہوتے ہیں، اور اس کو گھیر کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں (مشکوٰۃ باب الکرامات)۔ پھر مکہ مکرمہ میں حج تو سال میں ایک بار ہوتا ہے، مگر مدینہ کا حج جو فرشتے کرتے ہیں، وہ ہر روز صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک، مکہ مکرمہ میں ہر نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے، تو ہر بدی کا گناہ بھی ایک لاکھ ہے، یعنی وہ جگہ جمال و جلال کی ہے، مگر مدینہ پاک میں محض جمال۔ کہ نیکی کا ثواب تو ایک لاکھ کے برابر، اور بدی کا گناہ صرف ایک ہی بدی کے برابر، وہ بھی اگر باقی رہے، ورنہ امید ہے کہ حضور علیہ السلام کی شفاعت سے معاف ہو جاوے، اعلیحضرت نے خوب فرمایا ہے

عاصی بھی ہیں چہیتے یہ طیبہ ہے زاہدو ✽ مکہ نہیں کہ جانچ جہاں خیر و شر کی ہے
شانِ جمالِ طیبۂ جاناں ہے نفع محض ✽ وسعت جلالِ مکہ میں سود و ضرر کی ہے

اور یہ جو فرمایا گیا ہے، کہ مکہ مکرمہ میں ہر نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے، اور مدینہ پاک میں ۵۰ ہزار، یہ تو تھا ثواب، مگر اگر درجۂ مقبولیت دیکھا جاوے، تو مدینہ پاک کی ایک ایک رکعت مکہ مکرمہ کی پچاس پچاس ہزار رکعتوں کے برابر ہے، مکہ مکرمہ کو خلیل اللہ نے آباد کیا، مگر مدینہ پاک کو حبیب اللہ نے آباد کیا، مکہ مکرمہ کے لئے خلیل اللہ نے دعائیں کیں، مگر مدینہ پاک کے لئے اللہ کے محبوب علیہ السلام نے دعائیں فرمائیں کہ خدایا اس مدینہ میں مکہ مکرمہ سے دوگنی برکتیں اور رحمتیں نازل فرما اور مکہ مکرمہ میں بے شک خانہ کعبہ اور مقامِ ابراہیم اور آبِ زمزم اور عرفات اور منیٰ وغیرہ ہے، مگر مدینہ پاک میں وہ دولہا ہیں جن کے دم کی یہ ساری برات ہے

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ ✽ لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

اگر مدینہ کے دولہا نہ ہوتے، تو نہ خلیل اللہ ہوتے، نہ کعبہ، نہ عرفات، نہ منیٰ صلے اللہ علیہ وسلم یہ تو تھا اختلاف اماموں کا، اس کا فیصلہ کیونکر ہو، سب سے مبارک فیصلہ وہ ہے، جو کہ اعلیحضرت قدس سرہٗ نے فرمایا، فرماتے ہیں

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد ٭ ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

کعبہ دولہن ہے روضۂ اطہر بنی دولہن ٭ یہ رشکِ آفتاب وہ غیرت قمر کی ہے
دونوں بنیں اپنلی سجیلی دولہن مگر ٭ جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنوز کی ہے
سرسبزِ وصل یہ ہے سیہ پوش ہجر وہ ٭ ظاہر دوپٹوں سے ہے جو حالت جگر کی ہے

کعبہ معظمہ میں ہر چیز سیاہ رنگ کی ہے، کعبہ معظمہ کے پتھر کعبہ شریف کا غلاف سنگِ اسود غرضکہ ہر چیز سیاہ رنگ کی ہے، اور مدینہ پاک کی ہر چیز سبز رنگ کی، سارے مدینہ پاک کی زمین میں سبزہ، روضۂ پاک کا رنگ سبز، غلاف سبز، اور سیاہ رنگ ہجر میں ہوتا ہے، اور سبز وصال میں مدینہ پاک کو دولہا کا وصال اور کعبہ معظمہ کو دولہا کا فراق ہے، مثنوی شریف میں ہے ؎

گفت معشوقے بعاشق اے فتی ٭ تو بغربت دیدۂ بس شہرہا
پس کدامی زاںہا خوشتر است ٭ گفت آں شہرے کہ دروے دلبر است

یعنی کسی معشوق نے اپنے عاشق سے پوچھا کہ تُو نے بحر و بر کی سیر کی ہے؟ بتا کہ اُن میں سے کونسا شہر اچھا ہے؟ جواب دیا کہ وہ شہر اچھا جہاں اپنا محبوب ہو۔

ڈاکٹر اقبال نے اس کو خوب بنایا ؎

خاکِ طیبہ از دو عالم خوشتر است ٭ اے خنک شہرے کہ دروے دلبر است

مدینہ پاک کی خاک شریف دونوں جہان سے افضل ہے، کیونکہ یہاں اپنا محبوب جلوہ افروز ہے، صلے اللہ علیہ وسلم۔ اگرچہ کشمیر اور پیرس بڑے خوبصورت علاقے ہیں، مگر رب تعالیٰ کی نظرِ انتخاب جس شہر پر پڑی، وہ مدینہ منورہ ہے، اس زمین پر لاکھوں کشمیر قربان ہوں۔

لطیفہ: اعلیحضرت قدس سرہٗ العزیز نے ایک شعر لکھا ہے ؎

غور سے سُن تو رضاؔ کعبہ سے آتی ہے صدا ٭ میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

اس کا مطلب یہ ہے کہ خانہ کعبہ کا پرنالہ جس کو کہتے ہیں میزاب رحمت بالکل روضۂ رسول علیہ السلام کے سامنے ہے، اور اگر کسی کی دکان گلی میں ہوتی ہے، تو وہ لبِ سڑک ایک ہاتھ لکڑی وغیرہ کا لگا کر اس پر لکھتا ہے کہ فلاں چیز کی دکان سامنے ہے چلے جاؤ، تو فرماتے ہیں کہ کعبہ کا پرنالہ وہ رہبری

کرنے والا ہاتھ ہے کہ اے حاجیو حج تو کرلیا، لیکن اس حج کو قبول کرانے کے لئے شفیع المذنبین کی بارگاہ میں چلے جاؤ، دیکھو وہ ہرے گنبد میں آرام فرما ہیں۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے، کہ والد سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ولد سے مراد حضور علیہ السلام ہیں، یعنی اُن باپ کی اور اِن فرزند کی قسم۔ اور یہ بھی ہے کہ والد سے مراد حضور علیہ السلام اور ولد سے مراد حضور علیہ السلام کی اُمّت ہے، جیسا کہ خود حدیث پاک میں آیا ہے، کہ اے مسلمانو! میں تمہارے لئے مثل والد کے ہوں، اسی لئے اُن کی پاک بیویاں مسلمانوں کی والدہ ہیں، انتہیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ والد سے مراد حضور علیہ السلام ہوں اور ما ولد سے مراد آپ کے اہلِ بیت یعنی اولاد پاک ہو، تو اس سے حضور علیہ السلام کے نسب کی عظمت ثابت ہوئی۔ حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن کوئی نسب اور کوئی سبب کام نہ آوے گا، سوائے ہمارے نسب اور سبب کے (سبب سے مراد ہے سسرالی رشتہ) دیکھو (شامی جلد اول بحث غسل میّت) اسی لئے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ زہرا کی صاحبزادی ام کلثوم سے نکاح کیا، تاکہ اُن کو دو طرح حضور علیہ السلام سے سسرالی رشتہ ہو جاوے۔ ایک تو آپ حضور علیہ السلام کے خسر ہیں، دوسرے اب حضرت فاطمہ زہرا کے داماد۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

رہی یہ تحقیق کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آل کون ہیں، اور کتنی قسم کے ہیں، درود پاک میں آل سے کونسی آل مراد ہے وہ ہمارے فتاویٰ میں دیکھو۔

آیت ۹۴: وَالضُّحٰی ۙ وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ؕ وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ؕ وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ؕ پارہ ۳۰، سورۂ والضحیٰ رکوع ۱۔ چاشت کی قسم، اور رات کی قسم، جب وہ پردہ ڈالے کہ تم کو تمہارے رب نے نہ چھوڑا، اور نہ مکروہ جانا، اور بے شک تمہارے لئے پچھلی پہلی سے بہتر ہے، اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

یہ پوری سورۃ کیا ہے محبوب علیہ السلام کی نعتوں کا خزانہ ہے، اگر اس کی تفسیر کی جاوے تو دفتر چاہئیں، کچھ اختصار کے ساتھ عرض کرتا ہوں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبول فرما دیں آمین

اس سورت کا شانِ نزول یہ ہے، کہ ایک دفعہ کچھ روز کے لئے وحی آنا رُک گئی، تو کفارِ مکہ نے بطورِ تمسخر کے کہا کہ محبوب علیہ السلام کو اُن کے رب نے چھوڑ دیا، اور اُن سے ناراض ہو گیا، اُن بے دینوں کے جواب میں یہ سورۃ شریف نازل ہوئی، جس میں رب نے قسم کے ساتھ فرمایا، کہ مَیں نے اپنے محبوب کو نہ چھوڑا، اور نہ مَیں اُن سے ناراض ہوا۔ مگر لطف یہ ہے کہ کہا تھا کفار نے، مگر جواب دیا گیا حضور علیہ السلام کو، کہ اے پیارے فلاں فلاں چیزوں کی قسم تمہارے رب نے تم کو نہ چھوڑا، نہ بُرا جانا، اوّل تو یہ ہی ایک اعلیٰ درجہ کی نعت ہوئی ۔

اب چاشت اور رات سے کیا مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے چند قول ہیں، ایک تو یہ کہ چاشت یعنی دوپہر سے مراد وہ دوپہر ہے جبکہ حضرت موسےٰ علیہ السلام معجزے میں جادوگروں پر غالب آئے، اور جادوگر سجدے میں گرے، جس کو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًی اور رات سے مراد معراج کی رات ہے، تو معنےٰ یہ ہوئے، کہ اُس دوپہر اور معراج کی رات کی قسم، دوسرا قول یہ ہے کہ دوپہر سے مراد رُخِ پاک مصطفےٰ ہے، اور رات سے مراد آپ کے گیسوئے پاک ہیں۔ یعنی آپ کے چہرۂ انور کی قسم، جو مثل روشن دن کے ہے، اور آپ کے ان مبارک گیسوؤں کی قسم جو کبھی کبھی اس آفتاب پر مثل رحمت کے بادل کے پڑ جاتی ہیں، یعنی آپ کے چہرۂ پاک پر آپ کے گیسو چھا جاتے ہیں (روح البیان و تفسیر خزائن العرفان) نہ تو آپ کو رب نے چھوڑا اور نہ ناراض ہوا، کیونکہ آپ ہیں محبوب، اور بھلا محبوب بھی چھوڑے جاتے ہیں؟ ۔

مسئلہ: چاشت کی نماز سنّت ہے، اور اُس کا وقت جب سے شروع ہوتا ہے، کہ آفتاب بلند اور گرم ہو جاوے، اور زوال پر ختم ہو جاتا ہے، اور اس نماز میں یا تو دو رکعتیں ہیں یا چار ایک ہی سلام سے ۔ آخرت پہلی سے بہتر ہے، اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ دنیا سے آخرت آپ کے لئے بہتر ہے، کیونکہ یہاں بعض بدگو دشمن بھی ہیں، اور اُس وقت کوئی بدگو نہ ہوگا سب پر آپ کی عزّت کا ظہور ہوگا، حوضِ کوثر، شفاعت، مقامِ محمود غرضکہ تمامتر کمالات اُسی دن ظاہر کئے جاویں گے۔ اور یہ بھی معنے ہو سکتے ہیں کہ ہر پچھلی ساعت آپ کے لئے اگلی ساعت سے افضل ہے، یعنی آپ کو ہر آن اور ہر ساعت ترقی ہی ترقی ہے، اور آپ کی عزّت و عظمت بڑھتی ہی جاوے گی، اور آپ کو آپ کا رب اس قدر دے گا، آپ راضی ہو جائیں گے ۔

یہ آیت اُن نعمتوں کو شامل ہے، جو دین و دنیا میں عطا فرما دی گئیں یا عطا فرمائی جاویں گی ۔

زمانۂ حیاتِ ظاہری میں ملکوں کا فتح ہونا، صحابہ کرام کے زمانہ میں فتوحات ہونا، مشرق و مغرب میں اسلام کا پھیلنا اور آپ کی اُمّت کا تمام اُمّتوں سے افضل ہونا، اور آپ کے معجزات کا اظہار ہونا، اسی طرح آخرت میں شفاعت، حوضِ کوثر وغیرہ کا ہونا سب ہی اس میں داخل ہیں ۔

مسلم شریف میں ہے، کہ ایک بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رو رو کر اُمّت کے لئے دعائیں فرمائیں، حضرت جبریل کو حکم ہوا، کہ ہمارے محبوب سے پوچھو رونے کا کیا سبب ہے؟ جبریلِ امین نے آکر دریافت فرمایا، تو ارشاد ہوا کہ اُمّت کا غم ہم کو رلاتا ہے، رب کا ارشاد ہوا کہ جبریل تم محبوب سے کہدو، کہ ہم تم کو تمہاری اُمّت کے بارے میں راضی کر لیں گے، یعنی اتنا بخشیں گے، کہ تم راضی ہو جاؤ گے ۔

دوسری حدیث پاک میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کو سُن کر فرمایا، کہ جب تک میرا ایک اُمّتی بھی دوزخ میں رہے، مَیں راضی نہ ہوں گا (تفسیر خزائن العرفان) ۔

لطیفہ: تمام لوگ تو رب کو راضی کرنے کی ہزارہا کوشش کرتے ہیں۔ مگر محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ شان ہے، کہ رب تعالیٰ اُن کو دے دے کر مناتا ہے۔ صلے اللہ علیہ وسلم ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین ماجدین کی بخشش بھی اس میں شامل ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ فرزند جنّت میں ہوں اور والدین جہنّم میں۔ اس کی پوری بحث ہم لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ میں کر چکے ہیں ۔

آیت ۹۵: وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ پارہ ۳۰، سورۃ والضحیٰ ۔ اور تم کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا، تو اپنی طرف راہ دی ۔

اس سے پہلے والی آیت میں آچکا ہے، کہ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی کیا ہم نے آپ کو یتیم نہ پایا، پھر آپ کو جگہ دے دی، اس کا مطلب ایک تو یہ بیان کیا گیا ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت پاک سے پہلے آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفات پا چکے تھے، اور پھر آپ کی پرورش کے ابوطالب ذمہ دار بنے۔ دوسرے معنے یہ ہیں کہ آپ کو دُرِّ یتیم یعنی بیش قیمت موتی پایا، تو آپ کو اپنے قرب میں جگہ عنایت فرما دی، کیونکہ قیمتی موتی پاس ہی رکھا جاتا ہے

اب فرمایا کہ آپ کو ضال پایا، اس کی بہت سی تفسیریں ہیں، ضال کے معنٰے گمراہ تو ہو سکتے ہی نہیں، دیکھو ہماری کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمتِ انبیاء، اس کے چند معنٰے کئے گئے ہیں، ایک تو یہ کہ آپ ہماری محبّت میں ایسے خود رفتہ تھے، کہ آپ کو اپنے درجات کی اور اپنے نفس کی خبر نہ رہی تھی، تو ہم نے آپ کو اس درجہ سے ترقی دے کر سلوک دیا، اس سے معلوم ہوا کہ جذبہ سے سلوک افضل ہے

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے جب یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ کو یوسف علیہ السلام کی خوشبو آرہی ہے، تو انہوں نے عرض کیا قَالُوْا تَاللّٰہِ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ خدا کی قسم آپ تو اپنی اسی پرانی وارفتگی میں ہیں، یہاں ضلال کے معنٰے گمراہی نہیں ہو سکتے ہیں، بلکہ محبت میں از خود رفتہ، وہ ہی معنٰے یہاں بھی ہیں، یا یہ معنٰے ہیں کہ ایک وقت آپ اس قدر علمی کمالات سے موصوف نہ تھے، آپ کو مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم دیا، اور تمام نامعلوم باتیں آپ کو بتا دیں، اور غیب کے اسرار آپ پر کھول دیئے (تفسیر روح البیان و خزائن العرفان)۔

تیسرے یہ کہ ضال اس پانی کو کہتے ہیں کہ جو دودھ میں مل جاوے، تو معنٰے یہ ہوئے، کہ آپ کفار میں گھرے ہوئے تھے، آپ کو غالب کر دیا۔

چوتھے یہ کہ عربی زبان میں ضال اس درخت کو کہتے ہیں جو جنگل میں اکیلا اور نہایت ہی اونچا ہو، جس کو لوگ دور سے دیکھ کر راستہ معلوم کر لیں، تو معنٰے یہ ہوئے، کہ ہم نے آپ کو ملک عرب میں بے مثل اور ان صفات میں اکیلا پایا، تو آپ کی وجہ سے لوگوں کو ہدایت کر دی، ہدیٰ کا مفعول قوم ہے (مدارج النبوت جلد اوّل باب سوم)۔

پانچویں یہ کہ ایک بار بچپن شریف میں حضور علیہ السلام حضرت حلیمہ دائی سے گم ہو گئے بہت محنت اور مشقت کے بعد ابو جہل نے آپ کو پایا، اور عبد المطلب تک پہنچایا، تو معنٰے یہ ہوئے کہ ہم نے آپ کو لڑکپن شریف میں گما ہوا پایا، تو لوگوں کو آپ تک پہنچنے کی راہ دکھا دی۔

چھٹے معنٰے یہ ہیں، کہ ہم نے آپ کو گمراہوں میں پایا یعنی جس قوم میں آپ نے پرورش پائی، ان میں اب تک کسی کو بھی نبوت کا نور نہ پہنچا تھا، اس قوم میں آپ کو ہدایت پر رکھا، ورنہ بے علم قوم میں عالم کس طرح ہو یعنی اگر ہم آپ کو معصوم پیدا نہ فرماتے، اور ہدایت پر رہتے (روح البیان و مدارج)۔

ساتویں معنٰے یہ ہیں، کہ شب معراج میں آپ کو اپنی صفتوں سے ناواقف پایا، تو آپ کو اپنی ان صفتوں سے خبردار کر دیا، تاکہ ہماری بارگاہ میں آکر ان سے ہماری حمد کریں (مدارج) اور بھی بہت سے اس کے معنٰے ہو سکتے ہیں۔

مسئلہ: انبیائے کرام گمراہی اور کفر سے ہمیشہ معصوم ہوتے ہیں، جو کوئی ان کو نبوت سے پہلے یا نبوت کے بعد کسی آن میں کافر یا گمراہ مانے، وہ خود بے دین ہے، حضرت آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی کلمہ طیبہ ساق عرش پر لکھا ہوا پڑھ لیا، حضرت عیسٰی علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اور نبی اور صاحب کتاب ہوں، اپنی والدہ ماجدہ کی اطاعت کرنے والا اور نماز کا قائم رکھنے والا ہوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زبان کھولتے ہی اپنی والدہ اور چچا کو اور اپنی قوم کو توحید کا سبق پڑھایا، جب یہ حضرات لڑکپن شریف میں عارف باللہ ہوں تو کون سا وقت ان کی گمراہی کا ہو سکتا ہے؟

اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرمایا، اپنی امت کے لئے دعاء مغفرت فرمائی، اور خبر دی کہ ہم دنیا میں ظاہر ہونے سے پہلے نبی تھے، تو پھر گمراہی کیسی؟

رب کریم نے فرمایا مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی تمہارے محبوب کبھی گمراہ نہ ہوئے، اس لئے یہاں ضال کے وہ معنٰے کرنے ہوں گے، جو ہم نے بیان کئے۔

غرضکہ سورۂ والضحٰی شریف پوری حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف ہے، صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلٰے آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

آیت ۹۶: اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ ۝ پارہ ۳۰، سورۂ الم نشرح، رکوع ۱۔ کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا، اور تم پر سے تمہارا بوجھ اتار لیا، جس نے تمہاری پیٹھ توڑ دی تھی۔

یہ پوری سورۃ بھی حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی نعتوں کا گلدستہ ہے، اول آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے تمہارا سینہ نہ کشادہ کر دیا، سینہ کشادہ کرنے کے چند معنٰے مفسرین نے بیان کئے ہیں، ایک تو یہ کہ اس سے مراد ہے سینہ پاک کا چاک فرمایا، کہ تین بار حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام کا سینہ پاک چاک کیا، اور اس سے دل مبارک کو نکال کر شاور آب زمزم سے دھویا، ایک

توجبکہ آپ کی عمر شریف پانچ سال کی تھی، اور آپ حضرت حلیمہ دائی کے ہاں پرورش پارہے تھے
اس کا پورا واقعہ کتب تواریخ میں دیکھو، اور دوسرے جب جبکہ وحی کی ابتدا کی گئی، اور تیسرے
شب معراج میں جبریل نے سینہ سے ناف تک کے حصّہ کو چیرا، اور حضرت میکائیل ایک طشت
بھر زمزم کا پانی لائے، اور جبریل امین نے دل مبارک کو اس سے دھویا۔ دوسرا طشت نور معرفت
اور حکمت، نور ایمان کا بھرا ہوا تھا، اس کو حضور علیہ السلام کے قلب میں لوٹ دیا، لیکن اس شق
صدر (سینہ چیرنے) میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوتی تھی۔

دوسرے یہ کہ اس سے مراد ہے سینہ کشادہ کر تاکہ نورِ نبوت اور اسرار الٰہیہ اور علوم غیب کا
وہ سینہ پاک حامل بن سکے، ورنہ ہر دل میں یہ برداشت نہیں، یہاں تک کہ اس سینہ میں عالم غیب
اور عالم شہادت سما گئے۔

تیسرے یہ کہ آپ کا سینہ پاک اس قدر وسیع بنایا، کہ دنیا سے تعلق تو خدا سے غافل نہیں
کرتا، اور رب سے علاقہ دنیا سے بے خبر نہیں ہونے دیتا یعنی ایک ہی وقت میں پوری طرح رب
سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ اور دنیا سے بھی بے خبر نہیں ہوتے، ورنہ دنیاداری سے آدمی دین سے
غافل ہو جاتا ہے، اور دیندار دنیا کی خبر نہیں رکھتے، یہ حضور علیہ السلام ہی کا سینہ پاک ہے۔
کہ ہر طرف متوجہ ہے۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر دنیا میں ہیں شاغل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدّد کا

آج قبر انور میں بھی کیا لطف ہے، روزانہ کروڑوں درود پاک پہنچتے ہیں، ان کو متوجہ ہو کر سننا
ملائکہ صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں، ان کی طرف توجہ فرمانا، تمام امت کے برے اور اچھے اعمال پیش ہونا،
ان کی شفاعت فرمانا، پھر رب تعالیٰ سے بھی راز و نیاز، پھر تمام عالم میں رب کی نعمتیں تقسیم فرمانا اَللّٰہُ
الْمُعْطِیْ وَاَنَا قَاسِمٌ غرضکہ ایک جان پاک ہے اور فکر جہاں۔ صلے اللہ علیہ وسلم
بوجھ اتارنے کے یہ معنے ہیں کہ پہلے ہمیشہ دل مبارک گنہگار امت کے غم میں غمگین رہتا تھا،
پھر حضور علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے وعدۂ مغفرت فرما کر تسکین دے دی، بعض مفسرین فرماتے
ہیں، کہ مکہ مکرمہ میں شرک اور بت پرستی ہوتے ہوئے دیکھ کر دل پاک کو تکلیف ہوتی تھی، اور اس کے

روکنے پر بظاہر قدرت نہ تھی، بعد میں آپ کو قوت عطا فرمائی، کہ تمام عرب سے بت پرستی کو دور فرما دیا،
اور خانہ کعبہ کو بتوں کی نجاست سے پاک فرمادیا، اور بت پرستوں کو خدا پرست فرمادیا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی
عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

آیت ۹۷: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ پارہ ۳۰، سورۃ الم نشرح، رکوع ۱۔ اور ہم نے
تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

یہ آیت کریمہ بظاہر تو مختصر سی ہے، مگر اس کے ایک ایک کلمہ میں جس قدر نعت محبوب
ہے، اس کے بیان سے زبان و قلم قاصر ہیں، صرف چار طرح اس سے نعت پاک بیان کرتا ہوں
رفعت کے معنی۔ رب تعالیٰ نے اس بلندی کو اپنی طرف نسبت کیوں دی، کہ ہم نے آپ
کا ذکر اونچا کر دیا، اور لَکَ یعنی تمہارے لئے کیوں زیادہ فرمایا، اور حضور علیہ السلام کے ذکر سے
کیا مراد؟۔

(۱) رفعت کے معنے ہیں بلندی، رفعنا کے معنے ہوئے ہم نے اونچا کر دیا آپ کا ذکر، اس
اونچا کرنے کے معنے میں بہت ہی گنجائش ہے، اولاً تو یہ کہ تمام بڑوں کے ذکر تو زمین پر، مگر محبوب
علیہ السلام کا چرچا زمین پر بھی اور آسمان پر بھی، جنت میں بھی ہے

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں ۔ خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

شاعر کا خیال سب سے زیادہ اونچا اڑتا ہے، مگر جہاں کہ شاعر کا خیال بھی نہ پہنچ سکے وہ مرتبہ
ہے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا۔ حضرت حسان فرماتے ہیں ہے

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ ۔ لٰكِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

میں نے اپنے کلام سے محبوب علیہ السلام کی تعریف نہ کی، بلکہ ان کے ذکر پاک سے اپنے
کلام کو قابل تعریف بنالیا۔

دوسرے اس طرح کہ ہر جگہ دیکھو جہاں رب کا نام وہاں محبوب علیہ السلام کا نام پاک، کلمہ
اذان، نماز، التحیات وخطبہ وغیرہ۔ تیسرے اس طرح کہ قرآن میں اور انبیاء کا ذکر ان کے
پاک ناموں سے اور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور ندا اچھے اچھے اوصاف سے۔
چوتھے اس طرح کہ بڑے بڑے نام آور دنیا سے ایسے گئے کہ ان کا نام بھی مٹ گیا مگر مٹا تو

تو اُن کا چرچا، لوگوں نے اُن کا ذکر بند کرنے کی بہت کوشش کی، بدعت کہا، شرک کے فتوے لگائے مگر وہ خود مٹ گئے، حضور علیہ السلام کا ذکر نہ مٹ سکا، رب نے حضور سے وعدہ فرمایا تھا۔

روئقت را بعد روز افزوں کنم ⁂ نام تو بر نقرہ و بر زر زنم

منبر و محراب سازم بہرِ تو ⁂ از محبت قہرِ من در قہرِ تو

چاکرانت ملکہا گیرند وجاہ ⁂ دین تو باقی زماہی تا بماہ

تاقیامت باقیش داریم ما ⁂ تو مترس از نسخ دیں اے مصطفےٰ

من ترا در ہر دو عالم حافظم ⁂ طاعناں را از حدیثت دافعم

پانچویں اس طرح کہ سارے ملائکہ اور نبیوں سے آپ پر درود سلام پڑھوا دیا گیا ؛

چھٹے اس طرح کہ میثاق کے دن سارے نبیوں نے آپ کا کلمہ پڑھا وغیرہ وغیرہ ؛

(۲) بلندی کو اپنی طرف اس لئے نسبت کیا کہ کسی کو عزت ملتی ہے کُنبہ سے، کسی کو دولت سے، کسی کو کسی خاص دن میں پیدا ہونے سے، کسی کو کسی کی وجہ سے، مگر ہمارے محبوب کو کسی سے عزت نہیں ملی، بلکہ سب کو اُن سے عزت ملی، اور اُن کو اُن کے رب نے عزت دی، اسی لئے آپ کی ولادت پاک نہ تو جمعہ کو ہوئی، نہ شنبہ کو اور نہ اتوار کو اور نہ منگل کو، کیونکہ جمعہ تو اسلام کا معظم دن ہونے والا تھا، اور شنبہ یہودیوں کا، اتوار عیسائیوں کا، اور منگل مشرکین کا، دوشنبہ کو ولادت ہوئی تاکہ اس دن کو حضرت سے عزت ملے ؛

اسی طرح رمضان وغیرہ کسی مشہور مہینہ میں ولادت نہ ہوئی، بلکہ ربیع الاول میں ہوئی تاکہ اس مہینہ کو حضور علیہ السلام سے عزت ملے، نیز آپ کی ولادت بیت المقدس میں نہ ہوئی، کہ کوئی کہتا چونکہ وہ نبیوں کا شہر ہے، اس لئے اس جگہ پیدا ہونے سے آپ کی عزت بڑھ گئی، اور نہ کسی سرسبز ملک میں ولادت ہوئی، کہ کوئی سیر کرنے کو جائے اور زیارت بھی کر آئے، بلکہ مکہ مکرمہ عرب کا خشک ملک آپ کی ولادت کے لئے منتخب کیا گیا، پھر مکہ شریف میں آپ کو نہ رکھا گیا۔ کہ کوئی شخص آپ کی زیارت حج کے طفیل نہ کرے، بلکہ مدینہ پاک میں رکھا گیا کہ زیارت سرکار کے لئے علیحدہ سفر کرو، کعبہ کی طرف بھی نماز اسی لئے ہوتی ہے کہ محبوب نے اس کو قبلہ بنا دیا، اس کی شرح ہم دوسرے سیپارہ میں کر چکے ہیں ؛

اسی لئے پہلے بیت المقدس کو قبلہ بنایا، اور پھر کعبہ کو، کہ اگر پہلے ہی سے کعبہ معظمہ قبلہ ہوتا، تو محبوب علیہ السلام کی یہ شان ظاہر نہ ہوتی ؛

حق یہ ہے کہ دنیا و آخرت، دوزخ و جنّت، مومن و کافر بلکہ شیاطین بھی اُنہی کی رفعتِ ذکر کے لئے بنائے گئے، کہ مومن تو اُن کے گیت گائیں، کفار اُن کا ذکر روکیں تو ذکر کی اور بھی اشاعت ہو، جنّت میں اُن کے فرماں بردار جائیں، اور دوزخ میں اُن کے دشمن ٹھونس دیئے جائیں،

دیکھو رب نے شیطان کو علم و عبادت، تقرب، تصرف سب کچھ دے کر ایک سجدے کے انکار سے مردود کیا، اُسے بلند کر کے نیچے گرایا، تاکہ قیامت تک کے علماء، صوفی، مشائخ، عابد عارف عبرت پکڑیں، کہ اس بارگاہ کی بے ادبی سے سارا کیا کرایا اکارت جاتا ہے، سجدۂ آدم دراصل نورِ محمدی کو سجدہ تھا ؛

آدمی اپنی بنائی چیز خود بگاڑ سکتا ہے، مگر رب کی بنائی چیز کسی کے بگاڑے نہیں بگڑتی، گیس و چراغ آدمی بجھا سکتا ہے، کیونکہ انہیں آدمیوں نے ہی روشن کیا تھا، لیکن چاند سورج کسی کی پھونک سے نہیں بجھتے، کیونکہ رب کے روشن کئے ہوئے ہیں، حضور کی رفعت کو اپنی طرف نسبت فرما کر یہ بتایا کہ تمہاری بلندی کسی مخلوق کی طرف سے نہیں، محض ہماری عطا ہے لہٰذا تمہیں کوئی نیچا نہیں کر سکتا، بلکہ جو تمہیں نیچا کرنا چاہے گا وہ خود نیچا ہو جاوے گا، اور جو تمہارا چرچا کرے گا، اُس کا دنیا میں چرچا ہو جاوے گا، رَفَعْنَا کو ماضی فرما کر یہ بتایا کہ تمہاری بلندی آج کی ہی نہیں بہت پہلے کی ہے، اور ماضی کو مطلق فرما کر ارشاد فرمایا کہ تمہاری بلندی گذشتہ کے قرب و بعد کی قید سے آزاد ہے، ہر زمان تمہاری آن بان اور شان اعلیٰ رہی، حق تو یہ ہے کہ یہ ماضی و مستقبل حال فقط سمجھانے کے لئے ہیں، ورنہ ان کی بلندی جب سے جب نہ ماضی تھی، نہ مستقبل زمانہ سے پہلے انہیں بلندی ملی ؛

(۳) لَكَ اس لئے بڑھا گیا کہ جس سے معلوم ہو کہ بلندی اور رتبہ آپ کی ملک کر دیا گیا کہ جس کو آپ بلند فرمائیں وہ بلند ہو جائے، اور جس کو حضور علیہ السلام دھتکار دیں اُس کو دونوں جہان میں کہیں بھی پناہ نہ ملے، اس کی چند مثالیں ہیں :-

اولاً تمام آدمی ہر جگہ سفر کرتے ہیں مگر ان کی کوئی عزت نہیں، مگر جہاں سفرِ حج کیا، کہ

حاجی بن گئے اور اُن کی عزت ہوگئی۔ دوسرے آزما کر دیکھا ہے کہ بمبئی سے جو جہاز عرب کو جاتا ہے حاجیوں کو لے کر، اُس پر اس قدر ہجوم عاشقاں ہوتا ہے کہ اللہ اکبر، اور اُس کی ایسی عزت کہ لندن جانے والے اور پیرس جانے والے جہازوں کی وہ عزت نہیں، ابوجہل، ابولہب اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام اُن کے والدین نے کچھ اور رکھے تھے، مگر سرکار نے اُن کو اور خطاب دیئے، والدین کے رکھے ہوئے نام گم ہوگئے، وہ ہی نام مشہور ہوگئے، جو کہ حضور سے ملے تھے، دنیا میں ہزاروں ماں باپ گذرے، مگر جس قدر نام کہ آمنہ خاتون اور حضرت عبداللہ کا بلکہ اُن کے سارے خاندان کا دنیا میں روشن ہوا، کسی ماں کا، کسی باپ کا ایسا نہ ہوا، دنیا میں ہزاروں نبی اور سینکڑوں صحیفے آئے، مگر اُن ہی پیغمبروں اور اُنہی کتابوں کے نام دنیا میں روشن ہوئے جن کو حضور علیہ السلام نے روشن کر دیا ۔

حضرت مریم کو یہودیوں نے تہمت لگائی، مگر میرے آقا نے اُن کی پاکدامنی بیان فرمائی، تمام دنیا اُن کی عصمت کا خطبہ پڑھ رہی ہے، غرضکہ جو اُن کا ہوگیا اُس کو عظمت مل گئی صلے اللہ علیہ وسلم، جو شخص کہ اُن کے ذکر کو روکنا چاہے وہ حقیقت میں رب سے لڑائی کرتا ہے ؎

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے ۔ یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا

آیت ۹۸ : وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ پارہ ۳۰، سورہ العصر، رکوع ۱ ۔ اُس زمانۂ محبوب کی قسم بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے ۔

اس آیت کریمہ میں بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت ہے، اس میں عصر کی قسم فرمائی گئی ہے عصر کے چند معنے مفسرین نے بیان فرمائے، ایک تو وقت عصر یعنی رب العزت نے نمازِ عصر یا وقتِ عصر کی قسم فرمائی، جس سے معلوم ہوا، کہ تمام نمازوں میں نمازِ عصر زیادہ تاکیدی ہے، اسی کو نمازِ وسطیٰ بھی کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مطلقاً زمانہ کی قسم، تیسرے یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پاک کی قسم، جس سے معلوم ہوا، کہ رب تعالےٰ نے آپ کی جگہ کی، آپ کی عمر شریف کی، آپ کے زمانۂ پاک کی قسم فرمائی ہے ۔

خیال رہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے مراد یا تو آپ کی ظاہری حیات کا زمانہ ہے یا آپ کی نبوت کا، نبوت کا زمانہ قیامت تک ہے، کیونکہ آپ کا دین منسوخ نہیں، اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، کہ ہم اور قیامت مثل ملی ہوئی دو انگلیوں کے ہیں (مشکوٰۃ) خطبہ جمعہ ایک مولوی صاحب دہلی کی جامع مسجد میں فاتحہ دے رہے تھے کسی نے کہا کہ فاتحہ دینا شعائی پر بدعت ہے، اُنہوں نے کہا، بدعت کسے کہتے ہیں؟ معترض بولا کہ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں نہ ہو، مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ تمہارے باوا کا زمانہ ہے؟ یہ بھی تو حضور ہی کا زمانہ ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ از ازل تا ابد بعد حضور ہی کا زمانہ ہے، صلے اللہ علیہ وسلم ۔

آیت ۹۹ : اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ پارہ ۳۰، سورۂ کوثر ۔ اے محبوب ہم نے آپ کو بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں ۔

یہ آیت کریمہ بھی حضور علیہ السلام کی صریح نعت شریف ہے۔ اس کی شانِ نزول یہ ہے، کہ حضور علیہ السلام کے فرزند حضرت ابراہیم یا حضرت قاسم کا وصال ہوا، تو عاص ابن وائل نے اپنی قوم سے کہا کہ میں اس وقت اُس ابتر کے پاس سے آرہا ہوں (ابتر عرب میں اُس کو کہتے ہیں جس کی نسل ختم ہو جاوے) ۔

یہ اس ملعون کا کلمہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک میں پہنچا، تو سرکار علیہ السلام کو صدمہ ہوا، اس صدمہ کو دفع فرمانے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، جس میں فرمایا گیا، کہ اے محبوب آپ کسی دشمن کی بکواس سے غمگین کیوں ہوتے ہیں، ہم نے آپ کو کوثر عطا فرما دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں حضور علیہ السلام کی وہ عظمت ہے کہ اگر کوئی بھی آپ کو تکلیف پہنچانے کی کوشش بیہودہ کرے، تو رب تعالیٰ اُس کو دفع فرماتا ہے ۔

کوثر کے چند معنے ہیں، کوثر کے معنیٰ ہیں بہت خوبیاں اور بہت ذکر، تو مطلب یہ ہوا، کہ کافر سمجھے کہ آپ کا نام آپ کی مذکر اولاد سے چلتا، اب وہ نہ رہی تو نام نہ چلے گا، اُن کا یہ خیال غلط ہے ذکر اُس کا باقی رہتا ہے جس کو ہم باقی رکھیں، ہم نے آپ کا چرچا قیامت تک کے لئے باقی رکھ دیا ۔

خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے دنیاوی سامان کو قلیل فرمایا قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ، مگر حضور علیہ السلام کو دیا وہ کثیر نہیں، اکثر نہیں، کثار نہیں بلکہ کوثر ہے، کوثر کے معنی ہیں بہت ہی زیادہ، رب تعالیٰ نے اپنے لئے فرمایا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ، حضور کے لئے فرمایا وَكَانَ فَضْلُ

اللہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا اور اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ، معلوم ہوا کہ رب کی عظمت اور حضور کی عظمت تک کسی کا خیال بھی نہیں پہنچ سکتا، اسی طرح رب نے جو حضور علیہ السلام کو دیا، وہ سب کے اندازے سے زیادہ ہے ۔

آج دیکھ لو کہ تیرہ سو برس کے عرصہ میں اولاد والے، تخت و تاج والے، شاہ و گدا ہر طرح کے لوگ گذر گئے، مگر کسی کا نام نہ چلا، اگر نام رہا تو محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یا جس کو محبوب علیہ السلام نے چمکا دیا ؎

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ زیاد کی وہ رہی جفا ۔ جو رہا تو نام حسین کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

یا کوثر سے مراد ہے زیادہ اولاد یعنی اگرچہ آپ کے فرزند صلبی کوئی زندہ نہ رکھا گیا، مگر آپ کی صاحبزادی فاطمہ زہرا سے آپ کی نسل اس طرح چلائی جاوے گی۔ کہ قیامت تک باقی رہے گی، آج بھی دیکھ لو خدا کے فضل و کرم سے سادات ہر جگہ ملتے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک باقی رہیں گے ۔

تیسرے معنیٰ ہیں حوض کوثر، یہ ہی معنے حدیث پاک میں ارشاد فرمائے گئے، یعنی ہم نے آپ کو حوض کوثر دیا، کہ جس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا، اور دودھ سے زیادہ سفید ہوگا، جو کوئی ایک بار پیئے گا، وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا، مرقات میں لکھا کہ ہر نبی کو حوض دیئے گئے ہیں، جس سے کہ وہ اپنی اُمتوں کو پلائیں گے، مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو حوض دیا گیا، اُس کا نام کوثر ہے، سب حوضوں سے بڑا، اور اُس کا پانی سب سے زیادہ افضل اور اعلےٰ اور لذیذ ہے ۔

یا کوثر سے مراد عالم کثرت ہے، یعنی ماسوی اللہ سارا عالم آپ کو دے دیا، اللہ جس کا رب ہے حضور علیہ السلام اُس کے مالک ہیں ؎

خالقِ کُل نے آپ کو مالکِ کُل بنا دیا ۔ دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضۂ اختیار میں

اس کے لئے ہماری کتاب سلطنتِ مصطفےٰ دیکھو ۔

یا مراد کوثر سے ہے اُمت کثیرہ، تو مطلب یہ ہوا، کہ اگرچہ جسمانی فرزند آپ کے وفات کر گئے مگر آپ کو روحانی اولاد یعنی اُمت اس قدر دی جاوے گی، کہ کسی کو اس قدر نہ دی گئی، چنانچہ نصف جنت تو حضور کی اُمت سے بھرے گی، اور نصف باقی انبیاء کی اُمتوں سے ۔

نکتہ: ایک سوال ہوتا ہے، کہ اگر کوثر سے مراد حوض کوثر ہے، تو پھر یہ سورۃ شریف اُس کافر کا رد کس طرح بنی، کہ وہ تو کہہ رہا تھا کہ آپ کی اولاد نہ رہی، جواب ملا کہ ہم نے آپ کو حوض کوثر دیا۔ جواب یہ ہے کہ مطلب اس کا یہ ہے، کہ یہ اور اس کی طرح دوسرے کفار آج تو جو چاہیں وہ طعن وغیرہ کر لیں، ایک دن آئے گا جبکہ آپ کوثر پر جلوہ گر ہوں گے، تب یہ تمام لوگ آپ کے مدح خواں اور نعت گو بن جاویں گے، مگر اُس وقت اُن کی مدح کوئی کچھ کام نہ آوے گی یعنی جو لوگ آج اس قسم کی بیہودہ باتیں کر رہے ہیں کل آپ کی تعریف کریں گے ۔

تنبیہ: اِس سورۃ کے آخر میں فرمایا گیا ہے اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ تمہارا دشمن ابتر ہے یعنی اُس کی نسل ختم ہے، تو سوال یہ ہوتا ہے، کہ عاص ابن وائل جس نے یہ کلمہ ملعونہ بکا تھا، وہ تو صاحب اولاد تھا، وہ ابتر کہاں ہوا؟ جواب اس کا یہ ہے، کہ یا تو مراد ابتر سے تمام خوبیوں سے محروم، یا مطلب یہ ہے کہ اس کی اولاد کو ایمان کی ہدایت دے دی جاوے گی، جس کی وجہ سے اُس باپ اور اُس کی اولاد میں دینی اختلاف ہو جاوے گا، اور دینی اختلاف موت کی طرح ہوتا ہے، اسی لئے مسلمان کی میراث و جنازہ و دفن و کفن اُس کا کافر باپ یا کافر اولاد نہیں کر سکتی اور ایسا ہی ہوا، کہ اُس کے فرزند حضرت عمرو ابن عاص جلیل القدر صحابی ہوئے، غرضکہ یہ سورۃ بھی نعت سرکار ہے صلے اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ۔

نوٹ: تَبَّتْ یَدَا اور قُلْ هُوَ اللہُ کے متعلق ہم اس کتاب کے خطبہ میں لکھ چکے ہیں وہاں ملاحظہ کرنا چاہیئے ۔

آیت ۱۰۰: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ میں بھی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے، وہ اس طرح کہ ان دونوں سورتوں کی شانِ نزول یہ ہے، کہ ایک شخص لبید ابن اعصم یہودی اور اُس کی لڑکیوں نے حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جادو بہت زبردست کیا، لیکن اس کا اثر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم پاک اور ظاہری اعضاء پر ہوا، دل اور عقل اور اعتقاد پر اللہ کے فضل سے کوئی اثر نہ ہوا، چند روز کے بعد حضرت جبریل امین آئے، اور عرض کیا، کہ ایک یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے، اور جادو کا سامان فلاں کنوئیں میں پتھر کے نیچے داب دیا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو اُس کنوئیں پر بھیجا، اُنہوں نے اُس کا پانی نکال کر پتھر اٹھایا، تو اُس پتھر کے نیچے کھجور کے گابھے کی تھیلی نکلی، اُس تھیلی میں حضور علیہ السلام کے بال شریف جو کنگھی سے نکلے تھے، اور حضور علیہ السلام کی کنگھی کے چند دندانے اور ایک ڈورا یا کمان کا چلّہ جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور ایک موم کا پُتلا جس میں گیارہ سُوئیاں چُبھی تھیں نکلیں، جس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

اُس وقت رب العالمین نے یہ دونوں سورتیں نازل فرمائیں، جن میں یہ گیارہ آیتیں ہیں سورۂ فلق میں پانچ آیات ہیں، اور سورۂ ناس میں چھ۔ ہر ایک آیت کے پڑھنے کے ساتھ ایک ایک گرہ کُھلتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اِن تمام آیتوں کے پڑھنے پر تمام گرہیں کُھل گئیں، اور حضور علیہ السلام بالکل تندرست ہو گئے (تفسیر خزائن العرفان) اِس سے حسب ذیل مسائل ثابت ہوئے :-

(۱) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی بارگاہِ الٰہی میں اس قدر بلند ہے، کہ کسی علاج یا اور ضرورت کے وقت آپ کو کسی طبیب یا حکیم کے پاس تشریف لے جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ رب العالمین آپ کی ہر ضرورت کا متکفل ہے، آپ تمام عالم کے طبیبِ مطلق ہیں، آپ کا حکیم کون ہوتا، آپ کے سب حاجتمند ہیں، اور آپ کو سوا رب کے کسی کی حاجت نہیں صلے اللہ علیہ وعلےٰ آلہٖ وسلم۔

(۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رب العالمین نے علمِ ادیان کے علاوہ علمِ ابدان یعنے علاج معالجہ، طبابت اور تمام علوم عطا فرما دیئے، اسی لئے کہیں ثابت نہیں ہوتا، کہ حضور علیہ السلام نے اپنے کسی مرض میں کسی طبیب سے مشورہ لیا ہو، یا کسی سے علمِ طب حاصل فرمایا ہو لیکن حدیث کی کتابوں میں جہاں دعاؤں کے باب بنائے گئے ہیں، وہاں ہی دواؤں کے باب بھی بنائے گئے، جن میں وہ تمام دوائیں تحریر کیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہیں، کہ بخار میں، جاڑے میں یا فلاں فلاں مرض میں، فلاں فلاں دوا استعمال کرنی چاہئے۔
یہ اور بات ہے کہ ہمارے ملک کے لوگوں کو مزاج کے فرق کی وجہ سے اُن میں سے بعض دوائیں موافق نہ ہوں، نہ کسی سے طب سیکھی، نہ کسی سے تعلیم حاصل کی، مگر پھر تمام دواؤں کے نام اُن کے طریقۂ استعمال، اُن کے فوائد وغیرہ اِس طریقہ سے ارشاد فرمائے، کہ بُوعلی سینا اور افلاطون

کی طبابتیں اُس پر قربان۔

(۳) اِس سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ جادو کا اثر انبیائے کرام کے دل اور عقل پر نہیں ہو سکتا ہاں جسم پاک پر ہو جاتا ہے، اور یہ شانِ نبوّت کے خلاف نہیں، آخر تلوار، زہر، زہریلے جانوروں کا اثر بھی اُن کے مبارک جسموں پر ہوتا ہے، اسی طرح غذا، دوا، پانی وغیرہ فائدہ پہنچاتے ہی ہیں، اسی طرح یہ بھی، جو قدرتی تاثیر ہے اُس کا ظاہر ہونا نبوت کی شان کے خلاف نہیں۔
بعض لوگ کہتے ہیں کہ عصائے موسوی کے مقابلہ میں جادو نے شکست کھائی، حضور پر کیوں اثر ہو گیا؟ آپ تو موسےٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ اِس کا جواب یہ ہے، کہ وہاں جادو کا معجزے سے مقابلہ تھا یعنی معجزہ عصاء موسےٰ غالب رہا، یہاں کسی معجزے سے مقابلہ نہ تھا، نیز اُس جادو نے بھی موسےٰ علیہ السلام کے خیال پر اثر ڈالا یُخَیَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى

(۴) اِس سے معلوم ہوا کہ بیماریوں اور جادو اور نظرِ بد وغیرہ کو دفع کرنے کے لئے دعاؤں اور قرآن کی آیتوں کو پڑھ کر دم کرنا درست ہے، اسی طرح تعویذ وغیرہ جائز ہے (دیکھو شامی جلد پنجم) ہاں جن منتروں میں شرکیہ کلمے ہوں یا کسی اور زبان کے منتر ہوں، جس کے معنیٰ کی ہم کو خبر نہ ہو، کہ ان میں شرکیہ باتیں ہیں یا کہ نہیں، اُن سے علاج کرنا حرام ہے، اسی طرح تعویذ میں قرآنی آیات کا خون سے لکھنا یا خلاف ترتیب لکھنا، یا کہ تعویذ میں لکھ کر پاؤں یا جوتے میں باندھنا یا اُس پر جُوتے مارنا حرام ہے، کہ اس میں حروف کی توہین ہے۔

مسئلہ : تعویذ پر اسی طرح دم کرنے پر اُجرت لینا جائز ہے، اگرچہ قرآن پاک کی آیت بھی لکھ کر دے یا سورۃ قرآنی پڑھ کر ہی دم کرے، کہ یہ تو ایک طرح کا علاج ہے (دیکھو مشکوٰۃ اور شامی جلد اوّل وغیرہ) غرضکہ یہ دونوں سورتیں نعتِ مصطفےٰ ہیں صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

آیت ۱۰۱ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ سورۂ فاتحہ۔ سب تعریفیں اللہ کو ہیں جو مالک ہے سارے جہانوں کا۔

اس سُورت پاک میں اللہ کی حمد اور بندوں کو دعا کی تعلیم ہے، مگر اس میں حضور انور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بھی اعلےٰ درجہ کی نعت ہے، اس لئے کہ الحمد میں اگر الف ولام کو استغراقی لیا جاوے، تو معنے یہ ہوں گے، کہ ساری تعریفیں اللہ ہی کی ہیں یعنی دنیا میں جو بھی کسی کی تعریف

کسی وقت کرے، کسی نعمت کے شکریہ میں کرے، وہ درحقیقت خدا ہی کی حمد ہوگی، جس میں جو کچھ
خوبی ہے وہ اللہ کی دی ہوتی ہے، چیز کی تعریف حقیقت میں اُس کے بنانے والے کی تعریف ہے
دوسرے معنٰے یہ بھی ہو سکتے ہیں، کہ وہ خاص تعریف اللہ کی ہے، الف لام عہدی ہو، کون سی تعریف
اللہ کی ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے منہ سے ادا ہو، یا اُن کے سکھانے سے کوئی اللہ کی حمد کرے
تو مطلب یہ ہوگا کہ خواہ حمد الٰہی کوئی بھی کرے، مگر مقبول حمد وہ ہی ہے جو کہ محبوب کریں یا محبوب
کے بتانے سے کوئی کرے صلے اللہ علیہ وسلم (روح البیان)

اسی لئے آج اگر ساری عمر کفار خدا کی تعریف کریں بالکل قبول نہیں، کیونکہ اُنہوں نے حمد
مقبول نہ کی جو کہ حضور علیہ السلام کی بتائی ہوئی تھی، اور اسی لئے قیامت کے دن لِوَاءُ الْحَمْد
حضور ہی کو دیا جاوے گا،

حدیث شفاعت میں وارد ہے کہ رب تعالیٰ ہم کو اپنی خاص خاص حمدوں سے اطلاع دے
گا جن سے میں حمد الٰہی کروں گا، غرضکہ دنیا میں اُن ہی کی حمد مقبول اور آخرت میں بھی، اسی لئے
حضور علیہ السلام کا نام پاک ہے احمد یعنی اپنے رب کی بہت حمد فرمانے والے، اور رب
کا نام ہے محمود یعنی محبوب کا محمود صلے اللہ علیہ وسلم۔ یا اس آیت کے معنٰے یہ ہیں کہ حمد کامل تو
اللہ ہی کی حمد ہے، یعنی تمام مخلوق ہمارے حبیب کی تعریف کرے مگر جیسی چاہیئے ویسی نہیں
کرسکتی، کامل حمد محبوب علیہ السلام کی وہ ہی ہے جو کہ اللہ نے کی، اسی لئے حضور علیہ السلام
کا نام پاک ہے محمّد، تعریف کئے ہوئے، کس کے؟ اللہ کے، اور اللہ تعالےٰ کا نام پاک ہے
حامد، تعریف فرمانے والا، کس کی؟ اپنے محمد کی صلے اللہ علیہ وسلم

اب اس آیت پاک سے جس قدر نعت پاک محبوب دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ثابت
ہوئی وہ ظاہر ہے، اسی طرح اس سورۃ کی ہر آیت سے حضور علیہ السلام کی نعت شریف ظاہر ہو
رہی ہے

آیت ۱۰۲: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ
سورۃ فاتحہ، ہم کو سیدھا راستہ چلا، اُن کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا

یہ آیت کریمہ بھی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی کھلی ہوئی نعت شریف ہے، اس میں
مسلمانوں کو تعلیم ہے کہ یہ دعا مانگو، کہ خداوندا ہم کو سیدھا راستہ چلا، وہ اُن کا راستہ ہے جن پر تو
نے احسان فرمایا

سیدھا راستہ دین اسلام ہے، اور دین اسلام پیروی مصطفےٰ علیہ السلام کا نام ہے، بعد
میں اس کی تصریح بھی کر دی، کہ وہ راستہ وہ ہی ہے جس پر منعم علیہم چلے ہیں، اور سب سے بڑا جن
پر اللہ نے انعام فرمایا، وہ حضور ہی ہیں صلے اللہ علیہ وسلم، تو رب نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی
کہ تم ہم سے یہ دعا مانگا کرو، کہ خداوندا ہم کو اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم بہ قدم چلنے کی
توفیق عطا فرما اور اسی پر قائم رکھ اور اسی پر خاتمہ نصیب فرما، آمین، آمین یا رب العالمین

آخر میں بندۂ گنہگار، رحمت الٰہی کا امیدوار احمد یار عرض پرداز ہے کہ اور تو اپنی اپنی تحریروں
اور تصنیفوں کو کسی بادشاہ، نواب، دولتمند کی خدمت میں پیش کر کے انعام کے طلبگار ہوتے
ہیں، یہ فقیر بے نوا اپنے ان ٹوٹے پھوٹے لفظوں کو اپنے دونوں جہان کے سچے شہنشاہ، بیکسوں
کے ملجا و ماویٰ، محبوب رب العالمین، شفیع المذنبین، احمد مجتبےٰ، محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم
کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے اور امیدوار قبول ہے، اور یہ بھی عرض کرتا ہے کہ

تمہارے سیکڑوں ہم سے گدا ہیں ۔ ہمارے آپ ہی اک آسرا ہیں
اگر میرانیم از در بمن بنما درِ دیگر ۔ کجا نالم کرا خوانم اَغِثْنِی یارسول اللہ

یہ بھی خیال رہے کہ ناظرین یہ نہ سمجھیں کہ قرآن کریم میں صرف اس قدر آیات ہی نعت کی
ہیں، بلکہ جیسا کہ میں مقدمہ میں عرض کر چکا ہوں، قرآن پاک کی ایک ایک آیت حضور علیہ السلام
کی نعت ہے اور جن سے صاف طور پر نعت شریف ثابت ہے وہ بھی اور بہت سی آیات ہیں
جیسے اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اسی طرح اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ

اس آیت میں یہ بھی معلوم ہوا، کہ اماموں کی تقلید کرنا ہم لوگوں کا فرض ہے، کیونکہ یہ حضرات
بھی اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں داخل ہیں، اسی طرح تمام اُمت نے، علماء نے اولیاء نے، محدثین مفسرین
فقہاء نے تقلید کی، اب تقلید کا انکار کرنا ان کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرنا ہے۔ اس کی تحقیق ہماری
کتاب جاء الحق وزھق الباطل میں دیکھو، اللہ خاتمہ بالخیر نصیب فرمادے آمین

اللّٰہِ لَاخَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَاھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۝ اسی طرح اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ وغیرہ، مگر اختصار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اِن ہی آیات شریفہ پر اکتفا کیا گیا ؞

یہ کتاب وسط جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۶۱ھ میں شروع کی گئی، اور ۳ شعبان المعظم روز ایمان افروز دوشنبہ مبارک سنہ ۱۳۶۱ ہجری پایۂ تکمیل کو پہنچی ؞

رب العالمین اس کو میرے واسطے اور میرے محترم بزرگ حاجی الحرمین الشریفین جامع شریعت وطریقت حضرت شیخ المشائخ تراب اقدام احمد الحاج محمّد علی صاحب قبلہ دام ظلہم کے واسطے توشۂ آخرت بنادے، اور خدائے پاک حاجی صاحب موصوف کو اس سے بھی زیادہ خدمتِ دین کرنے کی توفیق عطا فرمادے، آمین یَارَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ بِجَاہِ حَبِیۡبِکَ الۡکَرِیۡمِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ بِرَحۡمَتِکَ یَا اَرۡحَمَ الرّٰحِمِیۡنَ ط

ناچیز احمد یار خاں اوجھانوی بدایونی
مدرّس مدرسہ خدام الصوفیہ گجرات۔ پنجاب

ضمیمہ شانِ حبیب الرحمان

خیال تھا کہ یہ کتاب حضور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے خاص خدام یعنی اولیاء اللہ کے ذکرِ خیر پر ختم کی جائے، کہ خدام کی مدحت سرائی سلطان کی ثنا خوانی ہے، علماء و اولیاء کے مناقب بیان کرنا بالواسطہ حضور کی نعت خوانی ہے، کیونکہ ان کو یہ مراتب حضور کی غلامی سے ملے، مدینہ کے فضائل، وہاں کے ذرات کے مناقب، وہاں کے کوچہ و بازار کی تعریفیں بلکہ سگانِ کوئے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریفیں درحقیقت اُس سید الکونین صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے جس کی نسبت سے ان سب کو شرف ملا۔ پہلے ایڈیشن میں کاغذ کی کمیابی کی وجہ سے میری یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ اب دوسرے ایڈیشن میں اس مضمون کو بڑھاتا ہوں، رب تعالیٰ قبول فرماکر اسے میرے گناہوں کا کفارہ بنائے، آمین ؞

اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَاھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۝ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ۝ لَھُمُ الۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ط لَاتَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ط ذٰلِکَ ھُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ط پارہ ۱۱، سورۃ یونس، رکوع ۶ ؞

سُن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم، وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں، انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہ ہی بڑی کامیابی ہے ؞

اس آیت کی تفسیر سے پیشتر بطور مقدمہ چند باتیں عرض کی جاتی ہیں:۔

اولیاء اللہ کی دُنیا کو کیا حاجت ہے؟ جیسے عالم اجسام میں بعض جسم محتاج ہیں اور بعض محتاج الیہ، بعض فیض لینے والے اور بعض دینے والے، آفتاب اور بارش فیض دینے والے، اور زمین اور یہاں کی ہری بھری کھیتیاں اور باغات فیض لینے والے، اسی طرح عالمِ روحانیات میں انبیائے کرام اور اُن کے ذریعہ سے علماء و مشائخ و اولیاء اللہ فیض دینے والے اور سارا عالم اُن کا حاجتمند، مولانا فرماتے ہیں ؎

چو دانش ہست محتاج الیہ ٭ زاں سبب فرمود حق صَلُّوْا عَلَیْہِ

جیسے دنیا کو بارش و آفتاب کی ہمیشہ ضرورت ہے، اسی طرح علماء و اولیاء کی بھی سخت حاجت
حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے علماءِ دین کو بارشِ نبوت کا تالاب فرمایا ہے (مشکوٰۃ کتاب العلم) رحمتیں
دینے والا رب، تقسیم فرمانے والے حبیبِ خدا اَللّٰہُ الْمُعْطِیْ وَاَنَا قَاسِمٌ اور اسی تقسیم کا ذریعہ علماء
و اولیاء اللہ، حدیث پاک میں چالیس ابدال کے متعلق ارشاد ہوا کہ ان کی برکت سے بارش برسے
گی اور دشمنوں پر فتح حاصل ہوگی، اور انہیں کے طفیل اہلِ شام سے عذاب دُور رہیگا (آخر مشکوٰۃ).
علماء کے متعلق ارشاد ہوا کہ علماء کی زندگی کی مچھلیاں دعا کرتی ہیں (مشکوٰۃ کتاب العلم) اس کی شرح
مرقات میں ہے، وہ جانتی ہیں کہ بارش اور دریا کی روانی علماء کی طفیل ہے۔ ۳ رب تعالیٰ تک رسائی
حضور علیہ السلام کے ذریعہ اور حضور علیہ السلام تک رسائی علماء و اولیاء اللہ کے ذریعہ سے ہے۔
صحابہ کرام نے سینۂ مصطفوی سے نورِ نبوت بلا واسطہ حاصل کیا، اور بعد والوں نے صحابہ کرام کے
سینوں سے ہمارے لئے اولیاء اللہ کے سینے وہ شفاف آئینے ہیں، جن سے چھن کر وہ نورِ عالم کو
منور کر رہا ہے، اسی لئے بیعت کی جاتی ہے کہ کسی شیشہ کے سامنے آجائیں تاکہ بے نور نہ رہیں
۴ انبیائے کرام خلق کی ظاہری اور باطنی اصلاح کے لئے تشریف لائے، سلسلہ نبوت ختم ہونے
کے بعد وہ کام دو گروہوں کو سپرد ہوا، ظاہری اصلاح علمائے دین کے ذمہ اور باطنی صفائی اولیاء
اللہ کے سپرد، چونکہ حضور کی نبوت قیامت تک رہے گی، ضروری ہے کہ ان کے سارے کام
انجام پاتے رہیں، اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں گروہ دنیا میں موجود رہیں، نماز میں جسم
پاک کرا دینا، قبلہ رُو کھڑا کر دینا، اس کے شرائط و ارکان ادا کرا دینا علماء کا کام ہے، مگر نماز
میں خلوص، حضورِ قلب، اس کا ریاء سے پاک ہونا اولیاء اللہ کے ذریعہ گویا شرائط اور علماء
پورے کراتے ہیں اور شرائطِ قبول اولیاء ٭

قرآن اور کعبہ کا دیکھنے والا صحابی نہیں، مگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اخلاص سے دیکھنے والا
صحابی ہے، معلوم ہوا کہ اعمال سے زیادہ صحبت اثر کرتی ہے ٭

حکایت: ایک بادشاہ نے چینی اور رومی کاریگروں سے فرمایا کہ تم اپنے اپنے کمالات
دکھاؤ، ایک کمرہ اُن کے سپرد کیا جس کے بیچ میں پردہ ڈال دیا اور کہا کہ ایک دیوار پر تم اپنا جوہر دکھاؤ

اور دوسری پر دوسرے، چینی کاریگروں نے اپنی دیوار نقش و نگار کھینچکر اُسے چمن بنا دیا، رومیوں نے
اپنی دیوار کو گھوٹ گھوٹ کر مثلِ آئینہ شفاف کر دیا، دونوں نے فارغ ہو کر سلطان سے کہا کہ آپ معائنہ
کیجئے، بادشاہ تشریف لایا اور فرمایا کہ اس پردہ کا سارا جھگڑا ہے، اسی آڑ کو پھاڑ دو، پھر مقابلہ کر کے
دکھاؤ، جب پردہ اُٹھا اور دونوں دیواریں مقابل ہوئیں، تو چینیوں کے نقش و نگار رومیوں کی دیوار
میں نظر آنے لگے، کیونکہ وہ شفاف تھی ٭

اسی طرح انسان ایک کمرہ ہے، اس کی دو دیواریں ہیں قالب اور قلب، علمائے شریعت
قالب پر شریعت کے نقش و نگار کھینچتے ہیں، پیرِ طریقت مراقبے اور چلّے کرا کر قلب کی گھٹائی، صفائی
کرتے ہیں، مگر سانس کا پردہ درمیان میں ہے، جب دورِ حیات ختم ہوا، اور ظاہری زندگی کا پردہ
چاک ہوا، اُس وقت قالب کے سارے نقوش انشاء اللہ گھٹے ہوئے، اور صاف قلب میں جلوہ گر
ہوں گے، اسی کا قبر میں امتحان ہے، بے دیکھے محبوب کی پہچان کرائی جاتی ہے، کہ اگر دل صاف
ہے پہچان ہو جاوے گی ؎

روح نہ کیوں ہو مضطرب موت کے انتظار میں ٭ سُنتا ہوں مجھ کو دیکھنے آئیں گے وہ مزار میں

(۵) ایمان عالمِ دین سے ملتا ہے، مگر ایمان کی حفاظت اولیاء کے کرم سے ہوتی ہے، اسی لئے
اولیاء اللہ علماء کے شاگرد اور علماء اولیاء اللہ سے بیعت ہوتے ہیں، یہ دونوں جماعت گویا ایمان
و اعمال کے دو بازو ہیں، جیسے پرندہ دونوں بازوؤں کے بغیر نہیں اُڑ سکتا، ایسے ہی ہمارے اعمال ان
دو جماعتوں کی مدد کے بغیر بارگاہِ رب العالمین تک نہیں پہنچ سکتے، یہ دونوں جماعتیں زندگی کی گاڑی
کے دو پہیے ہیں ٭

(۶) جیسے جسم پر بیماریاں اور لوہے پر زنگ آتی رہتی ہے، اسی طرح دل پر بھی غفلت کی زنگ
چڑھتی رہتی ہے، بیماری اجسام کے لئے اطبائے یونان پیدا ہوئے، اور بیماریٔ دل کے لئے اطبائے
ایمان، مولانا فرماتے ہیں ؎

چند خوانی حکمتِ یونانیاں ٭ حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

زنگ آلودہ لوہے کو بھٹی کی ضرورت ہے، اور زنگ آلودہ دل کے لئے صحبتِ اولیاء و عبادات و
ریاضات درکار، مگر تاثیر میں صحبتِ اولیاء تیز تر ہے، تلاوتِ قرآن پاک سیاہی قلب کو آہستہ آہستہ

دور کرتی ہے (مشکوٰۃ) مگر اللہ والے کی نظرِ کرم آن کی آن میں کایا پلٹ دیتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء ٭ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ع نگاہِ مردِ مومن سے پلٹ جاتی ہیں تقدیریں

حکایت حضور غوث پاک سرکار بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں چور چوری کی نیت سے گھسا، مگر کچھ نہ پایا، حضور نے اپنے خادم سے ارشاد فرمایا کہ ہمارے گھر سے چور خالی جا رہا ہے اس میں ہمارے دروازہ کی بدنامی ہے، خادم نے عرض کیا کہ کیا دے دیا جاوے؟ فرمایا وہ دیا جائے جو دونوں جہان میں اس کے کام آئے، ہمیں یاد کیا کرے گا، فلاں جگہ کے قطب کا انتقال ہو گیا ہے اسے وہاں کا قطب بنا کر بھیج دو، دیکھو آیا تھا تو چور تھا اور گیا تو قطب (اے سرکار بغداد ہم چوروں پر بھی نظرِ کرم ہو جائے)! ٭

ایک دفعہ حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ جنگل میں اکیلے جا رہے ہیں، قیمتی قبا زیبِ تن ہے ایک ڈاکو نے بُری نیت سے دامن پکڑا کہ قبا اتار لیں، عرض کیا مولیٰ! اس نے عبد القادر کا دامن پکڑا ہے، قیامت تک اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹے ٭ حضور خواجہ خواجگان خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کمہار کی بھٹی پر گذرے جس میں مٹی کے برتن پک رہے تھے، حضور نے آوے پر نگاہ فرمائی، نار کو تو نور بنا دیا اور نگاہِ کرم سے تمام برتنوں پر اللہ اللہ نقش ہو گیا، کمہار یہ دیکھ کر چیخا کہ ؎

اے شاہِ نقشبند تو نقشے مرا ببند ٭ نقشے چناں ببند کہ گویند نقشبند

(۷) جیسے دنیا میں مسافر کو رہبر کی ضرورت ہے، پردیس میں بغیر رہبر کام نہیں چلتا، ایسے ہی مسافرِ آخرت کے لئے رہبرِ طریقت کی حاجت، ورنہ ع راہ ہے راہ مار پھرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر ٭ ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو ٭ ہمچو موسیٰ زیرِ حکمِ خضر رو

گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن ٭ گرچہ طفلے را کشد تو مو مکن

رب تعالیٰ فرماتا ہے وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ٭

(۸) دنیا میں انسان کمانے آیا، ایمان اور اعمال اس کی کمائی ہے، جسے آخرت میں بھیجنا ہے، راہ میں نفس و شیطان ڈکیتی کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ یہ قیمتی سامان کسی کی حفاظت میں جائے، محافظین کی جماعت کا نام ہے اولیاء اللہ۔ بیمہ کمپنی کی ذمہ داری سے مال محفوظ ہو جاتا ہے، مشائخ طریقت کی نگاہِ کرم سے انشاء اللہ ایمان محفوظ رہے گا، اعلیحضرت نے کیا خوب فرمایا

دل پہ کندہ ہو تیرا نام کہ وہ دزدِ رجیم ٭ الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا

تو جو للکار دے آتا ہوا الٹا پھر جائے ٭ تو جو چمکارے ہر پھر کے ہو تیرا

(۹) نفس کتا ہے، اس کے گلے میں کسی شیخ کا پٹہ ڈالو تاکہ مارا نہ جائے، اطاعتِ ولی نفس کا پٹہ ہے، شجرہ اس کی زنجیر، جس کی پہلی کڑی اس نفس کے گلے میں اور آخری کڑی مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں۔ اگر یہ پٹہ اور زنجیر قائم رہا، تو انشاء اللہ نفس بہک نہیں سکتا، اعلیحضرت نے فرمایا ؎

تجھ سے در در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت ٭ میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے ٭ حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا

(۱۰) انجن نہیں دیکھتا کہ میرے پیچھے تھرڈ کلاس کا ڈبہ ہے یا سیکنڈ یا انٹر یا مال، وہ تو اپنی طاقت کے مطابق سب کو کھینچ لے جاوے گا بشرطیکہ اس سے کڑی مضبوط ملی ہو، اسلام گویا ریلوے لائن ہے، مختلف مسلمان گویا ریل کے مختلف ڈبے، اولیاء اللہ ان کی مضبوط کڑیاں، حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم سب کے رہبر، اگر یہ سلسلہ حضور سے ملا ہوا ہے، تو ضرور ہم منزلِ مقصود تک پہنچیں گے، ورنہ نہیں پہنچ سکتے ٭

ولایت کے درجات

ولایت کے مختلف درجے ہیں اور بے شمار مراتب، بعض حضرات نشہ عشق میں عقل و ہوش کھو بیٹھتے ہیں جنہیں مجذوب کہا جاتا ہے، اس قسم کے حضرات کے اقوال و افعال پر احکام شرعیہ جاری نہیں ہوتے، کیونکہ وہ دائرہ عقل سے بالا پہنچے، منصور نے اَنَا الْحَقّ کہا، وہ مومن رہے کیونکہ وہ انانیت فنا کر چکے تھے۔ فرعون نے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کہا، کافر ہوا، کہ وہ خودی میں رہ کر خدا بنا، یہ حضرات مظہرِ صفاتِ الٰہی ہو جاتے ہیں، زبان ان کی ہوتی ہے اور کلام رب کا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

گفتہ او گفتہ اللہ بود ٭ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

چوں روا باشد انا اللہ از درخت ٭ کے روا نہ بود کہ گوید نیک بخت

لطیفہ: حضرت صوفیا فنا فی اللہ ہو کر بحالت جذب اَنَا اللّٰہ کہہ سکتے ہیں، مگر کوئی فنا فی الرسول ہو کر اَنَا مُحَمَّدٌ نہیں کہہ سکتا، کہ وہ مقام ناز ہے اور یہ مقام نیاز :-

با خدا دیوانہ و با مصطفٰے ہوشیار باش

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے

ادب گاہے است زیر آسماں از عرش نازک تر ٭ نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید ایں جا

کوئلہ آگ میں گیا، اس میں ایسا فنا ہوا کہ آگ کی تاثیر دکھانے لگا، ان دو شعروں کا یہ ہی مطلب ہے

بندہ از بندگی خدا گوید ٭ نہ تواند کہ مصطفٰے گوید

قطرہ در آب رفت آب شود ٭ نہ تواند کہ دُرِّ ناب شود

بعض وہ حضرات ہیں جو ؏ اُدھر اللہ سے واصل اِدھر دنیا میں ہیں شاغل ولایت کے اعلٰے درجہ پر پہنچ کر بھی عقل و خرد ہاتھ سے نہیں دیتے، انہیں سالک کہا جاتا ہے، خیال رہے کہ حضرات انبیاء مظہر صفاتِ الٰہی اور حضراتِ اولیاء اللہ مظہر انبیاء صفات الٰہی تو مختلف انبیائے کرام کے حالات مختلف، اسی لئے صوفیائے کرام کی شانیں مختلف۔ ولایت عیسوی رکھنے والے تارک الدنیا ہوتے ہیں، ولایت سلیمانی والے صاحب تخت و تاج، ولایت نوحی والے مظہر جلال اور ولایت ابراہیمی والے مظہر جمال، اور ولایت مصطفوی رکھنے والے جامع صفات، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مجذوبین بر قدمِ موسٰے ہیں علیہ السلام فَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا کہ ایک جھلک دیکھ کر عقل و خرد کھو بیٹھتے ہیں اور سالکین بر قدمِ مصطفٰے علیہ السلام

موسٰی زہوش رفت بیک پر توِ صفات ٭ تو عین ذات مے نگری در تبسمی

حضور غوث پاک کے اس شعر کا یہ ہی مطلب ہے

وَكُلُّ وَلِيٍّ لَهٗ قَدَمٌ وَاِنِّىْ ٭ عَلٰى قَدَمِ النَّبِيِّ بَدْرِ الْكَمَالِ

حضور علیہ السلام نے جنگِ بدر کے موقعہ پر صدیق اکبر سے فرمایا کہ تمہاری مثال ابراہیم علیہ السلام کی سی ہے، اور فاروق اعظم نے فرمایا کہ تمہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام کی یہ حدیث اس تقسیم ولایت کی اصل ہے؛

ولی کی پہچان

حقیقت یہ ہے کہ ولی اللہ کی پہچان بہت مشکل ہے، بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ رحمتِ الٰہی کی دُلہن ہیں، جہاں تک سوا اُس کے محرم کے کسی کی رسائی نہیں، اسی لئے کہا گیا ولی را ولی مے شناسد، شیخ ابو العباس فرماتے ہیں کہ خدا کا پہچاننا آسان ہے، مگر ولی کی پہچان مشکل، کیونکہ رب اپنی ذات و صفات میں مخلوق سے اعلٰے و بالا ہے، اور ہر مخلوق اس پر گواہ، مگر ولی شکل و صورت، اعمال و افعال میں بالکل ہماری طرح (روح البیان یہ ہی آیت) شریعت میں اظہار ہے اور طریقت میں اخفا، مکان کی زینت دروازہ پر رکھی جاتی ہے اور موتی کوٹھڑی میں، مولانا فرماتے ہیں ے

بر دہانش قفل در دل رازہا ٭ لب خموش و دل پر از آوازہا

بعض اولیاء اللہ جو کچھ اپنے مراتب بیان کر جاتے ہیں، وہ ان کے جوش کی غیر اختیاری آواز ہوتی ہے اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اس درجہ کی آواز تھی، اور اَيُّكُمْ مِثْلِىْ میں شریعت کی جلوہ گری ہے

لباسِ آدمی پہنا جہاں نے آدمی جانا ٭ مزمل بن کے آئے تھے تجلّی بن کے نکلیں گے

نہ حلیمہ بھید کھلا ہے یہ نہ مقام چون و چرا ہے یہ
تو خدا سے پوچھ وہ کون تھے تری بکریاں جو چرا گئے

مشکوٰۃ باب فضل الفقراء میں ہے کہ میری امت میں بہت سے پراگندہ حال بکھرے ہوئے بال والے جنہیں لوگ اپنے دروازوں سے ہٹا دیں، اگر خدا پر قسم کھالیں، تو اُن کی قسم پوری فرمائی جائے ے

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر ٭ تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

لوگوں نے ولی کی علامتیں اپنی طرف سے مقرر کر لی ہیں، بعض نے کہا کہ ولی وہ جو کرامتیں دکھائے، مگر یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ عجائبات چار قسم کے ہیں؛ معجزہ، ارہاص، کرامت، استدراج

معجزہ وہ عجیب وغریب کام ہے جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر تصدیق دعوے کے لئے صادر ہو، جیسے عصاء کلیم اور دمِ عیسےٰ علیہما السلام، ارحاص وہ عجائبات جو نبی کے ہاتھ پر دعوے نبوت سے پہلے ظاہر ہوں، جیسے حضرت حلیمہ کے گھر حضور کے برکات۔ کرامت وہ عجائبات ہیں جو نبی کے امتی کے ہاتھ پر ظاہر ہوں، جیسے حضور غوث پاک یا حضرت سلطان الہند خواجہ اجمیری، حضرت خواجہ نقشبندی رضی اللہ عنہم کے کرامات۔ استدراج وہ عجائبات ہیں جو کافر کے ہاتھ پر ظاہر ہوں، بہت سے عجائبات شیطان کر دکھاتا ہے، سنیاسی جوگی صدہا کرتب کر لیتے ہیں، دجّال تو غضب ہی کرے گا، مُردوں کو جلائے گا، بارش برسائے گا، اگر عجائبات پر ولایت کا دار و مدار ہو. تو شیطان اور دجّال بھی ولی ہونے چاہئیں، صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر ہوا میں اُڑنا ولایت ہے تو شیطان بڑا ولی ہونا چاہیئے۔

بعض نے کہا ہے کہ ولی وہ جو تارک الدُّنیا ہو، گھر بار نہ رکھتا ہو، لوگ کہا کرتے ہیں وہ ولی کیا جو رکھے پیسہ، مگر یہ بھی دھوکا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عثمان غنی، حضور غوث الثقلین، امام ابو حنیفہ، مولانا رُوم رضی اللہ عنہم اجمعین بڑے مالدار تھے، کیا یہ ولی نہ تھے؟ یہ تو ولی گر تھے، اور بہت سے سنیاسی کفار تارک الدنیا ہیں کیا وہ ولی ہیں ہرگز نہیں!

بعض نے سمجھا کہ ولی وہ جو بے عقل ہو، فی زمانہ لوگ ہر پاگل و دیوانہ کو ولی سمجھ لیتے ہیں یہ بھی غلط ہے، ہم پہلے عرض کر چکے کہ مجذوب سے سالک افضل ہے، کہ مجذوب بے فیض ہے اور سالک فیض رساں. مجذوب کمزور ہے کہ ایک جھلک کی تاب نہ لاسکا، اور سالک قوی۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں ؎

تُو سنسار میں ایسا ہو رہ جُوں مرغابی ساگر میں ۔۔ راہ پہ اپنے ایسی جانا جوں چِتناری گاگر میں

دیکھو مرغابی دریا میں تو تیرنے والی ہے اور ہوا میں پرندہ. عورتیں جب پانی بھر کے لاتی ہیں تو ایک گھڑا سر پہ اور دو گھڑے بغلوں میں، پھر بھی اپنی سہیلیوں سے باتیں کرتی، راستہ کو دیکھتی بے کھٹک چلی جاتی ہیں. کامل ولی وہ ہے جس کے سر پر شریعت ہو، بغلوں میں طریقت، سامنے دنیوی تعلقات اِن سب کو سنبھالے ہوئے راہِ خدا طے کرتا چلا جائے، مسجد میں نمازی ہو، میدان میں غازی، کچہری میں قاضی اور گھر میں پکا دنیا دار، غرضکہ مسجد میں آئے تو ملائکہ مقربین کا نمونہ بن جائے. اور بازار میں جائے، تو ملائکہ مدبرات امر کے سے کام کرے۔

بعض بیہودے دعوئی ولایت کریں مگر نہ نماز پڑھیں، نہ روزہ کے پاس جائیں اور شیخی ماریں کہ ہم کعبہ میں نماز پڑھتے ہیں، سُبحان اللہ نماز تو کعبہ میں پڑھیں اور روٹی و نذرانے مرید کے گھر لیں، یہ پورے شیاطین ہیں، جب تک ہوش و حواس قائم ہیں، تب تک احکام شرعیہ معاف نہیں ہو سکتے، انہیں لوگوں کے متعلق ہے ؎

کارِ شیطاں می کند نامش ولی ۔۔ گر ولی این است لعنت بر ولی

ولی کی صحیح پہچان

ہم پہلے عرض کر چکے کہ اولیاء اللہ کے مرتبے مختلف ہیں، اور یہ حضرات مختلف انبیاء کے مظہر، اسی لئے ان کی شانیں جداگانہ ہیں، سب میں ایک علامت تلاش کرنا غلطی ہے. ایک حکومت کے مختلف محکمے ہیں، ہر محکمہ کی وردی، پگڑی علیحدہ، پولیس کی وردی اور فوج کی کچھ اور، ریلوے کی دوسری. سب میں ایک ہی تلاش کرتے ہو، قرآن و حدیث میں ان حضرات کی مختلف علامتیں ارشاد ہوئیں، سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ولی وہ جسے دیکھ کر خدا یاد آجائے (تفسیر خازن) بعض اولیاء جس جگہ بیٹھ جاتے ہیں وہاں کے جانور بلکہ در و دیوار بھی ذاکر ہو جاتے ہیں.

(۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ ولی وہ ہے جس کا چہرہ زرد، آنکھیں تر اور پیٹ بھوکا ہو (روح البیان) ؎

عاشقاں را شش نشان است اے پسر ۔۔ آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر
گر ترا پرسند دیگر کدام ۔۔ کم خور و کم گفتن و خفتن حرام

(۳) بعض اولیاء فرماتے ہیں کہ ولی کی پہچان یہ ہے کہ دنیا سے بے پرواہ ہو، اور فکرِ مولیٰ میں مشغول ہو، بعض نے فرمایا کہ ولی وہ ہے جو فرائض ادا کرے، رب کی اطاعت میں مشغول رہے، اُس کا دل نورِ جلالِ الٰہی کی معرفت میں غرق ہو، جب دیکھے دلائلِ قدرت دیکھے، جب سُنے تو اللہ کی باتیں سُنے، جب بولے تو اپنے رب کی ثنا کے ساتھ بولے، اور جو حرکت کرے اطاعت الٰہی میں کرے اللہ کے ذکر سے نہ تھکے (خزائن عرفان)۔

(۴) متکلمین فرماتے ہیں کہ ولی وہ ہے جو سچے اعتقاد رکھے، اعمال مطابق شریعت کے کرے، حدیث شریف میں ہے کہ ولی وہ جو اللہ کے لئے محبت و عداوت رکھے، قرآن کریم نے انکی مختلف پہچانیں بتائیں، سورۂ فتح کے آخر میں ارشاد ہؤا وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ الآیۃ یعنی ہمارے نبی کے ساتھی (اولیاء) وہ ہیں جن میں یہ علامتیں ہوں، کفار پر سخت، مسلمان بھائی پر نرم، رکوع سجدہ میں رہنے والے، خدا کے فضل و رضا کے جویاں، اور ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے داغ۔ اس آیت میں ارشاد ہؤا، کہ ولی وہ جو ایمان لائیں اور پرہیزگار ہوں، کہیں فرمایا کہ ولی وہ جو نمازیں پڑھیں اور زکوٰۃ دیں، اگر ان سب میں غور کیا جاوے، تو معلوم ہوگا، کہ عبارتیں مختلف ہیں، مگر مضمون سب کا قریباً یکساں، کیونکہ ہر ایک عبارت میں ولی کی ایک صفت بیان کر دی گئی ہے، جس کو قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے، اس میں یہ ساری صفتیں پائی جاتی ہیں ؎

اِن علامات سے پتہ چلا، کہ ولی کے لئے ایمان و پرہیزگاری سخت ضروری ہیں، لہٰذا کوئی بد مذہب ہندو، عیسائی، قادیانی، رافضی، دیوبندی، وہابی کتنی ہی عبادات کریں ولی نہیں بن سکتے، کیونکہ ان کے پاس ایمان ہی نہیں، غور کرلو کہ سوائے اہل سنت و جماعت کے کسی فرقہ میں اولیاء اللہ نہیں ہوتے، اجمیر، دہلی، پاکپتن شریف، بغداد شریف سب جگہ اہل سنت کا ہی ظہور ہے، دیوبندیوں، رافضیوں وغیرہ کی کہیں کوئی گدی نہیں، چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی، سُنّی ہی ہیں، کیا دیوبند، ایران، قادیان، نجد میں بھی کسی کا عرس ہوتا ہے؟ یہاں سے بھی کیا روحانی فیض جاری ہیں؟ ہرگز نہیں! نیز بدعمل، فاسق، فاجر خواہ ہوا میں اُڑے، مگر ولی نہیں، جب تک ہوش قائم ہے شریعت کی پیروی واجب گویا شریعت طریقت کی کسوٹی ہے یا طریقت سمندر ہے اور شریعت اس کی کشتی ہے

مپندار سعدی کہ راہ صفا ؎ تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

اولیاء اللہ کے درجات

اولیاء اللہ کے درجے بے انتہا ہیں جن میں سے بعض کسب سے حاصل ہوتے ہیں، جیسے ایمان و پرہیزگاری وغیرہ، اور بعض محض فضلِ رب سے، جیسے عرفان، قرب خاص، مقبولیت اور فنا حدیث میں ارشاد ہؤا کہ میرے صحابی کا ایک مُدجَو خیرات کرنا دوسروں کے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے (مشکوٰۃ باب فضائل صحابہ) بات یہ ہی ہے کہ مقبولیت خاص فضلِ رب ہے کوئی غوث و قطب صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے، ولایت کی تین صورتیں ہیں فطری، وہبی، کسبی، جو لوگ مادر زاد ولی ہوں وہ ولایت فطری پر ہیں، جیسے حضور غوث پاک اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہما، چنانچہ حضور غوث الثقلین نے کبھی رمضان کے دن میں والدہ کا دودھ نہ پیا، آپ کا دودھ پینا یا نہ پینا، چاند ہو جانے یا نہ ہونے کی علامت ہوتی تھی ؎

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی اپنی والدہ کی عصمت اور اپنی نبوت کی گواہی دی۔ معلوم ہؤا کہ مادر زاد ولی ہیں۔ کیونکہ ہر نبی ولی ضرور ہوتے ہیں، یہ ولایت فطری ہوئی، ولایت وہبی وہ جو کسی اللہ والے کی نظر کرم سے حاصل ہو، ہم پہلے عرض کر چکے کہ حضور غوث پاک نے چور دل کو قطب بنا دیا، یہ ولایت وہبی ہے ؎

جو جادوگر موسےٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے آئے وہ میدان مقابلہ میں آتے وقت کفر و فسق فجور میں مبتلا تھے، مگر موسےٰ علیہ السلام کی نگاہِ فیض سے وہ آن کی آن میں مومن صحابی صابر شہید ہو گئے، کیمیا تانبہ کو سونا بنا دیتی ہے مگر موسےٰ علیہ السلام کی نظر نے ان خاکساروں کو کیمیا بنا دیا، یہ ولایت وہبی ہوئی، بلکہ ہارون علیہ السلام کی نبوت بھی وہبی ہے کہ موسےٰ علیہ السلام کی دعا سے ملی، ولایت کسبی وہ جو اپنی محنت اور عبادات وغیرہ سے حاصل ہو، مگر ولایت کسبی سے ولایت وہبی یا فطری اعلےٰ ہے، جیسے چراغ اور گیس سے چاند سورج افضل کہ ان میں بندے کے فعل کو دخل نہیں اور چراغ وغیرہ میں بندے کے کسب کو دخل ہے ؎

مشکوٰۃ شریف باب ذکر الیمن والشام میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا شام میں ہمیشہ چالیس ابدال رہیں گے جن کی برکت سے زمین والوں پہ بارشیں ہوں گی + اس کی شرح مرقاۃ میں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت میں ہمیشہ تین سو اولیاء حضرت آدم کے نقش قدم پر رہیں گے، اور چالیس موسےٰ علیہ السلام کے اور سات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم پہ ہوں گے اور پانچ وہ رہیں گے جن کا قلب حضرت جبریل کی طرح ہوگا، اور تین حضرت میکائیل کے قلب پر

اور ایک حضرت اسرافیل کے قلب پر رہے گا، جب اس ایک کا انتقال ہوگا، تو اُن تین میں سے کوئی اُس کی جگہ قائم ہوگا، اور ان تین کی کمی ان پانچ میں سے اور پانچ کی کمی سات میں سے اور سات کی کمی چالیس میں سے اور چالیس کی کمی تین سو سے پوری کی جائے گی، اور تین سو کی کمی عام مسلمانوں سے پوری کر دی جاتی ہے ۔

ابو عثمان مغربی فرماتے ہیں کہ ابدال چالیس ہیں اور اصفیاء سات، خلفاء تین، قطب عالم ایک اُس ایک قطب عالم کو سوائے اِن تین خلفاء کے کوئی نہیں پہچانتا، حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قطب سے مرکزِ عالم قائم ہے، اس کے دو وزیر ہوتے ہیں داہنا اور بایاں، داہنا وزیر عالمِ ارواح کی اور بایاں عالمِ اجسام کی حفاظت کرتا ہے، ان کے ماتحت چار اوتاد ہیں۔ جو مشرق و مغرب، جنوب و شمال کے محافظ ہیں اور سات ابدال اقالیم سبع (سات ولایتوں کے محافظ) روح البیان سورۂ مائدہ پارہ چھ آیت و بعثنا منهم اثنی عشر نقیبا ۔ اس جگہ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ قطب کی وفات کے بعد اُس کا بایاں وزیر اس کے قائم مقام ہوتا ہے، اور داہنا بایاں بن جاتا ہے، اور نیچے سے کسی کو ترقی دے کر داہنا وزیر بنا دیا جاتا ہے، اور اس سلسلہ میں داہنا بائیں سے افضل ہے، یہی صوفیانہ نکتہ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ وَ أَصْحٰبُ الْمَشْأَمَةِ مَا أَصْحٰبُ الْمَشْأَمَةِ ۔ صوفیائے کرام کے نزدیک یہ دونوں مانافیہ ہیں بایاں وزیر جلالی اور اہلِ فنا میں سے ہے، داہنا وزیر جمالی اور اہلِ بقا میں سے (روح البیان) ۔

یہ تعداد ان اولیاء اللہ کی بیان ہوئی، جو اہلِ خدمت جنہیں تکوینی ولی کہتے ہیں جن کے ذمہ دنیوی انتظام ہیں، باقی دیگر اولیاء اللہ شمار سے باہر ہیں، سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جہاں چالیس متقی مسلمان جمع ہوں ان میں کوئی ولی ضرور ہوتا ہے، اسی لئے جنازہ کی نماز میں چالیس مسلمانوں کی شرکت کی کوشش کی جاتی ہے، انہیں تشریعی ولی کہتے ہیں، ان میں سے بعض ولی خود اپنی ولایت سے بے خبر ہوتے ہیں ۔

اولیاء اللہ کے فضائل

اولیاء اللہ کے بے شمار فضائل ہیں، ان میں سے کچھ عرض کئے جاتے ہیں (۱) آسمان کا قیام چاند تاروں سے ہے، اور زمین کا بقا اولیاء اللہ سے (۲) ظاہری نور چاند سورج سے ہے اور باطنی نور اولیاء اللہ سے (۳) قرآن کریم نے اُن کے بڑے بڑے فضائل بیان کئے، کہیں فرمایا کہ کشتگانِ خنجر حق کو مُردہ نہ کہو، کہیں فرمایا کہ انہیں مُردہ نہ جانو یہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انہیں برابر رزق ملتا ہے، کہیں فرمایا کہ انہیں خوف نہیں، کہیں فرمایا کہ انہیں غم نہیں، کہیں فرمایا کہ دنیا میں ان کے لئے بشارتیں ہیں (۴) جیسے کشتی بغیر ملاح نہیں چل سکتی، ایسے ہی حیات کی کشتی کا بغیر اولیاء اللہ منزلِ مقصود تک پہنچنا مشکل ہے (۵) جیسے اعضاءِ بدن کے درمیان رگوں کے ذریعہ رشتہ قائم ہے، اگر یہ بیچ میں نہ ہوں تو ان سب میں بے تعلقی ہو جائے، ایسے ہی اولیاء اللہ کے ذریعہ نبی اور اُمت کے درمیان تعلق قائم ہے، اگر یہ حضرات نہ ہوں تو اُمت اپنے پیغمبر سے بے تعلق رہ جائے (۶) اولیاء اللہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہیں، ان کے کمالات سے کمالِ مصطفوی کا پتہ لگتا ہے، کہ جب اس شہنشاہ کے غلاموں میں یہ قدرت و قوت ہے، تو اُس سلطانِ کونین میں کیا طاقت ہوگی؟

مصطفےٰ تیری شوکت پہ لاکھوں سلام

(۷) بجلی پاور ہوس میں بنتی ہے مگر تار اور کھمبوں کے ذریعہ شہروں، قصبوں اور دیہاتوں تک پہنچ جاتی ہے، پھر مختلف قمقموں سے مختلف روشنیاں حاصل کی جاتی ہیں، اسی بجلی سے مشینیں چلتی ہیں اور بڑے بڑے کام لئے جاتے ہیں، ایسے ہی مدینہ منورہ ایمانی پاور ہوس ہے جہاں ایمانی بجلی تیار ہوتی ہے، اور چاروں سلسلے چشتی قادری نقشبندی سہروردی وغیرہ اس بجلی کے تار، ہر سلسلہ کے مشائخ اس تار کے کھمبے اور اولیاء اللہ رنگ برنگے مختلف قمقمے، چشتیوں قادریوں نقشبندیوں اور سہروردیوں میں ایک ہی بجلی کی رَو ہے، مگر ان کا اختلافِ طریق مختلف قمقموں کی وجہ سے ہے، پھر ان میں کوئی تیز پاور والا ہے کوئی ہلکا، کوئی جلالی ہے کوئی جمالی، جیسے بجلی کا کھمبا اکھیڑنے والا یا تار کاٹنے والا حکومت کا مجرم ہے، ایسے ہی اولیاء اللہ کا مخالف حکومتِ الٰہیہ کا باغی ۔ (۸) جنگل میں پڑے ہوئے ہلکے پتے کو ہوائیں اُڑائے پھرتی ہیں، لیکن اگر وہ کسی پتھر وغیرہ بھاری چیز کے نیچے آجائے تو ہواؤں سے محفوظ ہو جاتا ہے، ایسے ہی دنیا گو سنسان جنگل ہے اور انسان کا دل ہلکا پتہ، یہاں کے مصائب و آلام اور بُری صحبتیں مختلف ہوائیں ہمارے دلوں کا کوئی اعتبار نہیں کہ انہیں کون سی ہوا اپنی جگہ سے

ہٹادے اور کونسی موج بہائے جائے، ضروری ہے کہ اس کو کسی ولی کے قبضہ میں رکھا جاوے
گویا اولیاء اللہ انسانی قلوب کے لئے سنگِ استقامت ہیں، اعلیٰحضرت نے خوب فرمایا ؎

دل عبث خوف سے پتّا سا اُڑا جاتا ہے ✦ پلّہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

(۹) جیسے زمین کا قرار پہاڑوں سے ہے کہ اگر اس پر پہاڑوں کی میخیں نہ ہوتیں تو تھرّاتی، ایسے ہی عالم کا قرار اولیاء اللہ سے ہے، یہ حضرات عالم کی میخیں ہیں، اس لئے ان اولیاء اللہ کی ایک جماعت کو اوتاد یعنی عالم کی میخیں کہا جاتا ہے (۱۰) عالم کی تمام چیزیں مرتے ہی ساتھ چھوڑ دیتی ہیں مگر حضرات اولیاء اللہ کا تعلق یہاں اور قبر و حشر میں کام آتا ہے ✦ روح البیان نے فرمایا کہ قیامت میں لوگوں کو اُن کے مشائخِ سلسلہ کی نسبت سے پکارا جاویگا، رب فرماتا ہے يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ. ہم اُس دن ہر شخص کو اُس کے امام کے ساتھ پکاریں گے، مثلاً کہا جاوے گا کہ اے قادریو، اے چشتیو، اے نقشبندیو، اے سہروردیو! چلو۔ یا اے حنفیو! اے شافعیو وغیرہ چلو! دنیا میں جس کا پیر نہیں، اُس کا پیر شیطان ہے، اُسے کہا جاوے گا اے شیطانیو! آؤ (روح البیان و شرح قصیدہ خرپوتی) ایسے ہی قیامت میں مختلف جھنڈے مختلف اماموں کے ہاتھوں میں ہونگے، اور ہر گروہ اپنے امام کے جھنڈے میں ہوگا، صبر کا جھنڈا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ صابرین اُس کے نیچے، سخاوت کا جھنڈا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں وہاں شاکرین کا مجمع شجاعت کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ وہاں بہادر غازیوں کا مجمع اُن کے ساتھ ساتھ وغیرہ وغیرہ غرضکہ قیامت کا دن بہت لطف کا دن ہوگا، اللہ ایمان پر خاتمہ نصیب کرے آمین ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر میں ✦ کہ اُن کی شانِ محبوبی دکھائی جانیوالی ہے

اولیاء اللہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ ہیں، اور اسلام کی حقانیت کی دلیل اسلام کے ۷۳ فرقے ہیں، سواءِ اہلِ سُنّت کے کسی فرقہ میں ولی نہیں، کوئی قادیانی، دیوبندی، وہابی، شیعہ ولی نہیں، کیونکہ وہ سب فرقے باطل ہیں، دیکھو دین موسوی جبتک منسوخ نہ ہوا تھا ان میں بہت ولی ہوتے رہے، اصحاب کہف، آصف ابن برخیا، حضرت مریم اسی دین کے اولیاء ہیں، مگر جب سے یہ دین منسوخ ہوا تب سے کوئی یہودی اسرائیلی ولی نہیں ہوا، کسی فرقہ میں علماء کا ہونا اُس کے حقانیت کی دلیل نہیں، مگر اولیاء اللہ کا ہونا دلیلِ حقانیت ہے کیونکہ عالم سُن کر کہتا ہے ولی دیکھ کر ✦

اس آیت کی تفسیر

یہ سب کچھ بطور مقدمہ عرض کیا گیا۔ اب آیت کی تفسیر پڑھو اور اپنے ایمان تازہ کرو:۔

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللهِ جس مضمون کے انکار کا احتمال ہو وہاں عربی میں أَلَا یا إِنَّ یا ھَا وغیرہ حروف تنبیہ لائے جاتے ہیں، چونکہ رب کو علم تھا کہ اولیاء اللہ کے فضائل و کمالات، اُن کے مراتب و درجات، اُن کی قدرت و اختیارات، اُن کے مناقب کے بہت سے منکر پیدا ہونے والے ہیں۔ لہٰذا اس مضمون کو دو حروف تاکید سے شروع فرمایا، أَلَا إِنَّ خبردار، بے شک، تحقیق، اولیاء ولی کی جمع ہے، ولی کے چند معنٰے ہیں: قریب، دوست، ناصر و مددگار، والی، اس جگہ ولی بمعنی قریب ہے یا بمعنی ناصر یا بمعنی دوست یعنی اللہ سے قریب رکھنے والے، رب کے دوست یا اللہ کے دین کے مددگار۔ اللہ کے دوست اولیاء اللہ کہلاتے ہیں، جنہیں رب نے منتخب فرمایا اور شیطان کے دوست جنہیں شیاطین یا ہمارے نفوس نے منتخب کیا، اولیاء الشیاطین یا اولیاء مِنْ دُوْنِ اللهِ یا حزب الشیطان کہلاتے ہیں، قرآن کریم نے اولیاء مِن دُوْنِ اللهِ کی سخت مذمت فرمائی اور اُن کے ماننے والوں کو کافر بتایا اور اولیاء اللہ کے مناقب بیان کئے، یہ آیت اولیاء اللہ کے مناقب و محامد کی ہے اسی لئے فرمایا اولیاء اللہ، تاکہ اولیاء شیاطین نکل جاویں۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ آئندہ نقصان کے خطرے کو خوف اور گذشتہ نقصان کے رنج کو غم کہا جاتا ہے، یعنی اولیاء اللہ کو نہ آئندہ کا خوف ہے اور نہ گذشتہ کا غم، وہ حضرات ان دونوں مصیبتوں سے دُور ہیں، بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ بے خوف کیسے ہو سکتے ہیں، خوف تو ایمان میں داخل ہے، ایمان خوف و امید پر موقوف ہے رب کا خوف قیامت کا ڈر خرابی خاتمہ کا اندیشہ سب کو ہے۔

حکایت: مُلّا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں فرمایا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ سے ایک تیلن پوچھا کرتی تھی کہ آپ کی داڑھی اچھی ہے یا میرے بیل کی دُم، تو آپ فرماتے کہ مائی اگر مجھے خاتمہ بالخیر نصیب ہوگیا، تو میری داڑھی تیرے بیل کی دُم سے بدرجہا اچھی ہے، اور اگر بوقتِ موت میں ایمان سے پھسل گیا، تو تیرے بیل کی دُم میری داڑھی سے کہیں بڑھ کر اچھی کہ پھر جہنّم میرے لئے ہے، نہ کہ تیرے بیل کے لئے، دیکھو حضرت بایزید سلطان العارفین ہیں مگر اُنہیں بھی اتنا ڈر ہے، پھر آیت کے کیا معنٰے

جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ خوف دو طرح کا ہے مضر اور مفید:۔

یہاں نقصان دِہ خوف کی نفی ہے نہ کہ فائدہ مند خوف کی۔ اسی لئے عَلَیْہِمْ ارشاد ہُوا، نہ کہ لَہُمْ، عَلٰی نقصان کے لئے آتا ہے، نیز اکثر خوفِ الٰہی کو خشیت کہا جاتا ہے لَرَأَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ یا جیسے اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا مضر خوف وہ جو رب سے غافل کر دے، اگر کوئی سردی کے خوف یا دنیاوی نقصان کے ڈر سے نماز ادا کرے یا مسجد میں نہ جائے یا روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ سے دُور رہے، ملازمت کے خوف سے داڑھی نہ رکھائے، یہ نقصان دِہ خوف ہے، اسی کی یہاں نفی ہے۔ یعنی اولیاءُ اللہ پر ان چیزوں کا خوف کبھی طاری نہیں ہوتا، وہ کس سے ڈریں تمام عالم کی چیزیں تو اُن سے ڈرتی ہیں، حضراتِ اولیاء شیر پر سواری کریں، اُن کے نام سے جِنّ و شیاطین بھاگیں، حضرت ساریہ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے شیر نے انہیں راستہ بتایا اور اُن کے آگے فرماں بردار کُتّے کی طرح دُم ہلاتا ہُوا چلا، جب عالم کی سب چیزیں اُن سے کانپیں، تو اُن پر کس کا خوف ہو، وہ حضرات کلمۂ حق فرمانے میں کسی سے نہیں ڈرتے، حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ عنہ نے اکبر کے خود ساختہ دینِ الٰہی کو پاش پاش فرمادیا، انہوں نے بادشاہِ وقت سے خوف نہ کیا، بلکہ آخر کار سب اُن کے مطیع ہوئے، اور نہ وہ دنیا میں ایسے کام کریں جس سے آخر کار انہیں غم و حسرت ہو کیونکہ اُن کے اوقات یادِ الٰہی میں گھرے رہتے ہیں، اُنہیں لہو و لعب یا ناجائز باتوں کے لئے وقت ہی نہیں ملتا، پھر انہیں غم و الم کیسا؟ دوسرے یہ کہ یہ آیت کریمہ قیامت کے متعلق ہے یعنی اُس دن سب کو آئندہ حساب کتاب کا کھٹکا، پُل صراط، جہنّم، غضب الٰہی کا خوف ہوگا اور اپنی گذشتہ برباد شدہ زندگی کا غم و ندامت مگر اولیاءُ اللہ ان دونوں سے آزاد، صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یہاں اولیاءُ اللہ فرمایا گیا نہ کہ انبیاءُ اللہ، کیونکہ اُس دن سوائے اولیاءُ اللہ سب ہی کو خوف ہوگا، عام مسلمانوں کو بھی اور انبیائے کرام کو بھی، سب کو اپنی اپنی جان کا اور انبیاء کرام کو جہان کا، اُن کی اُمّت سے جو جہنّم میں پہنچے اُن کا غم اور باقی اُمتیوں پر خوف۔ اسی لئے اُس دن وہ حضرات صراط پر رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ فرمائیں گے مگر اولیاءُ اللہ کو نہ اپنا خوف و غم نہ دوسروں کا کہ یہ حضرات شفاعت کے ذمّہ دار نہیں (تفسیر روح البیان یہ ہی آیت) حدیث پاک میں ارشاد ہُوا کہ قیامت کے دن میری اُمّت کے اولیاء پر انبیاءِ کرام رشک کریں گے، اس کا بھی یہ ہی مطلب ہے، جیسے بادشاہ اپنی ذمہ دارانہ زندگی میں کسی آزاد غریب کی زندگی پر رشک کرے کہ اس کی کیسی آزاد زندگانی ہے، ایسے ہی انبیاء کا رشک ہوگا، نیز ان

حضرات کو اپنے حساب کا بھی خوف نہیں کیونکہ قیامت میں ہم لوگ تو حساب دینے جائیں گے اور یہ رب سے اپنا حساب لینے، جب امین مالک کی امانت سے زیادہ مالک کے کام میں خرچ کر چکا ہو تو وہ اُس سے حساب لیتا ہے، اور اگر برابر یا کم خرچ کیا ہو تو وہ مالک کو حساب دیتا ہے، جن پر چالیسوں حصہ زکوٰۃ، پانچ نمازیں وغیرہ فرض تھیں، اور انہوں نے اُسی قدر یا اس سے کم ادا کیں وہ تو رب تعالٰی کو حساب دیں گے، مگر جن صدیق و فاروق اور اُن کے متبعین نے اپنا سب کچھ راہِ مولیٰ ہی میں لٹا دیا اور زندگی کا ہر شعبہ اُس کی اطاعت میں وقف کر دیا، وہ اپنا حساب رب سے لیں گے، اُن کے لئے حساب کا دن بڑی خوشی کا دن ہوگا، اس لئے ارشاد ہُوا لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

وہ حضرات دامنِ مصطفٰے میں ایسے آرام سے سوئیں گے کہ فتنہائے قیامت کی بالکل خبر نہ ہوگی ؎

ڈھونڈا ہی کریں صدرِ قیامت کے سپاہی ٭ وہ کس کو ملے جو ترے دامن میں چھپا ہو

مگر حضور کو تمام عالم کے حساب کی فکر، ایک دفعہ حضرت صدیقۃ الکبرٰے رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ حضور قیامت میں آپ کو کہاں تلاش کیا جاوے، فرمایا میزان پہ یا صراط یا کوثر پہ، کبھی سجدے میں رو رو کر شفاعت فرمارہے ہیں کبھی صراط پر گرتوں کو سنبھال رہے ہیں، کبھی گنہگاروں کے ہلکے پلّے بھاری فرمارہے ہیں، کوئی دامن پکڑ کر مچل گیا ہے، کوئی بے کس پکار رہا ہے کہ حضور ادھر آیئے ورنہ میں چلا، کوئی اُن کا منہ تک رہا ہے، کسی کو فرشتے جہنّم میں لے چلے ہیں، وہ اُن کا راستہ پھر پھر کے دیکھ رہا ہے، غرضکہ ایک جان ہے اور فکرِ جہان اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ مولانا حسن رضا خاں صاحب نے قیامت کا نقشہ یوں کھینچا ہے ؎

کوئی قریب ترازو کوئی لبِ کوثر ٭ کوئی صراط پہ اُن کو پکارتا ہوگا
کسی کے پلّہ پہ ہوئیں گے وقتِ وزنِ عمل ٭ کوئی اُمید سے مُنہ اُن کا تک رہا ہوگا
کسی طرف سے صدا آئے گی حضور آؤ ٭ نہیں تو دم میں غریبوں کا فیصلہ ہوگا
کسی کو لے چلیں گے فرشتے سوئے جہنّم ٭ وہ ان کا راستہ پھر پھر کے دیکھتا ہوگا
عزیز بچّہ کو ماں جس طرح تلاش کرے ٭ خدا گواہ ہے یہ ہی حال آپ کا ہوگا

یہ تو قیامت کا حال ہے، دُنیا میں کرم کا یہ حال کہ سب گنہگار رات بھر سوتے ہیں اور وہ گنہگاروں کے لئے رات بھر روتے ہیں، ایک ایک رکعت میں یہ پڑھتے پڑھتے سویرا کر دیتے ہیں اِنْ تُعَذِّبْهُمْ

فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ اے مولیٰ اگر میرے گنہگار اُمت کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر انہیں بخش دے تو تو عزیز و رحیم ہے، قیامت میں ہمارے ماں باپ، قرابت دار اپنی اپنی فکر میں، مگر ہمارے والی اُمت کے رکھوالی جن پر سارے جہان کے ماں باپ فدا، وہ اُمت کی فکر میں، اولیاء اللہ گنہگاروں کو اُس کی بارگاہ تک پہنچا کر بے فکر ہو گئے، اس لئے ارشاد ہوا اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ اس جملہ میں ولی کی دو پہچانیں ہوئیں یعنی وہ سچے مومن بھی ہوتے ہیں اور پرہیزگار بھی، ایمان اور تقوے کے تین درجہ ہیں، اسی لئے ولایت کے تین درجہ ولایت عوام ولایت خواص، ولایت اخص الخاص ایمان کی حقیقت ہے، حضور علیہ السلام کو کما حقہ یقین سے ماننا، اس میں ساری باتیں آگئیں، جس نے حضور کو صحیح طور سے مان لیا اُس نے رب کو، قرآن کو، قیامت و جنت و دوزخ سب کو ہی مان لیا، یقین کے تین درجہ ہیں، علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، سُن کر یقین، علم الیقین ہے، دیکھ کر عین الیقین اور اس میں فنا ہو کر حق الیقین، کسی نے سُن کر یقین کیا کہ آگ گرم ہے، کبھی اُسے دیکھا نہیں، اس کا یقین علم الیقین، دوسرا آگ کے پاس بیٹھا ہوا اور اُس کی گرمی محسوس کرتے ہوئے اس کا یقین کر رہا ہے اس کا یقین عین الیقین ہے، تیسرے نے اپنے کو آگ میں ڈال کر فنا فی النار ہو کر گرمی کا یقین کیا، اُس کا یقین حق الیقین ہوا، پہلا یقین تو ہر مسلمان کو ہے کہ اس پر ایمان کا دار و مدار ہے اور یہ ایمان کا پہلا درجہ ہے، دوسرا یقین خاص حضرات کو یہ ہی یقین حاصل کرنے کے لئے حضرت خلیل نے بارگاہِ رب جلیل میں عرض کیا تھا رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى، تیسری قسم کا یقین فنا فی اللہ یا فنا فی الرسول کو حاصل ہوتا ہے۔ جب ولی اس درجہ میں پہنچ جاتا ہے تو اس کا یہ حال ہوتا ہے، کہ وہ کھلاتا ہے تو کھاتے ہیں وہ پلاتا ہے تو پیتے ہیں وہ بلواتا ہے تو بولتے ہیں، ورنہ خاموش رہتے ہیں، مشکوٰۃ باب الذکر میں ایک حدیث قدسی ارشاد ہوئی، کہ رب فرماتا ہے کہ مَیں اپنے ولی کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ چھوتا ہے، مَیں اُس کی آنکھ، زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا اور دیکھتا ہے، اسی حال پر پہنچ کر بعض حضرات اَنَا الْحَقُّ کہہ گئے، اور بعض سُبْحَانِيْ مَا اَعْظَمَ شَانِيْ فرما گئے، اس وجہ سے جب جنگ بدر میں حضور علیہ السلام نے کنکروں کی مٹھی کفار پر پھینکی، تو رب نے ارشاد فرمایا وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى، تقویٰ کے معنےٰ ہیں ڈرنا یا بچنا، اس کے بھی تین درجے ہیں، تقویٰ عوام، تقوے خواص اور تقویٰ اخص الخواص، ناجائز چیزوں سے بچنا عوام کا تقویٰ ہے، اور شبہات سے بچنا خواص کا تقویٰ، مگر ماسوی اللہ سے علیحدہ ہو جانا اخص الخواص کا تقویٰ ہے، جو چیز رب سے غافل کرے اُس سے دُور بھاگنا، اُس کو رفع کر دینا مردوں کا کام ہے ۔

حکایت: حضرت ابراہیم ابن ادہم سلطنت بخارا چھوڑ کر مکہ معظمہ پہنچے، اپنے والد ادہم سے ملاقات کی محبت پدری نے جوش مارا، لختِ جگر کو سینے سے لگایا، ندا آئی، کہ اے ادہم جس دل میں ہماری محبت ہو کیا اُس میں کسی اور کی بھی گنجائش ہے؟ عرض کیا مولےٰ میرے فرزند کو موت دے دے، اب یہ خیال نہیں کہ یہ لختِ دل ہے، بے قصور ہے، اب تو یہ لحاظ ہے کہ اس وقت یہ میرے اور محبوب کے درمیان ایک آڑ ہے اسے پھاڑ کر ہٹا دو ۔ فوائد الفواید صفحہ ۶ میں ہے

حکایت: سلطان الاولیاء حضرت محبوب الٰہی نظام الدین بدایونی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایک شیخ دریا کے کنارے رہتا تھا اُس نے اپنی عورت کو کہا جمنا پار ایک درویش بیٹھا ہے اسے کھانا کھلا آ۔ عورت نے عرض کیا، مجھے کچھ عذر نہیں، مگر رات اندھیری ہے، جمنا بیچ میں ہے، کوئی کشتی بھی نہ ملے گی، اسے کیونکر پار کروں؟ فرمایا کہ دریا سے کہدینا کہ مَیں اُس کی بھیجی ہوئی آئی ہوں جو تیس سال اپنی بیوی کے پاس نہ گیا عورت کو سخت تعجب ہوا، کیونکہ حضرت صاحب اولاد تھے، مگر باادب تھی کچھ نہ بولی بلکہ چل پڑی، دریا سے یہ ہی کہا، دریا میں قدرتی طور پر خشک راستہ نمودار ہو گیا، پار جا کر بزرگ کو کھانا کھلایا، جب واپس ہوئی تو بزرگ نے کہا، دریا سے کہدینا کہ مَیں اُس کی خدمت سے آرہی ہوں، جس نے کبھی کچھ نہ کھایا، اب تو اُس عورت کا تعجب اور بھی بڑھ گیا، کہ ابھی میرے سامنے کھانا کھایا ہے اور یہ فرما رہے ہیں، مگر خاموش رہی، دریا سے یہی کہا، پھر راستہ نمودار ہو گیا، ایک دن عورت نے اپنے خاوند ..... سے عرض کیا، کہ اُس دن آپ کے اور اُس بزرگ کے کلام میں کیا راز تھا؟ فرمایا کہ ہم لوگ اپنے نفس کے لئے کچھ نہیں کرتے جو کچھ کرتے ہیں رب کے لئے، اس لئے ہمارے فعل ہماری نسبت سے کالعدم ہیں، اس تقویٰ کی یہ حقیقت ہے، اس لحاظ سے ارشاد ہوا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ جیسا ایمان و تقویٰ ویسی ہی ولایت لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ بشریٰ میں چند احتمال ہیں، یا تو یہ بمعنی اسم مفعول

ہے (بشریٰ) خوشی کی چیزیں یعنی دارین میں حقیقی خوشی اولیاء اللہ کو ہی حاصل ہے۔ کہ اُن کا دل دنیاوی
تفکرات کا اثر نہیں لیتا، اُن کے لئے یہاں کے تفکرات مثل دریا کے پانی کے ہیں، اور اُن کے قلوب
تیرنے والی کشتی کہ اگر دریا پر کشتی رہے تو محفوظ، اور اگر کشتی پر دریا غالب آجاوے تو کشتی ہلاک۔ ہم
پر دنیا غالب ہے اور وہ حضرات دنیا پر غالب، مولانا فرماتے ہیں ؎

آب در کشتی ہلاک کشتی است ۔ آب اندر زیر کشتی پشتی است

عشق خدا و رسول نے اُن کے دل میں غم و فکر کی جگہ ہی نہ چھوڑی، جس گھر میں مالک نہ ہو وہاں
بلائیں رہتی ہیں، مگر جو گھر مالک سے آباد اور روشن ہو، اُس میں دوسرا کیوں رہے اُن کی نظروں کے
سامنے وہ جھلک ہے جس سے اُن کی نگاہ دوسری طرف اٹھتی ہی نہیں۔

حکایت: تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم
کی خواب میں زیارت کی، عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے آپ کی ایک حدیث سُنی ہے کہ مومن کی
ایسی بے تکلف نکال لی جاتی ہے جیسے خمیری آٹے سے بال، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ فرمایا ہاں، عرض
کیا کہ قرآن کریم نے تو جان کنی کی سخت شدت اور دشواری بیان فرمائی ہے۔ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ
وَقِیْلَ مَنْ رَاقٍ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰى رَبِّكَ یَوْمَئِذِ
نِ الْمَسَاقُ تو اس حدیث و آیت میں مطابقت کیونکر ہو، فرمایا کہ سورۂ یوسف پڑھو، وہاں اس کا جواب
مل جاوے گا، اُس نے بیدار ہو کر بار بار سورۂ یوسف پڑھی، مگر جواب سمجھ میں نہ آیا، مجبور ہو کر عالم
وقت کی خدمت میں حاضر ہوا، اور سارا ماجرا بیان کیا، اُنہوں نے فرمایا کہ سورۂ یوسف کی اِس آیت
میں تیرے سوال کا جواب ہے فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ
لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ ۝ یعنی مصر کی عورتوں کی زلیخا نے دعوت کی،
کھانے کے بعد اُن کے ہاتھوں میں لیموں اور چُھری دے دی، اور پھر رُخ یوسف سے نقاب اُٹھا
کر حسن خداداد کی جھلک دکھا کر کہا اب لیموں کاٹو، اُنہوں نے بے خودی میں بجلئے لیموں کے اپنے
ہاتھ کاٹ ڈالے، اور بولیں کہ سُبحان اللہ، یہ حسین انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے۔

دیکھو اُن عورتوں کے ہاتھوں پر چاقو چلا، ہاتھ کٹا، خون بہا، درد بھی ہوا، مگر جمالِ یوسفی میں
ایسی محو ہو گئیں، کہ نہ تو ہائے وائے کی، نہ درد کی شکایت، نہ تکلیف کا احساس، بلکہ حال یہ تھا کہ
کٹ رہا ہے اور حسن یوسفی کی مدح خوانی کر رہی ہیں۔ ایسے ہی مرد صالح کو بوقت نزع جمالِ مصطفائی
کی زیارت ہوتی ہے، تب نقشہ یہ ہوتا ہے کہ جان نکل رہی ہے اور سامنے جمالِ مصطفےٰ ہے مرنے
والا دیکھ دیکھ کر کہہ رہا ہے کہ تمہارے جمال پہ قربان، تمہارے کمال کے صدقہ، تمہارے خدوخال پر فدا
تمہارے بنانے والے رب ذوالجلال پہ قربان، تیرے رخسار پہ قربان، تیری گفتار پہ صدقے، تیری رفتار
پہ فدا، غرضکہ مرنے والا اُن پر قربان ہوتا رہا اور جان نکل گئی، اُسے محسوس بھی نہ ہوا، تو قرآن کریم نے
اُس واقعی تکلیف کا ذکر فرمایا، اور حدیث پاک نے احساس کی نفی کی، دونوں میں مخالفت نہیں۔
تو زندگی موت کا حال تھا، رہی قبر، وہ تو دیدارِ مصطفےٰ کی جگہ ہے، وہ بھی اُن کو پیاری، رہی قیامت
وہ حضرات اُس دن سایۂ دامانِ مصطفےٰ میں امن و امان سے ہی، اگلی خبریں اُن کے لئے دنیاوی
بشارت تھیں اور یہ اُخروی بشارت یا دنیاوی بشارت سے اچھی خوابیں یا کشف و الہام مراد ہے
حدیث پاک میں ارشاد ہوا، اچھی خوابیں نبوت کا چالیسواں حصہ ہیں، کہ زمانۂ نبوت ۲۳ سال،
اور اس سے پہلے سچی خوابیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھ ماہ آئیں، اور بشارت آخرت فرشتوں
کا بشارت دینا اُن کا سلام پیش کرنا ہے، یا دنیاوی بشارت سے دنیا میں نیک نامی مراد ہے
اور اخروی بشارت سے وہاں کی خوشخبریاں، دیکھ لو اولیاء اللہ بعد وفات بھی دلوں پر حکومت
کرتے ہیں، حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ دنیاوی بشارت تو ملائکہ کا بوقت موت خوشخبری سُنانا
ہے، اور اُخروی بشارت وہ ہے جو بعد موت اُن کو سُنائی جاتی ہے۔

مسئلہ: اِس آیت سے معلوم ہوا کہ جسے مسلمان ولی جانیں، وہ اللہ کے نزدیک بھی
ولی ہے، کیونکہ یہاں دنیاوی بشارت کو علامتِ ولایت فرمایا گیا ہے، اور مسلمانوں کا کسی کو ولی
کہنا یہ دنیاوی بشارت ہی تو ہے۔

لطیفہ: ایک بار مکہ مکرمہ میں ہم سے حرم شریف کے امام نے کہا کہ جسے تم ولی کہتے ہو اُس
کے خاتمہ بالخیر کا بھی یقین نہیں، پھر تم کسی قبر کی تعظیم و توقیر کیوں کرتے ہو، کیا خبر کہ صاحب قبر مرتے
وقت ایمان پر بھی قائم نہ رہے ہوں، اُن کے ولی ہونے کا کیا ثبوت، ہم نے کہا کہ مسلمانوں کا اُن
کو ولی جاننا اُن کے ولی ہونے کی علامت ہے، حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنْتُمْ
شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ تم لوگ زمین میں رب تعالیٰ کے گواہ ہو۔ مُلا علی قاری نے اس حدیث

کی شرح میں فرمایا، کہ خلق کی زبان خالق کا قلم ہے، وہ بولا، کہ یہ صرف صحابۂ کرام کے لئے تھا کہ جس کی وہ گواہی دیں، وہ واقعی جنتی ہو، کیونکہ حدیث میں اَنْتُمْ خطاب سے ہے۔ ہم نے کہا کہ اگر یہ مطلب ہے، تو ہم پر نہ فرض نماز ہے نہ روزہ، نہ حج نہ زکوٰۃ، کیونکہ ان تمام احکام میں خطاب ہی کے صیغہ ہیں اور نزولِ قرآن کے وقت صرف صحابہ کرام تھے ہم نہ تھے، وہ بیچارے خاموش ہو گئے، غرضکہ دنیا میں مسلمانوں کا کسی کو ولی کہنا یہ دنیاوی بشارت ہے، اور آخرت میں نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں ہونا، چہرہ روشن ہونا وغیرہ اخروی بشارت ہے۔

شہید کا بیان اُور شہادت کے فضائل :-

ولی کی ایک قسم شہید بھی ہے، شہید کے فضائل گویا فضائلِ اولیاء اللہ ہیں، اور اولیاء اللہ کی مدح سرائی حضور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی ہے، اسی لئے ہم اس کی تحقیق بھی کچھ عرض کرتے ہیں :-

شہید کے معنیٰ

لغت میں شہید کے معنے گواہ یا حاضر یا موجود ہیں، مگر شریعت میں اکثر شہید اُسے کہا جاتا ہے جو ظلماً قتل ہو، اس مظلوم کو شہید کہنے کی چند وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ قیامت کے دن ساری اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلے انبیاء کرام کے حق میں گواہی دے گی، جبکہ اُن کی اُمتیں عرض کریں گی کہ مولیٰ ہم تک تیرے احکام نہ پہنچے، ہم ایمان کیسے لاتے۔ انبیاء کرام عرض کریں گے، کہ مولیٰ ہم نے تبلیغ کر دی تھی، ان بدبختوں نے نہ مانا، اس کی گواہی اُمتِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم دے گی، گواہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک مدعی کا تجویز کردہ، دوسرا سرکاری گواہ۔ تو گویا عام مسلمان انبیائے کرام کے اپنے گواہ ہوں گے، اور شہدائے عظام سرکاری گواہ، اسی لئے اُنہیں شہید یعنی سرکاری گواہ کہا جاتا ہے، نیز توحید کی گواہی سارے مسلمان دیتے ہیں، کوئی قول سے، کوئی فعل سے، کلمہ پڑھنا بھی توحید کی گواہی ہے۔ اور روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ فعلی گواہی، لیکن شہید اپنے خون سے توحید کی گواہی دیتا ہے۔ لہٰذا اس کی گواہی تمام گواہیوں سے اعلےٰ ہے، اس لئے یہ کامل گواہ ہُوا، اسی وجہ سے اسے مع خون کے دفن کرتے ہیں، کہ گواہی گواہ کے ساتھ جاوے۔

دوسرے یہ کہ کوئی شخص قیامت سے پہلے جزاء کے لئے جنت میں نہیں جا سکتا، حضرت آدم کا وہاں رہنا یا حضور علیہ السلام کا معراج میں وہاں تشریف لے جانا جزائے اعمال کے لئے نہ تھا، نیک مردوں کی قبر میں جنت کی کھڑکی کھل جاتی ہے جس سے وہاں کی ہوا آتی ہے، اور مُردہ اُسے دیکھتا ہے، مگر وہاں داخل نہیں ہو سکتا، صرف شہداء وہ ہیں جن کی روحیں سبز پرندوں کے جسم میں وہاں جاتی اور وہاں کے رزق کھاتی ہیں (حدیث و قرآن) اس لئے اُنہیں شہید کہا جاتا ہے یعنی قیامت سے پہلے جنت میں موجود ہو جانے والا، تیسرے یہ کہ شہید کو بارگاہِ الٰہی میں حاضر کر کے دریافت کیا جاتا ہے، کہ کچھ تمنا ہے تو کہو، وہ عرض کرتا ہے کہ پھر شہادت کے لئے دنیا میں واپس کیا جاؤں تاکہ اسی گرم ریت اور زخم و قتل کی لذت پھر پاؤں، ارشاد ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں امتحان کے بعد امتحان نہیں لیا جاتا، اس لئے اُسے شہید کہتے ہیں یعنی بارگاہِ الٰہی میں حاضر۔

شہادت کی قسمیں

شہادت دو قسم کی ہے، حقیقی اور حکمی : شہادت حقیقی تو وہ جو بیان کر دی گئی، یعنی ظلماً مارا جانا اور قاتل پر دیت واجب نہ ہو۔ شہادت حکمی یہ ہے کہ ظلماً قتل تو نہ ہو مگر رب تعالیٰ بروزِ قیامت اُسے زمرۂ شہداء میں اُٹھائے، روایات میں آیا ہے کہ جو عورت زچہ خانہ میں مر جائے شہید ہے، دب کر، جل کر، ڈوب کر مر جانے والا شہید، طاعون میں، صابر، طالب علم وغیرہ شہید ہیں، یہ سب شہید حکمی ہیں۔ ان کی بہت سی قسمیں ہیں، اگر یہ تمام اقسام دیکھنا ہوں، تو ہماری تفسیرِ نعیمی دوسرا پارہ ملاحظہ کرو۔ شہادت حقیقی کی بھی دو قسمیں ہیں، شہادت فقہی اور غیر فقہی، شہادت فقہی یہ ہے، مسلمان عاقل بالغ ظلماً اس طرح قتل ہو کہ زخمی ہو کر کوئی دنیاوی نفع حاصل نہ کر سکے نہ تو علاج کرا سکے، نہ کچھ کھا پی سکے، نہ سایہ لے سکے، اور نہ تا وقت نماز ہوش و حواس کے ساتھ زندہ رہے، اس کا حکم یہ ہے کہ نہ اس کو غسل دیا جاوے، نہ کفن، اُنہی خون آلودہ کپڑوں میں دفن کر دیا جاوے۔ دوسری قسم کی شہادت بھی شہادت ہی ہے، مگر اُس پر یہ فقہی احکام جاری نہ ہوں گے شہدائے کربلا سب ہی شہید ہیں، مگر حضرت علی اصغر و علی اکبر و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شہادتوں میں فرق ہے۔

شہید کے فضائل

شہید کے فضائل بے شمار ہیں، ہم کچھ عرض کرتے ہیں (۱) اور لوگ تو دینی خدمت میں اپنا وقت یا مال یا دیگر چیزیں خرچ کرتے ہیں، مگر شہید اپنی جان سے دین کی خدمت کرتا ہے، اور چونکہ جان زیادہ پیاری ہے اس لئے بڑی قربانی اسی کی ہے، اور اس لحاظ سے دین کا بڑا خادم شہید ہی ہے (۲) آج بھی حکومتیں فوجی سپاہیوں کی بہت خاطر تواضع اور ناز برداری کرتی ہیں، وہ جانتی ہیں کہ اس نے حکومت کے لئے اپنی جان پیش کی ہے، ایسے ہی حکومت ربانیہ میں شہید کا بڑا درجہ ہے، کہ اس نے جان کی بازی لگادی، اور جان سے دین کی خدمت کی (۳) شہید کو نبی سے اور شہادت کو نبوت سے بہت قرب اور مناسبت ہے، مسئلہ یہ ہے کہ نیند وضو توڑتی ہے، اور موت غسل، سو کر بغیر وضو کئے نماز جائز نہیں، اور میت کو بغیر غسل دفن نہیں کر سکتے، مگر پیغمبر کی نیند وضو نہیں توڑتی، اور شہید کی موت غسل نہیں توڑتی، پیغمبر سوتے کے بعد بغیر وضو کئے نماز پڑھ سکتے ہیں، اور شہید کو بغیر غسل و کفن اسی طرح خون آلود دفن کیا جاوے گا (۲) پیغمبر کے فضلات و پیشاب پاخانہ وغیرہ اُمت کے لئے پاک ہیں (شامی) اور شہید کا خون پاک، کہ اگر شہید کا خون آلودہ کپڑا کنوئیں میں گرجاوے تو کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔ حیات النبی کی حدیث نے گواہی دی فنبی اللّٰہ حی یرزق (مشکوٰۃ باب الجمعہ) اور حیاتِ شہداء کا قرآن گواہ ہے بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝

لطیفہ کسی مشاعرہ کا مصرع طرح یہ تھا:۔

کافر ہیں جو حسنین کا ماتم نہیں کرتے

کسی شاعر نے اس پہ یہ شعر لکھا ؎

کافر ہے جو منکر ہو حیاتِ شہداء کا ٭ ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

(۴) بعد موت کوئی مغفور بندہ دنیا میں واپس آنے اور یہاں کے مصائب و آلام پھر دیکھنے کی آرزو نہیں کرتا سوائے شہید کے، کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتا ہے کہ مولیٰ پھر وہی میدانِ جہاد ہو، وہ ہی وہاں کی تپتی ریت ہو، وہ ہی زخم و قتل ہو (مشکوٰۃ باب فضائل جہاد) (۵) حدیث شریف میں ہے کہ شہادت قرض کے سوا سارے گناہ مٹا ڈالتی ہے (۶) حدیث شریف میں ہے کہ تین شخص جنت میں پہلے جائیں گے، شہید اور بھیک سے بچنے والا، عیالدار اور فرماں بردار غلام (ترمذی و مشکوٰۃ فضائل جہاد) (۷) حضور فرماتے ہیں کہ شہید کی چھ خصوصیتیں ہیں۔ اس کی پہلی ہی بار میں مغفرت کر دی جاتی ہے، اُسے اس کا جنتی مقام دکھا دیا جاتا ہے، اُسے عذاب قبر نہیں ہوتا، قیامت کے دن گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا، اُس کے سر پہ وقار کا تاج رکھا جائے گا، جس کا ایک قوت ساری دنیا سے بہتر ہوگا، ۷۲ حوریں اس کے نکاح میں دی جائیں گی، اور وہ اپنے ستر اہل قرابت کی شفاعت کرے گا (ترمذی ابن ماجہ و مشکوٰۃ کتاب الجہاد) (۸) حضور فرماتے ہیں کہ دو قطرے اور دو قدموں کے نشان خدا کو بڑے پیارے ہیں، ایک آنسو کا قطرہ جو خوفِ الٰہی میں بہے، دوسرے اُس قدم کا نشان جو خدا کا فریضہ ادا کرنے کے لئے چلے (۹) حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تلوار شہید کی خطائیں مٹا دیتی ہے، اور قیامت میں اُسے اختیار دیا جائے گا کہ جس دروازہ سے چاہے جائے (دارمی و مشکوٰۃ) (۱۰) حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ شہید کو موت کی اتنی تکلیف ہوتی ہے جیسے کسی کو چیونٹی کاٹنے کی ٭

سیّد الشہداء کون ہے؟

حضور علیہ السلام کے باغ میں ہر پھول کا رنگ و بُو جُدا ہے، خلفائے راشدین، امام حسینؓ، امیر حمزہ رضی اللّٰہ عنہم اجمعین سب ہی مختلف معانی سے سید الشہداء ہیں، صدیق اکبر اس لحاظ سے کہ اُن کی وفات حضور کی وفات کا نمونہ ہے، حضور کی وفات خیبر والے زہر سے، صدیق اکبر کی وفات مارِ غار کے زہر سے، کہ اس وقت اُس سانپ کا زہر لوٹ آیا تھا، اور اُس سے آپ کی وفات ہوئی۔ حضور کی وفات دوشنبہ کے دن میں، حضرت صدیق اکبر کی وفات دوشنبہ گذار کر رات میں۔ حضور کی وفات کے وقت گھر میں روشنی کے لئے تیل نہیں، اور صدیق اکبر کے گھر میں کفن کے لئے کپڑا نہیں، غرضکہ ثانی اثنین کا ہر طرح ظہور ہے۔ حضرت عمر فاروق اس لحاظ سے سید الشہداء ہیں کہ مدینہ طیبہ کی زمین مسجد نبوی شریف حضور کا مصلّٰے اور نمازِ فجر میں مشغولیت اور عین اسی حالت میں شہادت، پھر روضۂ پاک میں دفن، اتنے صفات کسی میں جمع نہیں ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللّٰہ تعالیٰ اس لئے سیّد الشہداء ہیں کہ مدینہ کی زمین، قرآن کی تلاوت اور خون کا پہلا قطرہ قرآن کی اس آیت میں گرنا فَسَیَکْفِیْکَهُمُ اللّٰهُ الآیہ، پھر صابر ایسے کہ بوقت قتل قاتل کا مقابلہ تو کیا اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ بھی نہ اُٹھایا بلکہ سب کو مقابلہ سے منع فرمادیا، تاکہ میری وجہ سے مدینہ کی زمین خون سے رنگین نہ ہو ٭

حضرت امام حسینؑ اس لئے سیّد الشہداء ہیں کہ از آدم تا ایں دم کسی نے اُن کی سی مصیبتیں نہ

اٹھائیں۔ کربلا کے میدان میں وہ غازی بھی تھے پردیسی مسافر بھی اور مہاجر بھی، تین دن کے متواتر روزہ دار بھی، بچوں اور گھر بار کو راہِ الٰہی میں لٹانے والے بھی اور انوکھے نمازی بھی کہ عین نماز میں شہید ہوئے چونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ حسنؓ و حسینؓ جوانانِ جنت کے سردار ہیں، اور چاہیئے یہ کہ سردار میں سارے ماتحتوں سے زیادہ کمال ہوں، اس سے پہلے بظاہر حضرت حسینؓ مہاجر نہ تھے، نہ مجاہد، نہ غازی، اگر اسی حالت میں اُن کے سر پہ سرداری کا عمامہ باندھ دیا جاتا، تو ممکن تھا کہ کوئی جنتی سمجھتا کہ ہمارے سردار میں فلاں کمال نہیں، مرضی الٰہی تھی کہ ایک کربلا میں یہ سارے منازل طے کرا دیئے جائیں، آپ کا ہر وصف نرالا ہے، نہ آپ جیسا کوئی نمازی گذرا، نہ روزہ دار، نہ غازی، اور نہ ایسا جلوس کسی کا نکلا، سب لوگ نماز کے لئے وضو کریں یا تیمّم، مگر آپ کی آخری نماز وہ تھی جس کے لئے نہ وضو تھا نہ تیمّم، جب پانی پینے ہی کو نہ تھا تو وضو کاہے سے کرتے، اور رہا تیمّم، تو تیمّم ہاتھ سے ہوتا ہے، منہ اور کلائی پر ہوتا ہے، اور خشک مٹی سے ہوتا ہے، مگر وہاں زخموں سے نہ چہرہ محفوظ تھا نہ کلائی، اور جب ریت پر ہاتھ مارا تو وہ خون سے کیچڑ بن گیا، اب بتاؤ تیمّم کیسے کرتے؟ ؎

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سایہ میں
نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سایہ میں

غرضکہ یہ انوکھی نماز وضو اور تیمّم سے بے نیاز تھی، روزہ ایسا انوکھا رکھا جو عالم میں بے مثال ہے سب کے روزے دن بھر کے، اُن کا روزہ ڈھائی دن کا، سب کے لئے وقتِ افطار غروب آفتاب ہے اُن کا وقتِ افطار دوپہر، سب غذا یا پانی سے روزہ کھولیں مگر حضرت حسینؓ نے اپنے خون سے روزہ کھولا، نیز اَوروں کی بیویاں بیوہ ہو کر عدت کے چار ماہ دس دن ایک جگہ بیٹھ کر گذاریں، مگر امام حسینؓ کی بیوی، علی اصغر کی والدہ، علی المرتضیٰ کی بہو بلکہ یوں کہو کہ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ کا اُجالا اور سارے مسلمانوں کی آبرو، یہ جب بیوہ ہوں تو بشکل جلوس کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق گرفتار ہو کر پہنچائی جاویں، جیسا جلوس حضرت حسینؓ کا بعدِ شہادت نکلا، ایسا کسی کا نہ نکلا ہوگا، آسمان و زمین نے کبھی نہ نظارہ نہ دیکھا ہوگا، کہ بھائی کا سر نیزہ پہ آگے آگے ہو، اور قیدی بہنیں پیچھے پیچھے اُونٹوں پہ سوار ؎

کہ سر بھائی کا ہو نیزہ پہ اور اونٹوں پہ ہوں بہنیں ٭ جہاں میں مبتلا ذیقدر کمتر ایسے ہوتے ہیں

مرنے والے بوقتِ موت اپنے بال بچوں کے لئے وصیتیں کرتے ہیں، لیکن حضرت حسین ایسے انوکھے دنیا سے جا رہے تھے کہ بہتر زخم کھا کر گھوڑے سے نیچے آئے، تو اپنے قاتل سفاک شمر سے دو رکعت نماز عصر کی مہلت مانگی، قسم رب کی ہماری لاکھوں نمازیں اُن کے اس ایک سجدہ پہ قربان ہو جائیں۔ ؎

اس دوگانہ پہ فدا ساری نمازیں جس میں ٭ دھار حلقوم پہ سر خم ہو عبادت کے لئے

اور کیوں نہ ہوتا وہ چمنِ مصطفےٰ کے مالی، اُمت کے والی، دین کے رکھوالی تھے مصیبت و آرام میں دین کی طرف رجوع فرماتے تھے ؎

پھنسی جو دام میں بلبل تو یوں لگی کہنے ٭ کرے گا قتل کیا تو نے جب اسیر مجھے
کباب شمع کے شعلہ پہ کیجیو صیّاد ٭ کہ شکلِ گُل نظر آئے دمِ اخیر مجھے

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے بوقتِ ذبحہ باپ کو وصیت کی تھی کہ میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیجئے تاکہ ذبحہ کے وقت نہ تڑپوں، کیونکہ جانکنی کی تڑپ سب کو ہوتی ہے، مگر حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات بھی ایسی انوکھی کہ ذبحہ کے وقت نہ تڑپے نہ جنبش کی ؎

تہِ خنجر بھی نہ تڑپا پسرِ شیرِ خدا ٭ یہ تکلّف تو فقط فاطمہ کے شیر میں ہے

بعدِ شہادت جب نیزہ پر سر رکھا گیا، تو آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور زمین پہ نظر تھی، کسی نے اس کا کیا عجیب نکتہ بیان کیا ہے ؎

با آنکہ سر ہے نیزہ پہ سُوئے زمیں ہے رُو ٭ یعنی ہے اُن کو سجدۂ ثانی کی آرزو

رکعتِ اول کا ایک ہی سجدہ تو کر پائے تھے کہ قاتل نے شہید کیا، یہ وہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید الشہداء ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شہداء کی شہادتیں انہی کے دامن پاک سے لپٹ کر بارگاہِ الٰہی میں پہنچتی ہیں، غرضکہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا سارا گھرانہ ہی پاک اور ستھرا ہے، میں کیا اور میری حقیقت کیا، جو ان کی صفات کا کرشمہ بیان کر سکوں بہت جلدی میں یہ چند اوراق لکھ دیئے، رب تعالیٰ انہیں قبول فرما کر میرے گناہوں کا کفارہ اور صدقہ جاریہ بنائے

یَلُوْحُ الْخَطُّ فِی الْقِرْطَاسِ دَهْرًا ٭ مُصَنِّفُهٗ رَمِیْمٌ فِی التُّرَابِ

جو کوئی اس سے فائدہ اٹھائے، وہ مجھ فقیر بے نوا کے لئے دعائے مغفرت فرمائے کہ اس محنت سے یہ ہی مقصود ہے ؎ اے کہ برمائے روی دامن کشاں ٭ از سرِ اخلاص الحمدے بخواں ٭

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الراحمین ۔

احمد یار خاں نعیمی اشرفی

۱۴ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ

فہرست کتاب مستطاب شان حبیب الرحمٰن

سید ایوب علی رضوی بریلوی رضوی کتب خانہ تاج پورہ لاہور (گلزار عالم پریس لاہور)